

دیوان میر (فارسی)

مع اردو ترجمہ

از
افضال احمد سید



اوکسفرڈ

دیوانِ میر

(فارسی)

دیوانِ میر

(فارسی)

میر تقی میر

ترجمہ: افضل احمد سیّد

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اؤکسفورڈ یونیورسٹی پریس

اؤکسٹریج یورپی پریس یورپی آف اؤکسٹریا کا ایک شعبہ ہے۔ یہ دنیا بھر میں
درج ذیل کتابوں سے بڑی تعداد میں کتب تحقیق، علم و تعلیمات اور تعلیم میں اعلیٰ معیار کے
مطالعہ کے فروغ میں یورپی کی معاونت کرتا ہے:

اؤکسٹریا یورپ

اولیڈ کیپ ہاؤس دارالاسلام ہنگ کونگ کراچی
کولمبو میڈیا مطبعہ نیپال نیپال
یورپی اکیڈمی نیپال نیپال

درج ذیل ممالک میں اؤکسٹریا یورپی پریس کے مطبعہ ہیں:
آرمینیا، آسٹریا، برازیل، بلیج، چیک، فرانس، جرمنی
گرمے، ہنگری، اٹلی، جاپان، کینیڈا، کولمبو، کوسوو،
کرویئشا، کوسوو، لیبیا، ترکی، یوکرین، ویتنام
Oxford، برطانیہ اور چند دیگر ممالک میں اؤکسٹریا یورپی پریس کا رجسٹرڈ ایڈیٹر ہے۔
پاکستان میں اؤکسٹریا یورپی پریس سے شائع ہوئی۔

© اؤکسٹریا یورپی پریس ۲۰۰۳ء

محرم کے اخلاقی حقوق پر زور دیا گیا ہے۔

ہر حقوق محفوظ معلومات (database) حق اؤکسٹریا یورپی پریس (ناشر) محفوظ ہیں۔

پہلی اشاعت ۲۰۱۳ء

ہر حقوق محفوظ ہیں۔ اؤکسٹریا یورپی پریس کی حلقہ تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کے کسی حصے کی
نقل، ترجمہ، کسی قسم کی اشاعت یا کاری جہاں سے اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہو یا کسی بھی شکل میں اور کسی اور جگہ سے
تذکرہ جس کی جانچ لی۔ دوبارہ اشاعت کے واسطے معلومات حاصل کرنے کے لئے
اؤکسٹریا یورپی پریس سے مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں۔

آپ اس کتاب کی تعلیم کسی دوسری شکل میں نہیں کریں گے اور
کسی دوسرے حاصل کرنے والے پر بھی لازمی شرط عائد کریں گے

ISBN 978-0-19-906203-8

پاکستان میں پرنٹنگ پر عزم نہایت ہی اعلیٰ ہوئی۔

میں نے اؤکسٹریا یورپی پریس

نمبر ۸، بکھر ۱۵، کورنگی ایڈریس ایف، بی، اوکس فہر ۸۲۱۳،

کراچی۔ ۲۰۰۰ء، پاکستان سے شائع کی۔

نیر مسعود کے لیے

ترتیب

ح	مقدمہ	محسن الدین نقیل
ذ	تعارف	افضال احمد سید
ا	غزلیات	
۴	ردیف (الف)	غزل ۵۱۵۱
۴۳	ردیف (پ)	غزل ۵۷۲۵۲
۴۸	ردیف (ت)	غزل ۱۲۲۴۵۸
۱۱۴	ردیف (ث)	غزل ۱۴۳
۱۱۴	ردیف (ج)	غزل ۱۲۳
۱۱۴	ردیف (چ)	غزل ۱۳۵
۱۱۴	ردیف (ح)	غزل ۱۳۶
۱۱۴	ردیف (خ)	غزل ۱۳۸۵۱۳۷
۱۱۴	ردیف (د)	غزل ۲۸۰۵۱۴۹
۲۱۸	ردیف (ر)	غزل ۲۹۵۵۲۸۱
۲۳۰	ردیف (ز)	غزل ۳۰۴۵۲۹۹
۲۳۹	ردیف (س)	غزل ۳۰۷۵۳۰۳
۲۴۸	ردیف (ش)	غزل ۳۲۴۵۳۰۸
۲۵۳	ردیف (ص)	غزل ۳۲۴
۲۵۳	ردیف (ض)	غزل ۳۲۵
۲۵۳	ردیف (ط)	غزل ۳۲۷۵۳۲۹

۲۵۴	غزل ۴۲۸	ردیف (ب)
۲۵۴	غزل ۴۳۰-۴۳۲۹	ردیف (ج)
۲۵۶	غزل ۴۳۲-۴۳۴۱	ردیف (د)
۲۵۶	غزل ۴۳۴	ردیف (ف)
۲۵۶	غزل ۴۳۵-۴۳۴۴	ردیف (ق)
۲۶۰	غزل ۴۳۹-۴۳۴۶	ردیف (ک)
۲۶۴	غزل ۴۴۸-۴۳۴۰	ردیف (ل)
۲۷۰	غزل ۴۴۳-۴۳۴۹	ردیف (م)
۴۲۸	غزل ۴۴۱-۴۴۱۴	ردیف (ن)
۴۵۶	غزل ۴۵۶-۴۴۴۴	ردیف (و)
۴۷۴	غزل ۴۷۵-۴۴۷۷	ردیف (ز)
۴۸۶	غزل ۵۴۰-۴۴۷۶	ردیف (ی)

۴۴۴ ضمیر ردیف (ا) اشعار منسوخ

۴۴۶ ضمیر ردیف (د) اشعار منسوخ

۴۴۹ رباعیات

۴۷۴ مثنوی

۴۹۵ مسدس

مقدمہ

اردو کے جن کلاسیکی شعراء پر ناقدین اور محققین نے کما حقہ توجہ دی ہے ان میں جاوید خورشید پر میر تقی میر کا نام بھی سرفہرست ہے۔ اس ضمن میں ناقدین کے مطالعے اور تجزیے کا موضوع زیادہ تر میر کی شاعری کی خصوصیات و انفرادیت، فن اور اس کا امتیاز اور عہد و معاشرت کی اثر پذیری پر مرکوز رہا ہے، جب کہ محققین نے میر کے احوال، عہد و معاصرین اور آثار و اثرات کو موضوع بنایا ہے۔ آثار کے ضمن میں میر کی تصانیف کی جستجو و دریافت، تدوین و ترتیب اور صحیح متن کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔

گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں میں میر کا اردو کلام جیسے متداول دواوین کی صورت میں بار بار شائع ہوا ہے اور کلام کے متن کی تصحیح و تدوین کا حق بھی خوب ادا کیا گیا ہے، جو میر کے کلام کی خوبیوں اور میر کی مقبولیت کا قیاس بھی تھا۔ اسی تحقیق کے ضمن میں یہ دریافت بھی سامنے آئی ہے کہ میر کا کل کلام چھ نہیں بلکہ سات دواوین پر مشتمل ہے، جن میں سے اب تک صرف چھ دواوین دستیاب رہے ہیں اور شائع ہوئے ہیں، جب کہ کلام میر کا دواوین ہفتم بھی موجود ہے جو اب تک عام دسترس میں نہیں بلکہ عبدالرحمن ہار کے ذاتی کتب خانے میں موجود رہا، لیکن اب یہ ان کے کتب خانے کی نوزاد سے کولابپور، لطیفیا میں "انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی" کے "اسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ ریسرچ" کے کتب خانے میں منتقلی اور اس کے ذخیرہ ہارک میں محفوظ اور کسی محقق کی تصحیح و تدوین اور اشاعت کا منتظر ہے۔

اردو کلام کے علاوہ میر کی تمام تخلیقات و تصانیف: ذکرِ میر، فہرستِ میر، نکات الشعراء اور مجموعۂ نیاز فارسی میں ہیں۔ (آخر الذکر اہم اور غیر معروف اور تا حال غیر مطبوعہ تصنیف کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مقالہ: "میر تقی میر: ایک گمشدہ بیاض کی دریافت"، مطبوعہ: معیارِ مجلہ شعبۂ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، ص: ۱۸۹ تا ۲۱۳)۔ ان نثری فارسی تصانیف کے علاوہ میر نے فارسی شاعری میں بھی طبع آزمائی بھی کی تھی جس کا مجموعہ انھوں نے بصورتِ دواوین ۱۱۶۳ھ میں مرتب کیا تھا، لیکن اس دواوین کے قلمی نسخے جو مسبقہ طور پر متعدد ذخیروں: مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ؛ کتاب خانہ درگاہ شاہ فہمیں، دہلی، گوالیار؛ کتاب خانہ ریاست رامپور، ادارہ کتبیات اردو، حیدرآباد؛ کتاب خانہ کشاپان، اوڈھ، کھنٹو؛ اور کتاب خانہ مسعود حسن

رضوی ادیب، مکتبوں میں محفوظ ہیں یہ ۱۱۹۲ھ اور ۱۲۰۳ھ کے مکتوب ہیں۔ کئی اکابر ادب: عزیز لکھنوی، ابوالکلیث صدیقی، محمود حسن خلیفہ، وزیر الحسن عابدی، اختر علی ملہری اور اکبر حیدری کا شعری وغیرہ نے مختلف وقتوں میں اپنے طور پر اگرچہ اس کے تعارف و مطالعے کا حق بھی ادا کیا، لیکن یہ اگست ۱۹۸۳ء میں نقوش کے ”میر نمبر“ (۳) کی اشاعت سے قبل تک منظر عام پر نہ آ سکا۔ اس کی اشاعت کا اہتمام مکلی مرتبہ اس مجلے نے کیا اور یہ پیر مسعود رضوی کے تعارف و قرأت اور اکبر الہ دین صدیقی کی کاوش سے اس مجلے میں شائع ہوا۔

میر کی حیثیت و عظمت کے تعین کے لیے جہاں ان کی اردو شاعری اور دیگر تخلیقات ناگزیر ہیں وہیں میر کو سمجھنے کے لیے ان کا فارسی کلام بھی بے حد اہم ہے۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کہ مسلمہ طور پر میر جنوبی ایشیا میں فارسی شاعری کے دور آخر کی مستحکم لیکن دم توڑتی ہوئی روایت کے نمائندہ اور اہم شاعر ہیں۔ پھر ان کی فارسی شاعری کا مطالعہ و تجزیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک محفوظ رائے کے مطابق ان کی فارسی اور اردو شاعری کا ایک حصہ ایک دوسرے کا پرتو ہیں اور ایسے متضاد خیالات و جذبات جو انھوں نے اردو میں نظم کیے وہ فارسی میں بھی دہرائے ہیں اور یہ عمل شاید اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ اس حوالے سے میر کے فارسی کلام کا مطالعہ سہمی اور نفسیاتی اور ادبی و فنی ہر اعتبار سے اہم سمجھا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب میر نے اپنی عمر (پیدائش ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۷۷۳ء یا ۱۷۷۴ء) کے قریب ۲۸ سال کے عرصے میں، یعنی ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں، اپنا فارسی دیوان مکمل کر ڈالا تھا تو پھر انھوں نے بعد کی اپنی عمر (وفات: ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء) کے ۲۶ سالوں میں مستقل مزاجی سے فارسی میں شاعری کیوں نہ کی؟ اگر کی ہو تو پھر ہمیں میر کے مزید فارسی دیوان یا دوویں کی دریافت کا منتظر رہنا چاہیے۔ قرآن مجید کا ظاہر کرتے ہیں کہ میر نے بعد کے عرصے میں فارسی میں مستقل مزاجی سے شاعری نہیں کی اور وہ صرف اردو کے ہو کر رہ گئے۔

زیر نظر اشاعت اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ یہ میر کا فارسی دیوان ہے اور مکلی مرتبہ مکمل کتابی صورت میں منظر عام پر آ رہا ہے۔ اسے فی الواقعہ ”میریات“ کے ضمن میں ایک بہت اہم اضافہ سمجھا جانا چاہیے کہ جو بطور متن و ناخذ اس صورت میں اب عام دسترس میں ہے۔ پھر اس اشاعت کی ایک مزید اہمیت اور خوبی یہ بھی ہے کہ اصل فارسی متن کے ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی متن کے مقابل پیش کیا گیا ہے کہ اس طرح اصل مکمل متن بھی قابل مطالعہ ہے اور آج کے اس دور میں جب فارسی زبان سے شدہ جہ بھی اب عام نہیں ہے، عام شائقین کے لیے اس کا فہم بھی ممکن ہو

کیا ہے، جس کے بغیر حقیقتاً میر کے ایک جامع مطالعے کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک اور خوبی اس اشاعت کی یہ بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ فارسی متن کا ترجمہ انضام احمد سید نے کیا ہے، جو آج ان محدودے چند افراد میں شامل ہیں جو ایک جانب جدید ادبی رجحانات و افکار سے بھی مستفید ہیں اور دوسری جانب مشرقی شعری روایات اور ان کے حسن سے بھی واقف بلکہ فیض یافتہ ہیں۔ فارسی سے ان کی واقفیت بھی اس امر کا ایک مظہر ہے۔ جب کہ ان کی تخلیقات اور عالمی ادب کے ان کے تراجم ان کے ان مشترکہ اوصاف کے نمایاں شواہد ہیں۔ یہ ترجمہ منظور ہے جو ایک عام قاری کے لیے زیادہ سہل اور قابل فہم ہے۔ آج ہمارے علم کی سطح اس حد تک زوال پذیر ہے کہ انتہائی سادہ و سہل شعرا کے کلام کی شرحیں بھی مرتب ہو رہی ہیں، اس لحاظ سے دیوان عسکو فارسی مع اردو ترجمہ کی یہ اشاعت نثری ترجمے پر مبنی ہونے کے باعث آج کے ہر قاری اور خاص طور پر کلاسیکی ادب کے تمام شائقین اور میر کے چاہنے اور مطالعہ کرنے والوں کے لیے یقیناً مفید اور پرکشش ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل

تعارف

میر تقی میر (۱۷۲۳ء تا ۱۸۱۰ء) نے ایک مشکل وقت میں زندگی گزاری۔ وہ آگرے میں ایک غیر آسودہ حال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں اپنے درویش صفت والد محمد علی متحقی کے انتقال کے بعد دہلی چلے گئے اور ساٹھ سال کی عمر میں دہلی کے اجڑ جانے کے بعد لکھنؤ کو مسکن بنایا اور یہی ان کا دفن بھی ٹھہرا۔ میر نے محمد شاہ رگھیلہ سے اکبر شاہ ثانی تک مغل بادشاہوں کا دور دیکھا یعنی وہ مغل سلطنت کے زوال کے بہترین شاہدوں میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ اور ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں دہلی کی تاراجی دیکھی اور آخر کار مغل بادشاہ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا قتل کا سہرہ دہا دینا پڑا۔ ذاتی زندگی میں ایک عشق ان کا وہدانی سرمایہ ہے۔ میر حلق پیشتہ تھے اس لیے ساری زندگی آسودہ حالی نصیب نہیں ہوئی۔

میر نے، جو ہمارے خدائے سخن ہیں، اردو کے سات اور فارسی کا ایک دیوان چھوڑا ہے۔ مصنفی (۱۷۵۰ء تا ۱۸۲۳ء) نے میر کی فارسی شاعری کے بارے میں اپنے تذکرے عقد قرین میں لکھا:

چند ریت کے کُن میں اسے شروع ہی سے ناموری حاصل ہو چکی تھی، اس لیے اپنی فارسی شاعری پر اسے اتنا غور نہیں، اگرچہ اس کا فارسی کام ریت سے کم ریت نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ (زندگی میں ایک مرتبہ) دو برس تک ریت کا مثل موقوف کر رکھا تھا تو اس نے میں قریباً دو ہزار فارسی اشعار پر مشتمل ایک دیوان چھوڑ دیا تھا! مظفر علی سید کا خیال ہے کہ میر نے خان آرزو سے علیحدگی کے بعد ریت کوئی موقوف کر رکھی تھی۔

اسی دور میں انھوں نے اپنا زیادہ تر فارسی کام کہا اور ساتھ ہی بچنے کا وہ حوصلہ پیدا کیا جس کے بغیر وہ اسے سال تک ایک پر آشوب دور کے شاعر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ گویا میر کے فارسی دیوان کو ان کی تاریخی صورت حال اور کمال فن و ادب لحاظ سے ان کی ادبی شخصیت کی تصویر میں کلیدی حیثیت حاصل ہے!

فارسی، افغانی حملہ آوروں کی زبان تھی جو ہندوستان پر ان کے قبضے کے بعد درباری زبان بنی۔ بعد میں ترکی الفسل بادشاہوں نے بھی فارسی کو درباری زبان بنائے رکھا، لیکن فارسی کو بے مثال

^۱ نقول میر نمبر (۳)، شمارہ ۳۱، اگست ۱۹۸۳ء، ص ۶۲۳۔

^۲ نقول میر نمبر (۳)، شمارہ ۳۱، اگست ۱۹۸۳ء، ص ۶۲۲۔

عروجِ مغل دورِ حکومت میں حاصل ہوا۔ مغل بادشاہوں کی سرپرستی حاصل کرنے کے لیے ایران سے ہاکمال شاعر ہندوستان آنے لگے تھے۔ ہندوستان میں فارسی دربار کی زبان تھی، اشراقیہ کا ذریعہ ابلاغ تھی اور فارسی چنانچہ تہذیب یافتہ ہونے کا پیدائشی ثبوت تھا۔ فارسی میں ایک نئی انفرادیت بھی تھی، ہندوستان سے اتنا طویل تک بشمول کاشغر دنیا فارسی نواں تھی۔ ایران میں صفوی بادشاہوں کے عہد (۱۵۰۱ء تا ۱۷۳۶ء) میں ایرانیت اور دوسری معاشرتی اور مذہبی تحریکوں نے ایران کو دوسری فارسی بولنے اور لکھنے والی دنیا سے دور کر دیا۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی میں ماوراءالنہر اور سلطنت عثمانیہ کے محرمہ ممالک بھیڑی سے ترکی کی طرف راغب ہو گئے۔

ایران کی ہندوستان خواہ فارسی شاعروں کی ناقدی اور مغل سلطنت کے اقتدار کی زوال پذیری کے نمایاں عوامل کی وجہ سے اٹھارہویں صدی کے ابتدائی ریلج میں، اس زمانے میں جب اردو بولنے والے لوگوں نے فارسی کی بالادستی سے نکلنے کے لیے جدوجہد کی اور اپنی زبان میں لکھنا شروع کیا، اردو شاعری نے دلی میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی۔ اس طرح کی روش اس حقیقت کی وجہ سے بہت زیادہ پسند کی گئی کہ شعرا کی اکثریت سودا کے دستی کے ساتھ اشراقیہ طقوں کے بجائے جو فارسی تہذیب سے خشک تھے، پیشہ ور، دانشور، اور صوفیوں کے طبقوں سے آئی تھی! میر کی فارسی شاعری غالباً ان کے لیے اشراقیہ کے طبقے میں داخلے کا پروانہ بھی تھی۔

میر کے ہم عصر سودا، دہلہ، جانا، جانا، وغیرہ بھی اردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی شعر کہہ رہے تھے۔ میر نے نہ صرف فارسی میں انتہائی اعلیٰ اشعار کہے بلکہ فارسی نثر میں اپنی سوانح ذکیہ میوہ شاعروں کا تذکرہ نکات الشعراء اور ایک کتاب فیض میوہ لکھی۔

مظفر علی سید نے میر کی فارسی شاعری کو بیدل (۱۶۳۳ء تا ۱۷۳۰ء) اور غالب (۱۷۹۷ء تا ۱۸۶۹ء) کے درمیان کے دور کی بھترین فارسی شاعری قرار دیا ہے۔ "اردو کی طرح فارسی میں بھی انھوں نے قریب قریب ہر صنف شعر کو لیا ہے اور ہر قسم کے مضامین کو نظم کیا ہے، بلکہ اکثر مقامات پر فارسی میں انھوں نے جو بلند مضامین نظم کیے ہیں ان کی مثال ان کی اردو شاعری میں کسی کے ساتھ ملتی ہے۔" میر کے اردو کلام کو اتنا قبول عام حاصل ہوا کہ ان کا فارسی کلام تقریباً محبوب ہو گیا۔ حالانکہ

۱ نقوشِ میر (۳)، شمارہ ۳۱، اگست ۱۹۸۳ء، ص ۶۷۔

۲ غرہ علی، Glimpses of Mughal Society and Culture, A Study Based on Urdu Literature in the

Second Half of the Eighteenth Century، کوئٹہ پبلشنگ کمپنی، دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۔

۳ دلی کالج اردو میگزین (ایچک کلاس)، میرٹھ، شعبہ اردو، دلی کالج (ایچک کلاس)، دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۳۳۔

ان کی زندگی اور اس کے بعد تقریباً سو سال تک فارسی شاعری برصغیر پاک و ہند میں کی جاتی رہی۔ میر کا فارسی دیوان ۱۹۸۳ء تک مخطوطے کی شکل میں محفوظ رہا۔ اشاعت کی صورت جریہ نقوش کے میر نمبر میں ہوئی۔

میر کی مکمل فارسی شاعری دیوان کی شکل میں پہلی بار شائع ہو رہی ہے۔ یہ فارسی دیوان بنیادی طور پر مسعود حسن رضوی ادیب کا مرثبہ کردہ ہے۔ صرف چند مقامات پر ادارۃ ادبیات، حیدرآباد دکن کے مخطوطے کی نقل سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس مخطوطے کا نسخہ بھی نقوش کے میر نمبر (۳) میں شائع ہوا تھا۔ میر کے منتخب اشعار شریف حسین قاسمی کے تخری ترجمے کے ساتھ جریہ اردو ادب میں نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئے۔ قاسمی کا ترجمہ مشورہ و زائد سے پر ہے۔

میں رفیق احمد نقاش کا مضمون ہوں کہ انہوں نے ترجمے میں غلطی آنے والی مشکلات کے حل میں میری مدد کی۔ میں اپنی شریک حیات خیر انجم کا بھی مضمون ہوں جن کے مشورہ سے متعدد اشعار کا عام فہم ترجمہ ممکن ہوا۔

میر کے اشعار کا ترجمہ فارسی کی سہولت کے لیے ساتھ ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ یہ تخری ترجمہ اصل فارسی متن سے ممکنہ حد تک مطابقت رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اور اس امید کے ساتھ پیش ہے کہ قارئین ان خوبصورت اور نیش قیمت اشعار کو پڑھ کر میر کی شاعری کی ایک اور جہت سے آشنا ہوں گے اور ان اشعار کے محاسن ان کی ہدایتی اور فکری ثروت میں اضافہ کریں گے۔

افضال احمد سید

کراچی

۵ اکتوبر ۲۰۱۱ء

غزلیات

۱

اے ز انعام تو دا شد غنیمت اسکان ما
آپ در بخور دارد از لطف تو باغ جان ما
با کرم گر کار افتد جرم ما را نیست قدم
یک پر کاه است کوه شایخ عصیان ما
دیدہ تر کے قلی بخش عاشق می شود
ضیغ طوفاں شود یارب سر مژگان ما
ایں نہ پنداری کہ مردن موجب آسودن است
مرگ ہم یک منزل است از راو بے پایان ما
میر اگر ایں است جوش گرہ در بھران یار
ابر خواهد بود آب از دیدہ گریان ما

۲

کنوں حفظ کن آہوئے مرا
میںداں بر خاک روئے مرا
بجویم ترا ہر کہا تا کہا
پہ جائے رساں جیتوئے مرا
چرا نکلے کز ازل بودہ است
سرے با کشتن سبوتے مرا
چنداز گوشے پہ ہر حرف من
اداما بود گفتگوئے مرا
خوش آں دم کہ برسید زانونی
بری تا پہ غولی گلوئے مرا
پہ عہد جنوں شورشے داشتہ
تو نھندہ ای ہائے ہوئے مرا
پہ مردن قلی شدم دہنہ میر
نہایت نہ بود آرزوئے مرا

۱

اے (خدا) تیری عفتیت سے ہمارا غچہ اسکاں کھلا
تیری مہربانی سے ہمارے بارگ جاں کی صہر پانی سے بھری ہوئی ہے
اگر (تیرے) کرم سے کام پڑا، ہمارے جرم کی (کوئی) حیثیت نہیں ہے
ہمارے گناہوں کا بند پہاڑ ایک شنگے (کے برابر) ہے
دیدۂ تر عاشق کے لیے کب تسلی دینے والا ہوتا ہے
یارپ ہماری چکوں کا کنارہ طوفان کا منبع ہو جائے
یہ گمان نہ کرنا کہ مرنا آرام پانے کا باعث ہے
ہماری بے پایاں راہ میں موت بھی ایک منزل ہے
میرا اگر یار کے جہر میں رونے کا دلوںہ بھی ہے
بادل (بھی) ہمارے دیدۂ گرہاں سے پانی لے جائے گا

۲

اب میری آبرو کی حفاظت کر
خاک پر میرا چہرہ نہ جھکا
تجھے کہاں کہاں ڈھونڈتے ہیں
میری جستجو کو منزل تک پہنچا دے
کیوں نہ ٹوٹ جائے کہ ازل سے ہے
میرا سہوٹنے کی فکر میں
میرے ہر حرف پر کان دھر
میری گفتگو بہت سی ادائیں رکھتی ہے
وہ مہارک سماعت (تھی) کہ تو نے سینے پر زانو رکھا
تا کہ اچھی طرح میرا گلا کاٹ سکے
(میں) مہد جنوں میں ایک شورش رکھتا تھا
تو نے میری ہائے ہونٹیں سنی ہے
میں مرنے سے تسلی پا گیا اور نہ میر
میری آرزو کی انتہا نہیں تھی

۳

چہ علم است از دہان تنگ او ما رویاں را
 نماید رہ گھر با سبز خط گم کردہ راہاں را
 زنی تا چشم بر ہم، مہر رنگہ کینہ ی گیرد
 مرقت آشنائی نیست ہرگز خوش نگاہاں را
 جہانے گو بہ محشر بر سر خود خاک اندازد
 کہ ی پرسد چہ پیش خوبی او دادخواہاں را
 مرا از سیر کشتن دل خوشی حاصل نمی گردد
 بہ یادم ی دہد ہر غنچہ گل کج کداہاں را
 چہ یادم من کہ بر تن جامہ صد پارہ اے دارم
 بہ کویش وہ لہاں قمر دیدم پادشاہاں را
 کند خواہی نہ خواہی ہر سحر قلقل و فاداراں
 بہ گردن بستہ شمشیر تو خون بے گناہاں را
 بہ ایراں می روم وہ پانزدہ قلم عنایت کن
 وہ آوروے ست میر اشعار تو اہل صفاہاں را

۳

میاور در سخن دل تفتگان شوق جاناں را
 کسے رو ی دہد اے ہم نفس آتش زباناں را
 پے خوش ابرواں پایہ بسا خون بکھر خوردن
 بہ دست آوردن آساں نیست این ابرو کماناں را
 چہ خط از سیر نگوارم کہ یادم ی دہد ہرم
 قبائے چاک چاک گل لہاں نوجواناں را
 چہ کافر ساحری اے عشق بے پروا و دیں دشمن
 کہ بستی بر میاں زہر آخر سہو خواہاں را
 بیا اے میر وہ راہو محبت خویش را گم کن
 اگر خواہی کہ در پائی نشان بے نشاناں را

۳

ہم رو سیا ہوں کو اس کے تلک دامن کا کیا پتہ ہے
مگر وہ سبز خط سے گم کر دہ راہوں کو راہ دکھاتا ہے
تو جب تک آنکھ جھپکتا ہے محبت کہنے کا رنگ پکڑ لیتی ہے
غوش لگا ہوں کو عزت سے بالکل آشنائی نہیں ہے
جہاں سے کہو کہ محشر میں اپنے سر پر خاک ڈالے
کہ اس کی خوبصورتی کے سامنے انصاف چاہنے والوں کو کون پوچھتا ہے
مجھے سیر گلشن سے دل کی خوشی حاصل نہیں ہوتی
ہر غنچہ گل مجھے کچا کھلا ہوں کی یاد دلاتا ہے
میری کیا حیثیت کہ میرے بدن پر (تو) پہننے پرانے کپڑے ہیں
اس کے کوپے میں بادشاہوں کو فقیری کے لباس میں دیکھا ہے
زبردستی ہر صبح وفاداروں کو قتل کرتا ہے
حیری شمشیر کی گروہن پر بے گناہوں کا غلوں بندھا ہے
ایران کو جا رہا ہوں وہ چندرہ اشعار مجھے عنایت کر
میر تھیرے اشعار اہل اصفہان کے لیے تحفہ ہیں

۴

جاہان کے عشق کے آرزوہ دلوں کو بات مست کرنے دو
کون اسے ہم نفس آتش زبانوں کے سامنے آتا ہے
اتجھے ابرو والوں کے واسطے اکثر غلوں جگر پینا چاہیے
ابن ابرو کمان والوں کو ہاتھ میں لانا آسان نہیں ہے
مجھے گلشن کی سیر کا کیا لطف کہ مجھے ہر دم یاد دلاتی ہے
گل کی چاک چاک تھا تو جوانوں کے لباس کی
تو کیا کافر جاوگر ہے اے عشق، بے پروا اور دین کا دشمن
کہ تو نے آخر تصبیح پڑھنے والوں کے بدن پر زنگار باندھ دیا
آ اے میر محبت کی راہ میں خود کو گم کر دے
اگر چاہتا ہے کہ بے نشانوں کا پتہ پائے

۵

نہری سہل ز غیبِ این بہ شہود آمدہ را
 رہے ملے شدہ باشند بہ وجود آمدہ را
 انگب گرم بہ درد است خدا را دریاب
 از رہ دور دل این قاصد زود آمدہ را
 گرچہ موجود نہ کشتم دلے سہل مگیر
 این غلط کاری دہم بہ خود آمدہ را
 بجز را قدر بلندےست نہ پنداری سہل
 این دل از منزلت خویش فرود آمدہ را
 رفیع شوق شو و دیر و حرم را بگذار
 طوف کن میر بہ ہر در بہ بکود آمدہ را

۶

شب شیخ دید گردش چشم بیالہ را
 برداد داد زادی دیر سالہ را
 از ما حکایت غم دل می توان شنید
 ما خوب می کشم بیالہ این مقالہ را
 یک رہ تو ہم پرس از او اے نسیم صبح
 من خود نہ پانتم سبب داغ لالہ را
 غافل ز دل عشو کہ نصیبت شمرده اند
 اہل نظر مطالعہ این رسالہ را
 شور تو عندیپ، جگر چاک می کند
 آموختی ز میر نگر طرز نالہ را

۷

بسکہ خوش دارد دل من شربِ دہانہ را
 بر سر بازار بر سر می کشم بیانہ را

۵

غیب سے اس شہود میں آئے ہوئے کو سہل مت جانو
وجود میں آئے ہوئے نے بہت راہ طے کی ہوگی
میرا اقلب گرم تمام سوز و گداز ہے خدا کے لیے دیکھ
دل کی دور کی راہ سے اس تیزی سے آئے ہوئے کا قصد کو
گرچہ موجود نہیں رہا مگر سہل مت جان
وہم کی اس غلطی سے صود میں آئے ہوئے کو
عجز کا مرتبہ بلند ہے، سہل مت جان
اپنے مرتبے سے نیچے آئے ہوئے اس دل کو
شوق میں بے خود ہو جا اور پروہم کو چھوڑ
میر ہر گزے ہوئے در کا طواف کر

۶

رات کو شمع نے پیالہ کی آنکھ کی گردش دیکھی
سالوں پرانے فہم کو برباد کر دیا
ہم سے طم دل کی حکایت سنی چاہیے
ہم اس بات کو خوب بیان کرتے ہیں
ایک بار تو بھی اسے نسیم صبح اس سے پوچھ
میں خود لالہ کے داغ کا سبب نہیں پاسکا
دل سے غافل مت ہو کہ فیضت شمار کیا ہے
اہل نظر نے اس رسالے کے مطالعے کو
عندیب تیرا شور جگر کو چاک کرتا ہے
(تو نے) ضرور میرے نالہ کے طرز کو سیکھا ہے

۷

بلکہ کہ میرا دل مشربِ رندانہ کو پسند کرتا ہے
میں سر بازار بیانہ کو سر چڑھا کر بیٹھا ہوں

بود بر هر پاره دل صد الف داغ از غمش
خط کشی بعد از طرالی کرد عشق این خانه را
قیس را آیا سبب لیلی ز سحر جنت بود
آدمی مطلق نمی دانست آن دیوانه را
سینه صافی های من از گریه دیرینه است
سپل با چاروب کش بوده است این دیرانه را
نیست برهم خوردن جمعیت ما این قدم
اندک در جنبش آرزو آن ابروی مرده را
شمع بر مشب غبار گل هزاره خوش نماست
برفشاں بر خاک من خاکستر پروانه را
من نمی گفتم قریب اختلاط او مخور
دیدنی آخر میر طور آن دقایقانه را

۸

بے تو جایی که فقد دیده فم ناک آن جا
میزه تر شود از لوش و خاشاک آن جا
طالع آن که به نظیر کبر عشق رسیده
سر هر صید نه بزند به قتراک آن جا
اے که داری سر آن کوچ اگر خواهی رفت
یا دنگارے ست ز ما هم دل صد چاک آن جا
بر در هر مفاصل بیشتر از صبح بود
قیض با می رسد از سلسله تاک آن جا
میر جایی که به خیران محبت می سوخت
صبح دیدیم به جا مانده کلب خاک آن جا

۹

همین که موسم گل شد سبب خزان مرا
بهار آمد و آتش زد آشیان مرا

دل کے ہر کھلے پر اس کے غم کے سہ جزا نشانات تھے
 عشق نے اس گھر کو خراب ہونے کے بعد مٹا دیا
 قہیں کو کیا سب لیلیٰ نے صحرا سے نکال دیا
 اس دیوانے کو مطلق آدمی نہیں سمجھتا تھا
 میری صاف دلی بہت مدت سے روتے رہنے کی وجہ سے ہے
 سیلاب اس دیرانے کے چاروںپ گھس رہا ہے
 ہماری جمعیت کا منتشر ہونا اتنا (مشکل) نہیں ہے
 ڈرا ان گھنی ہنوزوں کو حرکت میں لا
 کسی گل عذار کے مشتے خہار پر طبع اچھی لگتی ہے
 میری خاک پر پروانے کی خاکسٹر ڈال
 میں نے نہیں کہا تھا اس کی دوستی کا فریب مت کھا
 آخر میرے تو نے اس وفا بیکانہ کا طور دیکھ لیا

۸

حیرے بھیر جس جگہ دیوئے فناک پڑتا ہے، وہاں
 ہیزا ترننے سرے سے شمس و خاشاک بن جاتا ہے
 اس (ظہار) کی قسمت (اچھی) کہ جو عشق کی ظکار گاہ میں پہنچا
 ہر ظہار کا سرواں قزاق^۱ سے نہیں بانہ تھے
 اے تو جو کہ اس کو بچے کا خیال رکھتا ہے اگر (وہاں) گیا
 اس جگہ ہماری بھی دل صد چاک کی یادگار ہے
 چور سلطان کے دروازے پر صبح سے پہلے چلے جاؤ
 وہاں تاک کے سلسلے سے بہت سے فطش پکچتے ہیں
 میرے جس جگہ محبت کی آگ سے جلاتے ہیں
 (ہم نے) صبح وہاں کف خاک پٹی ہوئی دیکھی

۹

دیکھو کہ موسم گل میری خزاں کا سبب ہو گیا
 بہار آئی اور میرے آشیان کو آگ لگا دی

^۱ ہماز و بچے والے۔

^۲ وہ ترننے والے کے ساتھ آگے بچے لگا ہوتا ہے اور اس میں ظہار و میرہ لگایا جاتا ہے۔

بہم رسید محتاج وفا چہ صد محنت
 ولے پسند نیکوکار دلستان مرا
 کہاں چہ دست گرفتن چہ غلطی و گردوں
 نشان تیر ہلا کرد استخوان مرا
 چہ جمع باحمیاں حریف من اثر دارد
 چہ بزم عیش نہ فہمہ کسے زبان مرا
 ز ضعف میر چہ چشم کسے نمی آیم
 لطافت ست چہ ہاں جسم ناتوان مرا

۱۰

قرار نیست چہ تن جان ہے قراں مرا
 وداع عمر قریب است ہے تو یاراں مرا
 شبے نہ شد کہ سپرے نہ کرد روز ولے
 سحر نہ کرد شب خیرہ روزگاراں مرا
 چہ حق دیدہ غم ناک ساغر مئے تاب
 چشم بار خدایا شراب نواراں مرا
 ز باز پرس قیامت چہ غم کہ بس باشد
 وسیلے سر زلفش سیاہ کاراں مرا
 ز جوش گریہ ما غم کشاں میر کہ میر
 بنا چہ آپ رساند است کوہساراں مرا

۱۱

لخصہ دل ہر شب چہ دامنہ نمی دامن چہ
 ہر سحر سر در گریہ نامہ نمی دامن چہ
 باب لطفش صیغہ لیکن چہ از روی رسم
 بر در او دیر می نامہ نمی دامن چہ
 چارہ من دل رہاں جملہ می دانند لیک
 کس نمی گوید کہ می دامنہ نمی دامن چہ

ہزار کوشش کے بعد حنا داغ بہم پہنچی تھی
مگر میرا دل جھینٹنے والے نے پسند نہیں کی
تو نے بچھنے میں کمان ہاتھ میں اٹھائی اور آسان نے
میرے استخوان کو تیرے لٹکانے کر دیا
باقم کرنے والوں کے مجمع میں میری ہات اثر رکھتی ہے
ہر دم پیش میں کوئی میری زبان نہیں سمجھتا
ضعف سے میرے کسی کی آنکھوں میں نہیں آتا
میرا ناتواں جسم روح کی طرح لطیف ہے

۱۰

بے قراروں کے تن میں جان کو قرار نہیں ہے
تیرے بطیر یا دلوں کا جان سے جانا قریب ہے
ایک رات (ایسی) نہیں تھی کہ اس کو آسان نے دن نہ کیا، مگر
تیرا روزگاروں کی شب کو سحر نہیں کیا
ویدائنناک کے صندوق میں نئے تاب کا سا فر
اسے خدا شراب خماروں کو بخش دے
قیامت کی باز پرس کا کیا غم کہ کافی ہوگا
اس کی زلف کا وسیلہ سیاہ کاروں کو
ہم غم کشوں کے جوش گریہ کی نہ پچھے کہ میرے
کو ساراں کی بنیاد کو ہلا دیتا ہے

۱۱

ہر شب لختِ دل میرے دامن میں (ہے)، نہیں جانتا کیوں
ہر صحر میرا سر میرے گریبان میں (ہے)، نہیں جانتا کیوں
اس کے لطف کے قائل نہیں ہوں لیکن جب راہ سے پہنچتا ہوں
اس کے دروازے پر دیر تک (کھڑا) رہتا ہوں، نہیں جانتا کیوں
سارے دل رہا میرا علاج جانتے ہیں لیکن
کوئی نہیں کہتا کہ میں جانتا ہوں، نہیں جانتا کیوں

نے از آں سو رنجھے، نے چھپے، نے کاوشے
 خود پہ خود خاطر پریشانم، نمی دانم چرا
 باوجود ناامیدی گریہ چوں سری ستم
 می رسد دل تا پہ مژگانم، نمی دانم چرا
 او غرور حسن دارد زیں سبب پرداش نیست
 من کہ حیلہ خویش نخوانم، نمی دانم چرا
 گریہ من گرچه می دانم نہ دارد حاصلے
 باز صبح و شام گریانم، نمی دانم چرا
 میل او امکاں نہ دارد سوائے عاشق ویں کہ من
 با ہزاراں نام می خوانم، نمی دانم چرا
 لدے شد میر مژگانش ز من برگشتہ است
 خارخارے هست با جانم، نمی دانم چرا

۱۲

چوں بکف تنم کہاں آں ترک سختی کش را
 دل شود بہتاپ و از جاہ لایم خویش را
 چشم خود چیں از سحر بکشا کہ شیران خدا
 در نظر دارند قافل وقتہ گرگ و میش را
 چند با دیوانگان تاصح نہ دارد حاصلے
 شیوہ رنجے بیاسوز آں ستم اندیش را
 بر نہ دارد از سر ما دست شفقت بچہ گاہ
 عشق می داند شک خوار خود این دل ریش را
 ہم چہ میر آرزوہ جانے در پیدا می شود
 مفتنم دانید روزے چند این درویش را

۱۳

دل کہ در سجنہ می سجید مرا
 این زباں از مژہ چکید مرا

اس طرف سے نہ کوئی رنجش، نہ کوئی الجھن، نہ کوئی غلط
 خود بخود پریشاں خاطر ہوں، نہیں جانتا کیوں
 ناامیدی کے باوجود جب گریہ شروع کرتا ہوں
 دل میری چٹکوں تک آ جاتا ہے، نہیں جانتا کیوں
 اسے حسن پر غرور ہے اور اس وجہ سے اس کو پروا نہیں ہے
 میں نہیں جانتا کہ میں کیوں خود کو مضہال نہیں سکتا
 گرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے رونے کا کوئی حاصل نہیں ہے
 پھر بھی صبح و شام روتا ہوں، نہیں جانتا کیوں
 عاشق کی طرف اس کا راجب ہونا امکان نہیں رکھتا اور یہ کہ میں
 (اسے) ہزاروں نام سے پکارتا ہوں، نہیں جانتا کیوں
 قدرت ہوئی ہے میرے اس کی مڑگاں مجھ سے پھری ہوئی ہیں
 میری جان کو بے گنتی ہے، نہیں جانتا کیوں

۱۲

جب اس ترک ستم گر کے ہاتھ میں کمان دیکھتا ہوں
 دل بے تاب ہو جاتا ہے اور جگہ جگہ سے خود کو سامنے لاتا ہوں
 اپنی آنکھ سر سے پیلے کھول کہ فدا کے شیر
 اسے غافل، وقتے گرگ و میش کو نظر میں رکھتے ہیں
 تاسع دہانوں کو نصیحت کوئی حاصل نہیں رکھتی
 اس ستم اندیش کو رحم کا شیوہ کھتا
 کبھی بھی ہمارے سر سے دستِ شفقت نہیں کھینچ
 عشق اس زخمی دل کو اپنا تک غوار رکھتا ہے
 میرے آ زردہ جاں فداؤں میں پیدا ہوتا ہے
 چند روز اس درویش کو منتقم رکھیے

۱۳

دل کہ میرے سینے میں بڑپا تھا
 آج کل میری چٹکوں سے ٹپک رہا ہے

از لب او چرخ آہ چرخ
کز غمش چاہی چہ لب رسید مرا
آں کہ شب دید آفتاب چہ فلک
صبح در رنگہ خاک دید مرا
زود باشد کہ دوستان بینند
بر سر کوئے او ہبید مرا
دست ہر دم چہ چغی بردی او
میر در خاک و خوں کشید مرا

۱۴

دارم چو چاہ عزیز دل زار خویش را
خوں کردہ ام در او غم بسیار خویش را
کہ کہ چہ آفتاب چہ سری رسیدہ باش
افتادگان سانیہ دیوار خویش را
تجیق کن کز اول خلقت کسے ہنوز
زار ایں چہیں نہ کشد گرفتار خویش را
میرم ز رنگہ آں کہ بہ وقتہ دوار چاہ
خشے کشود دید چہ سر یار خویش را
جور و بخت کار تو و من ز سادگی
موقوف رحم داشتہ ام کار خویش را
محروم یک نگاہ کن رخصت از جہاں
دارفغان حسرت دیدار خویش را
سودائے ماست میر چہ حیار پیشہ اسے
کو ہارہا فراخت خریدار خویش را

۱۵

با ما ہنوز بے حرکی ہاست یار را
بے وجہ رنجست ہاں آں نگار را

اس کے لب کی مت پوچھ، آہ مت پوچھ
 کہ اس کے غم میں میری جان لیوں پر آگئی
 جس نے رات کو میری آگ آساں پر دیکھی
 صبح کو مجھے رنگِ خاک میں دیکھا
 جلد ہو گا کہ دوست دیکھیں گے
 اس کے کونپے میں مجھے شہید
 اس کا ہر دم تنگی پر ہاتھ لے جانا
 میرے مجھے خاک و خون میں لٹا گیا

۱۳

اپنے دلِ زار کو جان کی طرح عزیز رکھتا ہوں
 اس میں اپنے بہت زیادہ غم خون کر چکا ہوں
 کبھی کبھی آفتاب کی طرح سر پر پہنچ جاتا کر
 اپنی دیوار کے سائے میں پڑے ہوں کے
 تحقیق کر کہ اولِ خلقت سے کسی نے آج تک
 اپنے گرفتار کو اتنی بری طرح نہیں قتل کیا
 اس پر رنگ سے مرتا ہوں کہ (جس نے) جان جانے کے وقت
 آنکھ کھولی اور سربانے اپنے یار کو دیکھا
 جو رو جھا حیرا کام ہے اور میں نے سادگی سے
 اپنی مرادِ رحم پر موقوف کر رکھی ہے
 جہاں سے رخصت (کے وقت) ایک نگاہ سے محروم نہ کر
 تیرے دیدار کی حسرت میں خود سے گزر جانے والوں کو
 میرے ہمارا سودا ایک حیرا پیشہ سے ہے
 کہ جس نے اپنے عزیز کو ہار ہانچ دیا (ہے)

۱۴

یار کو ابھی تک مجھ سے بہت سی شکایتیں ہیں
 اس خوبصورت معشوق کو ہے وجہ یہ تمام رنجش ہے

ما تازہ واردانی جہان کہیں نہ ایم
 خریدہ ایم گردش لیل و نہار را
 گشتیم خاک و کینہ و بریدات بھاست
 حدود نمی کنی ز ملت این غبار را
 بر خاک ہم ز پہلوئے ما کار تنگ شد
 یارب کہا بریم دل بے قرار را
 از دل نہ رفت جنیش مزگان گل رخاں
 پا خود بہ خاک می برم این خارخار را
 بر ہر سخن کریمت مصطوت نہ بود
 از دست داد بے تہی چشم کار را
 برداشتن ز خاک بے مشکل است میر
 مجروح بے حد ستم روزگار را

۱۶

اُس سال نہ مانده ست ز انساں ما را
 می کشد دل ز جنوں سوئے بیاہاں ما را
 بے تو شب ہاشی گل زار کہا خواہش بود
 بہ زباں داشتہ بلبل پہ گلستاں ما را

۱۷

حالیا در دل نمی سمجھد غم بسیار ما
 یک دو روز اے بے وفا کم کم بکن آزار ما
 ما بہ یک دید چمن از دور دل خوش می کشیم
 بر نہ تاہد منت کل گوشہ دستار ما
 کوچہ اور را چمن کردیم چون رخصت شدیم
 ریخت رنگہ تازہ صد جا دیدہ غول پار ما

ہم جہاں کہیں میں تازہ وارد نہیں ہوئے ہیں
 لیل و نہار کی گردش بہت دیکھ چکے ہیں
 ہم خاک ہو گئے اور حیرا پرانا کینہ اپنی جگہ پر ہے
 تو اپنے دل سے اس غبار کو ہا ہر نہیں کرتا
 خاک پر بھی ہمارے معاملے میں کام مشکل رہا
 یا رب دل بے قرار کو کہاں لے جائیں
 دل سے گلِ رخوں کی مڑکوں کی کٹک نہیں گئی
 اپنے ساتھ خاک میں اس غبارِ خارا کو لیے جاتا ہوں
 ہر بات پر میرا رونا مصلحت نہیں تھا
 آنکھ کی کم ظرفی نے کام ہاتھ سے کھو دیا
 خاک پر سے اٹھانا بہت مشکل ہے میرا
 زمانے کے ستم کے بے حد مجروح کو

۱۶

اس سال ہمیں انسانوں سے انس باقی نہیں رہا ہے
 دل ہمیں دنوں کے ساتھ بیاباں کی طرف کھینچ رہا ہے
 حیرے بلیر گزار میں شبِ باشی کی خواہش کہاں تھی
 بلبل نے ہم سے گلستاں (میں آنے) خوشامد کی تھی

۱۷

ان دنوں دل میں ہمارا غم بے پناہ نہیں ساتا
 ایک دور دراز ہے وفا ہمیں کم کم آزار دے
 ہم دور سے دل کو چاہن کے ایک نظارے سے دل خوش کر لیتے ہیں
 ہمارا گوشہ دستار گل کا احسان اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا
 ہم نے اس کے کوچہ کو چاہن کر دیا جب رخصت ہوئے
 ہماری خون رونے والی آنکھوں نے سوچک تازہ رنگ کھیر دیے تھے

ما خود اسے صورت گراں بیش از خیالے ہیستم
 شاید از دستِ شاه صورت بگیرد کار ما
 در بدآموزی او هیچ احتیاج غیر نیست
 خوب می داند ره و رسم جفا را یار ما
 من به خاک ره برابر مستم و یک ره نه گفت
 بود خاک افتاده اسے در سایه دیوار ما
 کاروان گریه ایم و دی رسم از شہر دل
 نیست چیزے میر غیر از درد و غم در بار ما

۱۸

بیا به طرف شبید نگاه خواباں را
 ہمیں مرقت چشم سیاہ خواباں را
 تو اسے غزال پنکارہ گری کہ روح امیں
 کمینہ صید بود دام گاہ خواباں را
 به یاد می دهم ^{مچھلی} مچھلی کھلی در باغ
 شکستہ تازہ طرف کلاہ خواباں را
 ملک اگر ہر بر عرش می بود لیکن
 بگر کجا کہ قوسد گناہ خواباں را
 نظر بہ مکمل جواہر نمی کند اسے میر
 بہ دیدہ آن کہ سجدہ گرد رہو خواباں را

۱۹

شد ز پہلو دل یگانہ ما
 بے سبب نیست درد شانہ ما
 جز بدی از کسے نمی آید
 رسم خوبے ست در زمانہ ما
 کوتاہ سرگزشت مجنون است
 می چکد درد از قناتہ ما

ہم غروب بھی اے صورت گرد ایک خیال سے زیادہ نہیں ہیں
 شاید تمہارے ہاتھ سے ہماری مراد بر آنے کی صورت نکل آئے
 اس کو برائی سمجھنے کے لیے غیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے
 ہمارا یار جفا کی رو و رسم خوب جانتا ہے
 ہم خاک رہ کے برابر ہو گئے اور ایک بار (بھی) نہ کہا
 ہماری دیوار کے سائے میں ایک خاک افتادہ ہوا کرتا تھا
 کاروانِ گریہ ہیں اور شہرِ دل سے آئے ہیں
 ہمارے اسباب میں میر درد و غم کے سوا اور کچھ نہیں ہے

۱۸

خواب کی نگاہ کے شہید کی طرف آ
 خواب کی چشم سیاہ کی مرقد کو دیکھ
 اے غزالِ حیرتی کیا اوقات ہے کہ روحِ الامیں (بھی)
 ادنیٰ صید ہو جائے خواب کی دام گاہ کا
 مجھے باغ میں گل کی ٹھٹھکی یاد دلاتی ہے
 کھاد خواب کے کنارے کی تازہ شکن کی
 اگر فرشتے پورے عرش پر بھی اڑتے رہیں تب بھی
 (ان کی) اتنی جہت کہاں کہ خواب کا گناہ نکھیں
 موتی چڑے ہوئے سرے پر نظر نہیں ڈالنا اے میر
 وہ جو خواب کی رلا کی گرد آکھوں میں لگاتا ہے

۱۹

ہمارے پہلو میں دل بچانہ شمع ہو گیا
 ہمارا اور رشتانہ بے سبب نہیں ہے
 کسی سے ہدی کے سوا کچھ اور نہیں ملتا
 ہمارے زمانے میں یہ خوب رسم ہے
 تو کہے بھٹوں کی سرگزشت ہے
 ہمارے فسانہ سے درد چھپتا ہے

نالہ بلبلان میر آہنگ
 می دید یاد از ترانہ ما
 عمر من پر در کے گزشت
 کہ نیاہ کے پہ خانہ ما
 نیست مرخے کہ ہر زبانش نیست
 بیت انداز ہشتادہ ما
 حیف در شورہ زار عالم میر
 سبز نامکشید سوخت دانہ ما

۲۰

رو پہ گلشن کرد پاییز از گلست رنگ ما
 لوح گر شد از غم دل مرغ سیر آہنگ ما
 ما کہ سیر عالم حزینہ مرے کردہ ایم
 وسعت ایں چانی آید پہ چشم سبک ما
 طری معلوم شد لفظ زبان دیگر است
 ایں لفت جائے نمی یابند در فرہنگ ما
 گفتگوئے سخت ما ہم بے نزاکت نیست میر
 در بغل دارد چو سبک شیشہ بینا سبک ما

۲۱

بے چنل کے شناسی طرز گفتار مرا
 دیدہ نازک کن کہ چنی حرف تہہ دار مرا
 آن چنان می آئی از حکمیں کہ گویا می روی
 طرز رفتار تو باشد آمد کار مرا
 تا ز چشم مست خود رطل گرام دادہ است
 پا ز وضع خویش بیروں است رفتار مرا
 جوئی اہم دیدہ دیدار آتش از شمش پریدہ
 پیش خدمت گفت آخر مرغی زار مرا

بلبلوں کا بلند آواز ناہ
 ہمارے ترانے کی یاد دلاتا ہے
 ہماری عمر کئی (ایسے) کے دور پر گزر گئی
 جو ایک بار بھی ہمارے گھر پر نہیں آیا
 کوئی پرندہ (ایسا) نہیں ہے کہ جس کی زبان پر نہیں ہیں
 ہمارے عاشقانہ اعزاز کے شعر
 افسوس دنیا کی کھاری زمین میں میر
 ہمارا بیج سبز ہوئے بغیر جل گیا

۳۰

ہماری کھلتی رنگ (کی وجہ) سے خزاں نے نگشتن کی طرف رخ کیا
 ہمارا بلند آواز پرندہ غم دل کے سب فوج گرد بن گیا
 ہم کہہ لے تم تجزیہ کی مذتوں میر کہ چکے ہیں
 ہماری چشم نگاہ میں اس جگہ وسعت نہیں آتی
 غرضی معلوم ہوا دوسری زبان کا لفظ ہے
 یہ لفظ ہماری فرہنگ میں جگہ نہیں پاتا
 ہماری سخت گفتگو بھی بے نزاکت نہیں ہے میر
 ہمارے ہنر کو بیجا تکبیر شیعہ کی طرح پہلو میں رکھتی ہے

۳۱

تو کب غور کیے بغیر میری طرز گفتگو کو سمجھتا ہے
 وقتِ نظر سے کام لے تا کہ میرے تہ دار حرف کو سمجھے
 جنہیں سے تو اس طرح آتا ہے گویا جا رہا ہے
 حیر (اس) طرز رفتار سے میرا کام بن جاتا ہے
 جب سے تو نے اپنی مست آنکھوں سے شراب کا بڑا جام دیا ہے
 چلنے میں حیر رفتار کا انداز ہی کچھ اور ہو گیا ہے
 سمندر نے میرے آسودوں کا جوش دیکھا، اس کی آنکھوں سے چنگار یاں اڑیں،
 آخر کار میرے گریہ زار نے (اس کی) خدمت کی

کار بر کوہ و بیاہاں از غم من نکل شد
ظرف کم آمد جہاں اندوہ بسیار مرا
سادگی میں کز طیب پے لگنے ہم چہ عشق
آرزو مندئی بہودی ست پیار مرا
میر پست چشم نازک کردن گل خار کرد
کاش بساچہ ہو را یک نظر یار مرا

۲۲

بند انداختم چوں خوش قدس را
مردم پست سرو بوستاں را
چہ ی پری کہ عالم عفتی نیست
تو ہم سکھا سر ایں وادھاں را
تو بے رنجی و گل کردی چہ رنگے
کہ گل گل بختگانیدی جہاں را
وقائے گل اگر معلوم می شد
نمی بستم در ایں مارغ آشیان را
سر راہ میر چاں دشوار می داد
چہ خوش آمد نہ دلم آں جواں را

۲۳

حیف بر حال دل خستہ نظر نیست ترا
ماہ ایں حال رسیدیم و خبر نیست ترا
بروہ نہ داریت اے دیدہ دل از جا ما را
ی زعد بگر جا جوش و خطر نیست ترا
دلم از گرم روی ہاے تو اے عمر عزیز
یک مزہ فرصت ماعدن چہ شرر نیست ترا

میرے غم سے کوہ و بیاباں پر مشکل آ چڑی
میرے کثیر غم کے لیے جہاں کا ظرف کم پڑ گیا
سادگی دیکھ کر عشق جیسے مٹھوس طیب سے
میرا ہمارا شفا کا آرزو مند ہے
میر گل کے غرور کرنے نے خار کر دیا
کاش اس کو ایک نظر میرا یاد رکھا بھیں

۲۲

جب خوش قدوں کی بہت زیادہ تعریف کرتا ہوں
یوساس کے سرو کو پست کر دکھاتا ہوں
کیا پوچھتے ہو کہ میرا حال کہنے کے لائق نہیں ہے
تو بھی اس داستان کو شروع مت کر
تو بے رنگ ہے اور رنگ میں ظاہر ہوا
کہ جہاں (کے بارغ) کو طرح طرح کے رنگ میں کھلایا ہے
اگر گل کی وفا معلوم ہوتی
اس بارغ میں آئیاں نہیں باندھتا
سرورہ میر نے تکلیف سے جان دی
اس جہان کو کیا چش آ یا نہیں جانتا

۲۳

افسوس دل سخت کے حال پر تیری نظر نہیں ہے
ہم اس حال کو پہنچ گئے اور تجھے خبر نہیں ہے
تیری ہمداری اسے دیدہ ہمارے دل کو اپنی جگہ سے لے گئی
عمر بلا جوش مار رہا ہے اور تجھے خوف نہیں ہے
تیری تیز رفتاری سے اسے عمر عزیز میں رنجیدہ ہوں
شرر کی طرح تجھے پل بھر رکے کی فرصت نہیں ہے

میر مصروف بکا ہیں ہم ہونِ عالم
بچ اندوہ دل و فکر جگر نیست ترا

۲۳

حرف بدگو قتلِ خاطر بود محبوب مرا
زد چہ فرق نامد بر نامخواندہ مکتوب مرا
سسی آنکوں کن کہ بعد از من چہ حاصل اے فلک
شیوہ رحے اگر آموختی خوب مرا
چشم ساقی ہر زمیں یوم کہ در بزم شراب
از دو ساغر بے تکلف کرد محبوب مرا
طرف تراں است آن ہم داغِ جست و جوئے دوست
دو کنار ہر کہ جا کردہ ست مظلوم مرا
صبر کردن بر بلا اے میر از من یاد گیر
کرم این کار است از حد پیش ایوب مرا

۲۵

لب را گئے چہ خندہ نیاوردہ ایم ما
تا بودہ ایم، گرچہ کتاں بودہ ایم ما
ما واکشان سایہ آں کاست خوش ایم
ہر گز چہ پائے سرو نیاوردہ ایم ما
گر سجدہ گاوِ خلق شود خاک ما بھاست
حمرے چہ پائے یار جہیں سودہ ایم ما
با آں امیدواری لطفے کہ واہتم
حرف محتاجتے نہ تو نکشودہ ایم ما
ایں عقدہ در دل است کہ گاہے چہ کام دل
بہر قہائے ناز تو نکشودہ ایم ما
چوں سایہ با تو ایم و زبں شرم تا کسی
روئے سیاہ خود چہ تو نمودہ ایم ما

میر آہ و زاری میں اتنا مصروف رہتا، ظالم
 تجھے دل کے اندوہ اور جگر کی ٹکڑا بھی نہیں ہے

۲۴

ہم کو کی بات میرے محبوب کو قتل خاطر تھی
 میرے خط کو پڑھے بغیر نامہ بر کے سر پر مارا
 اس وقت کو شش کر کہ میرے بعد اسے فلک کیا حاصل
 اگر میرے محبوب کو رحم کا شیوہ سکھاتا ہے
 ہر وقت ساقی کی چشم کو بوسہ دیتا ہوں کہ شراب کی بزم میں
 دو ساغر سے میرے محبوب کو بے تکلف بنا دیا
 طرف تریہ ہے (کہ) وہ بھی اس کی جستجو میں کمال رغبت و ہے
 جس کسی کے پہلو میں (بھی) میرے مطلب نے جگہ بٹائی ہے
 مصیبت پر مہر کرنا اسے میرے کچھ سے سیکھ
 میرا ایوب اس کام میں حد سے زیادہ سرگرم ہے

۲۵

ہم کو بھی غمی سے ہم نے آلودہ نہیں کیا
 ہم جب تک زندہ رہے روتے رہے تھے
 ہم اس خوبصورت قامت کے سائے میں پڑے رہنے والے ہیں
 کبھی بھی ہم نے سرو کے قدموں میں آرام نہیں کیا
 اگر ہماری خاک خلق کی سجدہ گاہ ہو جائے، بجا ہے
 ایک حمیرا کے پاؤں پر ہم نے بیٹھائی رگڑی ہے
 لطف کی اس امید داری کے باوجود جو ہم رکھتے تھے
 تجھ سے عنایت کا ایک حرف ہم نے نہیں سنا
 یہ گرہ دل میں ہے کہ کبھی دل کی مراد (پہری کرنے) کے لیے
 تیری قبائے ناز کا بند ہم نے نہیں کھولا ہے
 سائے کی طرح تیرے ساتھ ہیں اور بے حیثیت ہونے کی شرمندگی کی وجہ سے
 اچھا دھسے سیاہ ہم نے تجھے نہیں دکھایا ہے

عالم پہ چشمِ ما ہمہ شد تیرہ و ہنوز
بر گریہ میرِ نالہ ٹھنڈوہ ایم ما

۲۶

چسپیدہ پہ دل طور تو عاشق ہنراں را
چشم تو ز خود ساعت طالب نظراں را
یک بار سر از روزنہ خانہ بدوں کن
تک ایں ہمہ مچھہ دل دربدراں را
رو سوئے گل و لالہ پہ ایں حسن میادہ
بر باد مدہ عزت خوئیں بگراں را
سازند اگر شیشہ بدیں شکل بہاژند
یک رہ ہمانید دلم شیشہ گراں را
میرم پہ یک دین و دانست نہ پہنند
عشق است پہ آزدن من خوش پیراں را
بر آب رواں سے کٹی ما کہ ہدام است
خوش می گذرانم جہان گذراں را
آداب جنوں یاد ز من گیر کہ بسیار
در یافتہ ام صحبت آشفٹ سراں را
آں ای تو کہ سرگرم رہ عشق تو جانند
دامن پہ میاں بر زوہ نازک کراں را
آسودگی اہل قفا ہے سبے نیست
شاہد خبرے می رسد ایں بے خبراں را
خواہم کہ نقتیں رسوم زخم رسائے
تا کشد اور میر نہ قلم دگراں را

۲۷

یک ٹھنڈے خوں نہ خوردہ چنیں چوشتہ کہ ما
یک گل نہ داشت ایں ہمہ دلم بگر کہ ما

عالم ہماری آنکھوں میں تمام اندھیر ہو گیا اور ابھی تو
میر رونے پر ہم نے فریاد کا اضافہ (تک) نہیں کیا ہے

۴۶

عوبصورتی کے چاہنے والوں کے دل پر تیرا انداز نقش ہو گیا ہے
تیری آنکھوں نے از خود طالب نظروں کو بنایا ہے
ایک بار سرگھر کے روزن سے باہر نکال
دردوں کے دل کو اتنا تنگ (دکھنا) مت پسند کر
اس صحن کے ساتھ گل دلال کی طرف چہرے کو نہ کر
خونیں جگروں کی عزت کو برداشت کر
اگر شیشہ بنائیں تو ہانکل اس شکل کا بنائیں
ایک بار میرا دل شیشہ گردن کو دکھلا دینے
ایک (بار) دیکھنے کو مرتا ہوں اور جان کر نہیں دیکھتے
(ان) خوبصورت لڑکوں کو مجھے ستانے پر شاپاش ہے
آب رواں پر ہماری سے کتنی کون سی ہمیشہ کے لیے ہے
ہم جہاں گزراں کو خوش گزار رہے ہیں
مجھ سے آداب جنوں سیکھ لے کہ بہت (کچھ)
میں نے آشفق سروں کی صحت سے پایا ہے
تو وہ ہے کہ تیرے عشق کی راہ میں سرگرم پائے جاتے ہیں
تازک کمر دیکھنے والے کمر بستہ ہو کر
اہل ناک کی آسودگی بے سبب نہیں ہے
شاید ان بے خبروں تک کوئی خبر پہنچی ہے
چاہتا ہوں کہ (سب سے) پہلے مجھے ایک دلم رسا پہنچے
تاکہ دوسروں کو میرا اس کا کشتہ نہ دیکھوں

۴۷

ایک غنچے نے (بھی) اس طرح پہلے غلوں نہیں بچا تھا جتنا کہ ہم نے
ایک پھول نے (بھی) جگر پر اسے سارے دلم نہیں کھائے تھے جتنے کہ ہم نے

برے نہ جست خندہ زناں ایں چنین کہ تو
ابرے نہ غامت گریہ کناں ایں قدر کہ ما
دھوئی ضرور نیست عشقم کہ می روی
زیں بزم اے چراغ تو پیش از سحر کہ ما
باز آمدہ پہ لالہ ایں باغ سبز میں
او کے چنین نشست پہ نول تا کمر کہ ما
کردیم صرف ناخن خود میر جہہ را
زیں ساں کشادہ است کہ دست ہنر کہ ما

۲۸

پہ پیش روی خود چیزے فی داند گلشن را
چہ ہارے در سر است ایں دلہراں دوست دشمن را
پہ امیدے کہ عشق آتش زندہ ایں جان غم نام
بہان شمع یک جا کردہ ام رگ ہارے گردن را
پہ مگن ایں گلستان ماندہ ام یک عمر زنجیری
مگر نعلبدہ اید اے ہم صیغراں شور شیون را
تک آبی دریا ہاں پہ لب دارد مرا تا کے
قتارے می دہم چوں ایر تر یک بار دامن را
تعب نیست گر اے میر من قادر سخن مستم
کہ خدمت کردہ ام بسیار مشاقان ایں فن را

۲۹

انداز دیدن او در نول کشید ما را
از چشم یار زخمی آخر رسید ما را
شور صحبت من از بس کہ دلکش افتاد
آمد برائے دیدن ہر کس شنید ما را
محرورم واشد دل رقتیم ما کہ دوراں
در غمچن پہ نامہ زیں باغ چید ما را

کوئی برق اس طرح خندہ زباں نہیں چمکی تھی جیسا کہ تو
 کوئی ابر اس قدر گرہ کناں نہیں اٹھا تھا جتنا کہ ہم
 دعوئی ضروری نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں (کہ) تو جانتا ہے
 سحر سے پہلے اس بزم سے اسے چراغ کہ ہم
 وہ پارہ آ کر اس بارغ سبز کے لالہ کو دیکھ
 وہ کمرنگ غلوں میں اس طرح کب بیٹھا ہے کہ جیسے ہم
 میرا ہم نے پیشانی کو اپنے ناخن پر صرف کر دیا
 اس طرح دستِ ہنر کس کا کشادہ ہے (جیسا) کہ ہمارا

۲۸

اپنے چہرے کے سامنے ٹکشن کو کوئی چیز نہیں رکھتے
 نہ جانے یہ دوستوں کے دشمن دل چرانے والے کیا گمان رکھتے ہیں
 اس امید پر کہ میری اس فم ناک جان کو مشق جلا ڈالے
 طبع کی طرح گردن کی رگوں کو ہم نے یک جا کر دیا ہے
 اس گلستان کے مہن میں ایک عمر زنجیری رہا ہوں
 مگر اے ہم صبر و (تم نے) طہیوں کا شور نہیں سنا
 سندھ کی ٹھک آبی مجھے کب تک جان بلب رکھے گی
 ابرتر کی طرح ایک بار دامن چھوڑ دیتا ہوں
 تعجب نہیں ہے اگر اے میرا میں قادر سخن بن گیا
 کہ اس فن کے معافوں کی بہت زیادہ خدمت کی ہے

۲۹

اس کے دیکھنے کے انداز نے مجھے خوں میں لٹایا
 یار کی چشم سے آخر ایک زلم ہم تک پہنچا
 میرا شور محبت نہایت دل کش نکلا
 جس نے بھی سنا مجھے دیکھنے کے لیے آیا
 ہم دل کے کھلنے سے محروم چلے گئے کہ زمانے نے
 غلوں کی صورت میں (ہی) اچانک اس بارغ سے ہمیں توڑ لیا

ہر کس پہ دلیر خود شد ہم کنار شاداں
حسرت فزود ہے تو در روز عید ما را
میرِ ایں ہم مروتِ آخر پہ کامِ چشم
با خاکِ تیرہ یکساں چوں سرمد دید ما را

۳۰

گر چہ روکشِ عیسم در گریہ سامانی ترا
لیک روزے می کشم اے اہر دامانی ترا
سہ کھا و چہرہ مہتابی تو از کھا
تنگ می آید از ایں نسبتِ فلانی ترا
ہاز از سرِ گر غبار از ترقم فیزد چہ دور
چشم بر رو داشتہ سروِ غرامانی ترا
تعلی نازت را دے ہے قل ما آرام نیست
خوں کہ شیریں است عالمِ خلج کامانی ترا
ذوقِ حرفت از کہہ دریام کہ در سر ہوش نیست
از شراب گفتگویت ہم کامانی ترا
چچ کس جز میرِ تاب چشم گردامن نہ داشت
یک نظر دیدم سحر برگشتہ کامانی ترا

۳۱

خطر در عشق ہر کام است جانی بے قرارم را
جب راہ آہ و فیش آمد دل ناکردہ کارم را
مودی صبح چشم و ہر طرف برخاست آشوبے
کشودی شام زلف و تیرہ کدی روزگارم را
چہ سوش می کشاید ہال شوق از مرگِ خود خافل
عمر مرغ چمن ہم گل کماں بدوہ است یارم را
چوں آن دیہقان کہ کار و حکم و ناکہ بختک سال افتد
بغیر از ناامیدی نیست حاصلِ انتحارم را

ہر کوئی اپنے دلیر سے ہلکنار (ہو کر) خوش تھا
تیرے بغیر عید کے روز کے دن ہماری حسرت زیادہ ہو گئی
میرا اس ساری مرآت نے آخر کار تیری آنکھوں کی محبت میں
ہمیں سرمہ کی طرح خاک تیرہ میں ملے ہوئے دیکھا

۳۰

گرچہ رونے میں تیری قدرت کا مقابل نہیں ہوں
لیکن ایک روز اے ابر میں تیرا دامن کھینچوں گا
مستاب کہاں اور تیرا چاند سا چہرہ کہاں
اس تشبیہ سے تیرے غلاموں کو شرم آتی ہے
ایک بار بھرا کر میری تربت سے طہار اٹھے کیا مجب
(کیوں کہ) میں تیرے سرو و سراں کے راستے میں آنکھیں بچھائے رکھتا تھا
تیری قبیح ناز کو ایک دم بھی میرے نقل کے بغیر جین نہیں ہے
تیرے تلخ کاموں کا غم عالم کتنا شیریں ہے
کس سے تیری باتوں کا مزہ معلوم کروں کہ سر میں ہوش نہیں ہے
تیری گھٹکھو کی شراب سے، تیرے ہم کلاموں میں
میرے سوا کوئی بھی آنکھ بھیرنے کی تاب نہیں رکھتا تھا
میں نے صبح ایک نظر تیرے تہاہ حالوں کو دیکھا تھا

۳۱

عشق میں ہر قدم پر میری جان بے قرار کو خطرہ ہے
میرے نا تجربہ کار دل کو مجب راہ پیش آتی ہے
(تو نے) صبح آنکھ کھولی اور ہر طرف ایک آشوب اٹھا دیا
شام کو زلف کھولی اور میری زندگی کو تاریک کر دیا
اپنی موت سے غافل (ہو کر) شوق کے پر اس کی جانب توتا ہے
ضرور مرغ بچن نے بھی میرے یار پر گل کا گمان کیا ہے
اس دہقان کی طرح جو بیچ بوتا ہے اور نا کہاں خشک سالی پڑ جاتی ہے
ناامیدی کے سوا میرے انتظار کا کچھ حاصل نہیں ہے

من آن سوزاں دروں بودم کہ از بہر مراد خود
 بہ شب شمع بہ کف پردانہ ی جوید مزارم را
 نہ بہتم نغمہ، نے از من گئے مختلف در ظاہر
 و لیکن کے تو اں پوشیدہ چوں خنجر بہارم را
 کند آزرده جانے گاہ باشد گریہ بر خاکم
 کمن آوارہ اسے باز صبا مشت غبارم را
 کشم اسے بحر خوبی تا کہا خیازہ از شوق
 لہاب کن یکے مانند موج از خود کنارم را
 چہ گویم میر از آن سوزے کہ با خود داشتہم پشایں
 چہار آسا قنای سوخت اثر برگ و پارم را

۳۲

ہر جا صیدے ست صیدِ دامت باوا
 در طائرِ سدوہ است، دامت باوا
 ساقی سے خرفی بہ چامت باوا
 گردیدن آسماں بہ کامت باوا
 از لطف بیائے حہایم کردی
 دوراں بہ مراد دل دامت باوا
 با روئے تو گر صبح مقابلِ گردو
 خودشید کرتار بہ شامت باوا
 با غیر اگر وعدہ فردا داری
 فردائے تو فردائے قیامت باوا
 در منع شراب گر کنی کوتاہی
 داحتہ خورش و خواب حرامت باوا
 گر کشش تو اسے شمع بہ مسہر گم شدہ
 اندوہ تلوار سرت سلامت باوا

میں وہ سوز و دروں سے چلنے والا تھا کہ اپنی مراد (حاصل کرنے) کے لیے
 رات کو شمع بھٹیلی پر لیے پردانہ میرے مزار کو تلاش کرتا ہے
 نہ میں نے ٹھپے باندھا، نہ مجھ سے ظاہر ایک پھول (بھی) نکلا
 مگر کون منبر کی طرح میری بہار کو چھپا سکتا ہے
 ہو سکتا ہے کہ کوئی آرزوہ جان بھی میری خاک پر گرے کرے
 اے بادِ بہا میری مشتِ خاک کو مت بکھرا
 اے بحرِ خوبی کب تک تیرے شوق کا فیاضہ کھینچوں
 موج کی مانند ایک بار تو اپنے آپ سے میری آغوش کو بھر دے
 میرا آس سوز کے بارے میں کیا کہوں جو میں خود میں چھپائے رکھتا تھا
 چنار کی طرح آخر میرے برگ و بار کو ختم جلا گیا

۳۲

جہاں بھی شکار ہے، تیرے حال کا شکار ہو جائے
 اگر طائرِ سودرہ ہے، تیرا مطیع ہو جائے
 ساقی تیرے جام میں خوشی کی شراب رہے
 آسمان کی گردشِ تیری رضا کے مطابق ہو جائے
 موریاتی سے مجھے بیانِ حباب بنا دیا
 آسمان ہمیشہ تیری دل کی مراد پوری کرتا رہے
 اگر (دو) صبح تیرے چہرے کے سامنے آ جائے
 خورشیدِ تیری شام میں گرفتار ہو جائے
 اگر فیروزے وعدہٴ فردا کرتا ہے
 تیرا فردا، فردائے قیامت ہو جائے
 اگر شراب سے منع کرنے میں کوتاہی کرے
 واعظِ تیرا کھانا اور سونا حرام ہو جائے
 اگر حیرا جوتا اے شیخِ مسجد میں گم ہو گیا ہے
 غمِ ست کر حیرا سرِ سلامت رہے

در عهد تو گر میر بہ کاسے نہ رسید
ایام بہ کام مستدامت بازا

۳۳

در عشق کس نہ گشت حریفِ خبر و ما
بر روئے ما نیامده جز رنگِ زرد و ما
بے رمی تو تا چہ مقام است خود ہمیں
مردیم بے تو و نہ رسیدی بہ درد و ما
گردیدہ ایم خاک و ہاں گشتہ در سر ایم
سری کشد بہ ناز از این دشت گرد و ما
کس خواہش ہنر نہ کند دردِ ہست میر
این جنس تودہ تودہ بہ بازارِ سر و ما

۳۴

دوش بر شعر ترے در رقص آمد جان و ما
چوں نظر کردیم بود آن شعر در دیوان و ما
ما از این دینِ کمن بسیار غفلت می کشیم
تازہ سازد کاش عشقِ دلبرے ایمان و ما
در خرامِ ناز پا را دیدہ دیدہ می گزار
خار در راہت سہاوا باشد از مژگان و ما
طاقِ دل افتاد و تو گاہے قدم کلاشتی
خانہ بنہست و نہ عشقِ زینتِ ایوان و ما
باعثِ رسوائی ما گرچہ شب ہائے ماست
روزِ خوش یارب نہ چند دیدہ گریبان و ما
از خیالِ چیرہ آں ماہِ طلعت ہر زمان
پوستے در جلوہ دارد کلہِٗ احوال و ما

اگرچہ حیرے جہد میں میر (ایٹی) مراد کو نہیں پہنچا
زمانہ ہمیشہ تیری مراد کو پہرا کرے

۳۳

عشق میں کوئی ہمارا حریف خبر نہیں ہوا
ہمارے منہ پر ہمارے زور درنگ کے سوا کوئی نہیں آیا
تیری بے رحمی کہاں تک ہے خود کچھ
ہم حیرے بغیر مر گئے اور تو ہمارے درد (کو دور کرنے) نہیں آیا
خاک چھان چکے ہیں اور سارے فتنے ہمارے سر میں ہیں
اس دشت میں ہمارا غبار تازہ سے سراٹھاتا ہے
کسی نے ہجر کی خواہش نہیں کی درندہ میر
یہ جنس ڈھیروں ہمارے بے رونق بازار میں ہے

۳۴

کل ایک شعرِ قرہ ہماری جانِ قص میں آئی
جب نظر ڈالی وہ شعر ہمارے دلِ ان میں تھا
ہم نے اس پرانے دین سے بہت شرمندگی اٹھائی ہے
کاش ایک دلبر کا عشق ہمارا ایماں تازہ کر دے
خرام تاز میں پاؤں دیکھو دیکھ کر رکھ
تیری راہ میں ہماری پگھلوں کا کاغذ چڑا ہو
دل کا طاق اگر (بھی) گیا اور تو نے کبھی قدم نہ رکھا
سکھڑے (بھی) گیا اور (تو) ہمارے ایوان کی زینت نہیں بنا
ہماری رسوائی کا پامٹ ہمارا راتوں کا روتا ہے
ہماری روٹی ہوئی آنکھ یا رب خوشی کا دن نہ دیکھے
اس ماہِ طلعت کے چہرے کے خیال سے ہر وقت
ہمارے کلہہ اخزاں میں ایک بوسہ کا جلوہ رہتا ہے

بیتم اے میر گم نام ایں ہمہ در عاشقی
شہرتے دارد در آں کو خانہ ویران ما

۳۵

سال ہا پیار ماندم بے تو کے دیدی مرا
مردم از بے لطیفہ آخر نہ پرسیدی مرا
رو بہ چوں من تاکے یک بار آوردی مگر
کس نہ بود اے عشق در عالم کہ بگوید مرا
ایں قدر اے لالہ با من گرم جوشی خوب نیست
در چمن دیدی و ہم چوں داغ چسبیدی مرا
نیست چوں من لہذاے جامع ہزار افسوس میر
در جوش ماندم و مطلق نہ فہمیدی مرا

۳۶

از محبت پشت بہت در دل چہا داریم ما
می کشیم آزار و بر رویت نمی آریم ما
می برد ہر دم بہ تنی خود بے باکانہ دست
کشئے اعزاز او پاشانہ داریم ما
کو داغ و دل کہ صرف میر ایں گلشن کنیم
از غم مفرط بہ حال خود گرفتاریم ما
بعد مردن خاک گلشن آں کہے رفتن بہ یاد
کارہا بسیار در پیش است و بے کاریم ما
تا کجا در ہجر او بافتہ کس گردد دوچار
مصلحت در مرگ می عظیم ناچاریم ما
در امید لطف خواباں صرف شد عمر عزیز
میر تا کے جان غم کش را بیزاریم ما

میر میں عاشقی میں اتنا گم نام نہیں ہوں
اس کو پہے میں ہمارے دیران گھر کی شہرت ہے

۳۵

تیرے بغیر سالہا ہزار ہا تو نے کب مجھے آ کر دیکھا
تیری بے توجہی سے مر گیا آخر مجھے نہ پوچھا
مجھ جیسے بے کس کی طرف (تو نے) ایک بار رخ کیا، شاید
دنیا میں اسے عشق کوئی (اور) نہیں تھا کہ تو نے مجھے اس لیا
اسے الہ مجھ سے اتنی گرم جوشی اچھی نہیں ہے
(تو نے) جہن میں دیکھا اور داغ کی طرح مجھ سے چٹ گیا
مجھ جیسا کوئی جامع کمال نہیں ہے، ہزار افسوس میر
بہت دنوں تک تیرے سامنے رہا اور (تو) مجھے مطلق نہیں سمجھا

۳۶

تیرے ہونٹ پر کے روؤں سے ہم دل میں کیا کیا رکھتے ہیں
ہم آزار کھینچتے ہیں اور تجھ پر غا ہر نہیں کرتے
ہرم ظلم کی تلوار کی طرف بے باکانہ ہاتھ بڑھائے رہتا ہے
ہم یار کے او ہا شانہ انداز کے مارے ہوئے ہیں
داغ اور دل کہاں کس اس نگشتن کی سیر میں صرف کریں
ہم غم کی افراط سے اپنے (ہی) حال میں گرفتار ہیں
مرنے کے بعد خاک ہونا اور اس کے بعد ہوا میں بکھر جانا
بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں اور ہم بیکار بیٹھے ہیں
کہاں تک اس کے بھر میں فتنے سے کوئی بچ سکتا ہے
مرنے ہی میں مصلحت دیکھتے ہیں، ہم ناچار ہیں
عمر عزیز خواباں کی مہربانی کی امید میں صرف ہو گئی
میر کب تک غم اٹھانے والی جان پر (ہم) ظلم کرتے رہیں گے

۳۷

گردیدہ ایم کوئے پہ کو شہر باز را
مطلق رواج نیست خارج نیاز را
چیزے نمودہ طرح کہ او گرم باز شد
آتش زبید خاک آئینہ ساز را
از انگ شیشہ بر سر مژگاں پہ ہر دم است
ماند پہ ہر چشم قرم شیشہ باز را
آرام دل پہ بزم جہاں در شوشی است
چوں شمع می برند زبان دواز را
می بایست گداختہ عشق ز درد عشق
دگرے نمی نہند دل بے گدار را
از طور روزگار جوتاں چہ آگہ اند
ایشان نہ دیدہ اند نقیب و فراز را
در شہرہ خانہ میر مگر بود شب کہ صبح
دیدم پہ دست مخمخہ میر نماز را

۳۸

چہاں از خود کسم زان گونہ شوخ پذیربانے را
کہ آتش می شود بے نیچ و می سوزد جہانے را
ز اخلاص تو اسے جان جہاں اندیشہ ہا دارم
کہ می یابم پہ خود سرگرم کیں ہر مہربانے را
ز عقل میر آگہ ہستم یک ایں قعدہ دارم
کہ می بردہ از کوئے تو نفس نو جوانے را

۳۹

شب از جگر کشیدم یک آو آتشیں را
او آتشی دگر زد در دل من حزیں را

۳۷

کوہِ شہرِ ناز میں ہم نے گشت کی ہے
 حنا کا نیاد کا مطلق رواج نہیں ہے
 ایک چیز نے (اسکی) صورت دکھائی کہ وہ مصروفِ ناز ہو گیا
 آئینہ ساز کے گھر کو آگ لگا دیں
 انگلی سے ہر دم شیشہ حنا گاہ کے اوپر ہے
 میری چشمِ تر شیشہ باز کو دور رکھتی ہے
 دل کا آرام بزمِ جہاں میں خوشی میں ہے
 شمع کی طرح زبانِ درد کو قطع کر دیتے ہیں
 دردِ عشق سے گداغت ہو جانا چاہیے
 دل بے گداذ کو کوئی عزت نہیں بخلا
 نو جوان زمانے کے طور سے کب آگاہ ہیں
 ان لوگوں نے تھیب و فراز نہیں دیکھا ہے
 میرِ خسرو رات کو شراب خانے میں تھا کہ صبح
 میں نے مہرِ کچھ کے ہاتھ میں مہرِ ناز کو دیکھا ہے

۳۸

اسنے زیادہ جذباتِ شوق کو کس طرح اپنا بناؤں
 کہ آتش بے پہلج ہو جاتی ہے اور دنیا کو جلا دیتی ہے
 تیری دوستی سے اسے جانِ جہاں بہت خوف کھاتا ہوں
 کہ ہر مہرباں کو اپنے خلاف کینہ میں سرگرم پاتا ہوں
 میرے قل کے آگاہ نہیں ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں
 کہ تیرے کوچے سے ایک نو جوان کی نقش لے جا رہے تھے

۳۹

شب کو جگر سے میں نے ایک آوازِ تھیں بھینچی
 اس نے مجھ غم زدہ کے دل میں ایک اور ہی آگ لگا دی

غیرت نمی گذارد اے پندگو دگر نہ
یک لحظہ ی مودوم آں سحر آفریں را
از ناله میر بس کن بے صد چند سازی
آرزو رواں را، رنجیده ہم نشیں را

۳۰

نہ کسقم ہم چہ شمع کشتہ سوز سینہ خود را
بہ خاموشی ادا کردم غم درینہ خود را
نہ امروزی ست در بے خانہ ایں عاشق شرابی با
گرو صد بار کردم خرقہ پوشینہ خود را

۳۱

خود ستائی، خود سری معیوب ی دائم ما
دور طرز شہر محققین غوب ی دائم ما
انتقام نخطہ او از بس یہ گلشن ی کسقم
لنخطہ نقلقد را کتوب ی دائم ما

۳۲

بر مراد دل نہ دیدم لالہ روئے خویش را
ی برم در خاک با خود آرزوئے خویش را
بس کہ از بے اعتباری ہائے خود شرمندہ ام
بر درش خواہم برید آخر گلوائے خویش را

۳۳

آمد اجل بہ صورت خوئے بہ مر مرا
در خاک و خون کشیدہ مصور پیر مرا

۳۴

بہ ذکر کرم سے بیاوردیم لب را
دعا کسقم درد میر قلب را

غیرت اجازت نہیں دیتی اے ناصح و مکرر
ایک لحظہ دکھاتا اس سحر آفریں کو
میر آب نالہ بس کر، بے درد (اور) گنتا کرے گا
رہبر دہس کو آ زرود، ہم نشیں کو رنجیدہ

۳۰

ہم نے بھی ہوئی طبع کی طرح اپنے سوز سینہ کا بیان نہیں کیا
خاموشی سے اپنا غم و رینہ بیان کر دیا
یہ بہت زیادہ شراب نوشی صرف آج ہی سے خانہ میں نہیں (کی) ہے
سوار (میں نے) اپنا ہشمنہ کا خرقہ گردی رکھا ہے

۳۱

خود ستائی، خود سری ہم معیوب جانتے ہیں
ورنہ شمر کہنے کا طرز ہم خوب جانتے ہیں
اس کے خط کا انتظار جیسے گلشن کی طرف بہت زیادہ کھینچتا ہے
ناگوار غنچہ کو ہم مکتوب جانتے ہیں

۳۲

اپنے لالہ رو کو میں نے دل کی مراو پر نہیں دیکھا
خاک میں اپنے ساتھ اپنی آرزو کو لیے جاتا ہوں
کہ اسے میرا اعتبار نہیں ہے شرمندہ ہوں
اس کے دروازے پر آخبر کار اپنا گلا کاٹ دوں گا

۳۳

موت میرے سر پر ایک محبوب کی صورت میں آئی
مصور پسر نے مجھے خاک و خون میں لٹا دیا

۳۴

(ہم نے) شراب کے ذکر سے لب کو آلودہ کیا
آدھی رات کے دھینکے کو (ہم نے) الوداع کہا

چو رہ در کعبہ وصلش نہ یابی
دہ از دست دامان ادب را

۳۵

کاشے ہر سر شام است مرا
شوق آں ماہ تمام است مرا
در یہ در کوے یہ کوئی گرم
شوق او تا چہ مقام است مرا

۳۶

جاں را دہ نسبت یہ او، جاں کیا و جاں کیا
لفظ حش را در نگر خود، این کیا و آں کیا
در کوچہ خود میر را ہی دار چندے محترم
باز این مکان و جا کیا، آں بے سرو ساماں کیا

۳۷

یہ شور آورده اند از تو مزاج کوہ و ہاموں را
یہ درد آمد سر تھلید من فرہاد و مجنوں را

۳۸

نہ غلیم یہ جہاں باب منزل خود را
روم دو رویہ گل آخر در ول خود را

۳۹

بہار گرم حن ہاز لعل نوشیں را
نشاندہ امی یہ سر سنگ لعل رنگیں را

۵۰

رہود دل ز کف آں چشم نوع آدم را
نگام بے خودش از ہوش برد عالم را

اگر (تو) اس کے وصل کے کعبہ کی راہ نہ پائے
ہاتھ سے دانا ادب کو نہ چھوڑ

۴۵

ہر سرشام مجھے ایک کاہش ہے
اس ماہ تمام کا مجھے شوق ہے
ورہ دور کو چہ کو چہ پھرتا ہوں
اس کا عشق مجھے کس حد تک ہے

۴۶

جان سے نسبت مت دے، جاناں کہاں اور جان کہاں
اس کے تن کے لطف کو خود دیکھ، یہ کہاں اور وہ کہاں
اپنے کوپے میں میر کو کچھ دن احرام سے رکھ
بعد میں یہ مکان اور یہ جگہ کہاں، وہ بے سرو ساماں کہاں

۴۷

تیرے جب (انہوں نے) کوہ اور بیابان کا مزاج برہم کر ڈالا ہے
میری تقلید کا خیال فرماؤ اور مجھوں کو مصیبت میں ڈال گیا

۴۸

دنیا میں اپنے گھر کا دروازہ نہیں پایا
آخر اپنے دل کے دروازے پر دور روپہ مٹی بھردی

۴۹

لعل کو شین کو دوبارہ گرم سخن کر
تو نے سرسنگ سے لعل رنگین کا پتہ بتایا ہے

۵۰

وہ آگہ نوع آدم کا دل ہاتھ سے جھالے گئی
اس کی بے خود لگاؤں دنیا کا ہوش لے اڑیں

۵۱

بے مزات می نماہ نگلی مرا
یاد عروسی کرد اے بلبل مرا

۵۲

از میچین برو آرام ولی دیوانہ شب
بسط و اقلے کمر دم من ز درد شانه شب
بر لبم اے کاش کند شے غم بسیار عشق
باعث بے خوابی جسے شد ایں افسانہ شب
چرخ زن بر گردے طعنے گشت و نحوہ را پاک سوخت
داغ شد جان و دلم از جرأت پروانہ شب
تا کدھائیں تیرہ روز عشق گرم نالہ است
شعلہ اے سری کشتہ ہر دم از ایں دیرانہ شب
در سے و شاہد پرستی رفتہ بود از کار میر
مے کشاں کشتہ اش آخر بر در سے خانہ شب

۵۳

لے لے نما و پیش غموم از وفا طلب
یعنی مرا بہ بزم ز دھمن جدا طلب
فرسودہ گشت پائے تو یک سر بہ راو شوق
اے رفتہ حلاش کسے تا کیا طلب
خواری کہ صبح دا شونت دیدہ بر رخس
برخیز و مثل آئینہ دست دعا طلب
اے ہم نصیب اگر بہ طبعے شوی دھار
ایں درد جاں گداز مرا ہم دوا طلب
تا چند میر خاک در چوں غمومے شدن
برخیز و ہر چہ می طلبی از خدا طلب

۵۱

مجھے گل بے مروت نظر آتا ہے
اے بلبل تو مجھے یاد کرے گی

۵۲

رات تڑپنے سے دل دیوانہ نے میرا چین چھین لیا
میں رات شانے کے درد سے لوٹا رہا
میرے ہونٹوں پر اے کاش عشق کے بے انتہا غم کی بات نہ آتی
رات محفل کی بے خوابی کا یہ المیہ باعث ہو گیا
صبح کے گرد پھر لگا پا اور خود کو تمام جلا ڈالا
رات میری جان اور دل پر دانت کی جرأت سے حسد کرنے لگے تھے
یہ کون سا عشق کا بدلہ صیب نالہ کرتا ہے
رات ایک شعلہ ہر دم اس دیرانے سے سراٹھاتا ہے
سے اور شاہد پرستی میں میرے کام سے جاتا رہا تھا
رات شرابیوں نے آخر اسے سے خانے کے دروازے پر قتل کر دیا

۵۳

لطف کر اور محبت سے مجھے اپنے پاس طلب کر
یعنی مجھے بزم میں دشمن سے جدا طلب کر
تیرے حیر عشق کے راستے میں ہانکل چھل چکے ہیں
اے کسی کی تلاش میں جانے والے کہاں تک تلاش (کرے گا)
(اگر تو) چاہتا ہے کہ صبح تیری آنکھیں اس کے رخ پر کھلیں
اتھ اور آئینے کی طرح دست دعا طلب کر
اے ہم نہیں تو اگر طعوب سے دچار ہو
میرے اس درد جان گزار کی بھی دوا طلب کر
کب تک میرے کسی اپنے ہی جیسے کے دروازے کی خاک ہونا
اتھ اور جو کچھ بھی مانگنا ہے خدا سے طلب کر

۵۳

یہ گلشن رسید حالاً شب
 باقی داستان یہ فردا شب
 ہے تو ہی آورد یہ سر ہر روز
 صد بلائے سیاہ ما را شب
 می زند ناله تجلی و آہ سناں
 روز جنگ است دوستاں یا شب
 ما کہ عادت پذیر لطف تو ایم
 بگذرانم چند عجا شب
 کلبہ میر جائے بد ہم نیست
 می توں کرو روز این جا شب

۵۵

تا کہا میں ہے قراری تا یہ کے میں اضطراب
 کرو رسوائے جہانم، خانہ خواہش خراب
 کار خود بخش از جوانی کن کہ اے لعلت سرشت
 چشم تا برسم زنی خواہست ایام شباب
 شکر ایزد را کہ دیم زہر شقایق مہاں
 بر دو سے خانہ شبنم شہر را مست شراب

۵۶

چوں شمع چند کریم ہے اختیار ہر شب
 تا کے دہم بر آتش پروانہ دار ہر شب
 ہے آں ذرہ یگانہ از گریہ ام چہ پری
 دارد حیل اعظم سر در کنار ہر شب

۵۷

نمی آید یہ چشم خواب اشب
 یہ جانم از دل ہے تاب اشب

۵۳

اب یہ رات قسم پر پہنچ گئی
باقی داستان کل کی رات پر
تیرے بغیر ہر روز سر پر لے آتی ہے
سوسپاہ چاہیں ہمارے لیے رات
نالہ تیغ اور آہ سناں چلاتی ہے
دوستو رات ہے یا جنگ کا دن
ہم کہ تیرے لطف کی عادت رکھتے ہیں
کب تک رات تنہا گزاریں
میر کا جگر بھی بری جگہ نہیں ہے
یہاں بھی کبھی رات بسر کی جا سکتی ہے

۵۵

یہ بے قراری کہاں تک اور یہ اضطراب کب تک
دنیا میں مجھے رسوا کر دیا خواہش کا خاند خراب (ہو)
اپنا کام جو اتنی سے پہلے کر کے اے غفلت کی خور کھنے والے
جتنی دیر میں آنکھ بھپکتا ہے جوانی کے دن خواب ہیں
خدا کا شکر کہ مغاں کے کوڑے کھاتے دیکھا
مے خانہ کے دروازے پر شراب میں مست شہر کو

۵۶

شیع کی طرح کب تک ہر رات بے اختیار روتا رہوں
کب تک پروانے کی طرح آگ میں گرنا رہوں
اس دریاگانہ کے بغیر میرے رونے کو کیا پچھتے ہو
محیط اعظم اہر شب سرکنارے میں چہا لیتا ہے

۵۷

آج رات آنکھوں میں غیند نہیں آتی
آج رات دلی بے تاب (کی وجہ) سے جان پر مبنی ہے

۵۸

از دہانش کس چہ گوید آں دہاں معلوم نیست
حرف بسیار است اما بچ از آں معلوم نیست
طور و طرز رفتن اہل چہلم داغ کرد
عالمے بگذشت از این راہ و نباش معلوم نیست
زاں کمر از من پیرس اسے ہم نشیں ہر دم کہ او
قتہ برپا کردہ و خود درمیاں معلوم نیست
حیف باشد چہ سائی گر میخند اتفاق
کز هجوم سجدہ ہا آں آستان معلوم نیست
طرح پیش آفتن کہ ہو تر هجوم آورده است
مانے کم گشت یعنی آہاں معلوم نیست
ی رود زیں خاک داں خلق و نمی آید چہ چشم
گرد بسیار است در رو، کارواں معلوم نیست
تا چہ پیش آمد نہ دامن میر را در راہ عشق
روزگارے شد کہ حال آں جواں معلوم نیست

۵۹

دعوی میر تو شائستہ صاحب جگر است
عشق کفر است اگر صرفہ جاں در نظر است
دقت فرست عشق آں کس کہ نگہ ی دارد
آہ ازیں عمر کہ چوں آب رواں در گذر است
محبت شیخ و من دند چساں در گیرد
عشق راہ دگر و عقل طریق دگر است
دیدنی آخر کہ چہ ہشیار مرا گشت آں طفل
این گمان غلطے بود کہ او بے خبر است
دارد امسال ہاں گوند لغارت کہ کمر
ہزار جوئے گستاں مژدہ چشم تر است

۵۸

اس کے دہن کی کوئی کیا کہے، وہ دہن معلوم نہیں ہے
 بہت سی باتیں ہیں مگر اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے
 دنیا کے لوگوں کے (گزر) جانے کے طور و طریق نے مجھے رنجیدہ کر دیا
 ایک دنیا اس راہ سے چلی گئی اور پتہ نہیں چلا ہے
 اس کمر کو اسے ہم نہیں مجھ سے مست پوچھ کہ ہر وقت اس نے
 قندہ برپا کیا ہے اور خود درمیان میں نظر نہیں آتی ہے
 افسوس ہو گا اگر پیشانی ہکانے کا موقع نہ مل سکے
 کہ سجدوں کے انجم میں وہ آستانِ نظر نہیں آ رہا ہے
 عیش کا انتظام کر کہ ابر تر جمع ہو گیا ہے
 ایک مانع کم ہو گیا ہے، یعنی آستانِ نظر نہیں آ رہا ہے
 اس خاکِ داں سے خلق چلی چا رہی ہے اور نظر نہیں آتی
 راہ میں گرد بہت زیادہ ہے، کارواںِ نظر نہیں آتا ہے
 میرے کو عشق کی راہ میں کیا پیش آیا نہیں جاتا
 زمانہ ہو گیا کہ اس جوان کا حال معلوم نہیں ہوا ہے

۵۹

خیری محبت کا دعویٰ حوصلہ رکھنے والے کو زیب دیتا ہے
 عشق کفر ہے اگر جان جانے کا خطرہ نظر میں ہے
 اس کی مہلت کا وقت اچھا (ہے) جو نگاہ رکھتا ہے
 اس عمر پر (جو) افسوس کہ آبِ رواں کی طرح گزر رہی ہے
 شیخ اور مجھ رندی محبت کیسے موافق آئے
 عشق کی راہ اور عقل کا راستہ دوسرا ہے
 تو نے دیکھا کہ آخر مجھے کس ہشیاری سے اس ظلل نے قتل کیا
 یہ کماں غلط تھا کہ وہ بے خبر ہے
 اس سال اس طرح آبِ پاری ہوئی کہ جیسے
 جوئے گلستان کا سبزہ چشمِ ترکی مژدہ ہو

نالہ سید خراشے نہ شنیدم زیں باغ
 جتے شد سر مرغان چمن زبر پہ است
 می کنم یاد بنا گوش تو و می گرم
 دانت اشک من اشب بہ صفائے گہر است
 میر را من بہ سخن کاش نمی آوردم
 درد دل کرد بہ جتے کے مرا درد سر است

۶۰

بہتو بے میر من ہمہ کہیں است
 دشمن جان و رہزن دین است
 جان تنگلی کشیدہ می داند
 کہ گل دلہراں چہ شیرین است
 از خرامش بہارے می ریزد
 رفتن یار بس کہ رنگین است
 قاصد را چہ غلط بشودم
 کافہ روزگار من این است
 گاہ در مسجد است و گاہ در دیر
 میر را تا چہ دین و آئین است

۶۱

طوبہا شد مختلف دور زمان دیگر است
 آن زمین برباد رفت، این آسمان دیگر است
 مہر شد مفقود یا این جا صبت رسم نیست
 یا مزاج ما دگر شد یا جہان دیگر است
 کذب ہمہ کس را شعار و حرف ہر یک بیجہاد
 ما نمی کہیم گویا این زبان دیگر است
 پر در این ایام بے لطفی کمں کز چند روز
 میل طہم جانب نامہریان دیگر است

میں نے اس داغ میں جینے غراش نالہ نہیں سنا
 لذت ہو گئی مرفان چمن کا سر نہ پر ہے
 تیری بنا کوشا کو یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں
 میرے اٹک کا دانہ آج رات گوہر کی سی مفا رکھتا ہے
 کاش میں میر کو باتیں نہ کرنے دیتا
 درد دل اس (حد) تک (بیان) کیا کہ مجھے درد دسر ہو گیا ہے

۶۰

میرا بہت ہے مہر تمام کینہ ہے
 جان کا دشمن، دین کا رہزن ہے
 کتنی کشیدہ جان ہانتی ہے
 کہ دلبروں کی کھل کتنی شیریں ہے
 اپنے حرام سے ایک بہار نکھیر دیتا ہے
 یار کا چلنا بہت رنگین ہے
 جیری قامت کو لوگوں کو دکھاتا ہوں
 کہ میرے لیے آفت روزگار یہ ہے
 کبھی مسجد میں ہے اور کبھی بت خانے میں
 میر کا (بھی) کیا دین اور آئین ہے

۶۱

طور مختلف ہو گئے، دور زمانہ دوسرا ہے
 وہ زمین برباد ہو گئی، یہ آسمان دوسرا ہے
 مہر مفتوح ہو گیا، یا اس جگہ محبت کی رسم نہیں ہے
 یا میرا مزاج دوسرا ہو گیا، یا (یہ) جہان دوسرا ہے
 جھوٹ ہر ایک کا شعار، ہر ایک حرف، چھپا ہوا
 ہم نہیں سمجھتے گو یا یہ زبان دوسری ہے
 ان بے لطفی کے دنوں کو درد سے نہ بھر کہ چند روز سے
 میرے دل کی رعبت ایک اور نامہ بیان کی طرف ہے

سرگزشت با مصیبت دیدگان عشق را
قصهٔ بختوں حال، این داستان دیگر است
یک دور روزے کم نکاتی مصلحت دید تو نیست
چشم من دہالہ گرد دل شان دیگر است
از دست امروز و فردا ی روم ہشیار باش
سجدہ مستانہ باپ آستان دیگر است
تہمت آلودہ وقائع دیگران دارد مرا
من جلاکم از غمش، او در گمان دیگر است
بر نمی افتد از آن سر کوچہ رسم جور میر
من اگر از جاں شدہ، یک نیم چاہا دیگر است

۶۲

آں ام کہ خوف جاں سبب شادی من است
چہمان شیر شردہ گل دادی من است
ہر آنفے کہ تارہ نمودار ی شود
از اختراع قوت لیکادنی من است
من خود بہ حال مرگم و دشمن گماں برد
کایں حالت از سلیقۂ استادنی من است
از من نہ مانده غیر پرے چند در قفس
وین دل اسیر خواہش آزادی من است
گر سر نہد بہ عالم امکان قباحست
پیلے کہ میر غفقتہ در آبادنی من است

۶۳

زین دلبران سہل جہاں فتنہ در سر است
دل زہر مہر داغ در این وقت بہتر است

ہم عشق کے مصیبت جھیلے ہوؤں کی سرگزشت کو
 قصہ بھٹوں مت سمجھ، یہ داستان دوسری ہے
 دو ایک دن تجھے کم دیکھنا کسی مصلحت سے نہیں
 میری آنکھ ایک دوسرے دل چین لے جانے والے کا چچھا کر رہی ہے
 تیرے دروازے پر سے آج کل میں چلا جاتا ہوں، خیال رہے
 سجدہ مستانہ دوسری بارگاہ کے لائق ہے
 مجھے دوسروں سے وفا کی تہمت سے آلودہ کرتا ہے
 میں اس کے غم میں ہلاک ہوں اور وہ دوسرے گمان میں ہے
 اس کو سچے سے ظلم کی رسم میر نہیں اٹھتی
 میں اگر جان سے چلا جاؤں ایک غم جان دوسرا، (موجود) ہے

۶۲

میں وہ ہوں کہ جان (جانے) کا خوف میرے لیے خوشی کا سبب ہے
 پھرے ہوئے شیر کی آنکھیں میری دادی کا پھول ہیں
 ہر آفت کہ تازہ نمودار ہوتی ہے
 میری قوت ایجاد کی اختراع ہے
 میں خود مرنے کے حال میں ہوں اور دشمن گمان رکھتا ہے
 کہ یہ حالت میری استادی کے سلیقے کی وجہ سے ہے
 مجھ میں چند پروں سے زیادہ نفس میں کچھ نہیں بچا
 اور یہ دل میری آواز کی خواہش میں اسیر ہے
 اگر عالم اسکاں کی طرف بڑھے تو خرابی ہوگی
 ایک سیلاب جو میر میری آبادی میں سوراہا ہے

۶۳

ان کل دلبروں سے جہاں کے سر میں تختہ ہے
 دل کا اس وقت مہر داغ کے نیچے ہونا بہتر ہے

خواہ شدن جراحتِ سر تا پ پا الم
 زخمِ جگر کہ لودن آں گلِ تر است
 حرفِ مگو بہ زایدِ مفرد و خودستا
 معقول را نمی شنود این حرفِ غر است
 می یابم از قید تو بہ ہر دم خجسته
 تنخواہ من بہ عالمِ بالا مقصور است
 دارد بہ روئے زرد غبارِ ملالت
 امروز میرِ خستہ جگر پر ملندہ است

۶۳

عشق از روزے کہ این دیوانہ را بر کار بست
 کوکبن از کوہ و بجلوں از بیاباں بار بست
 سوئے مزگانم گلر در گریہ سرشارِ صبح
 خوش خوش می چکد خونِ جگر زیں دار بست
 شب ز پہلو دادنِ دل گریہ بسیار کرد
 طرفہ دریائے بہ جوئے خویش چشم زار بست
 می رود از کوئے چوں فردوسی او رو بر قفا
 دل مگر خودشید با آں سایہ دیوار بست
 دست پرخوں، تنغ پرخوں، جامہ پرخوں ہر دم است
 خوش بہ خونِ ما وفاداراں کمر را یار بست
 دائے بر حالِ کسے کو با ہزاراں درد و غم
 بر جگر دندانِ تلخرد و لبِ اظہار بست
 روزگارے شد کہ از دینِ قدیم غوثِ شترن
 میر در عشقِ بتاں برگشتہ و زار بست

سر تا پا تکلیف وہ گھاؤ جتنا چاہتا ہے
 زخم جگر، کہ اس گل تر (کی وجہ) سے بوزوہا ہے
 مقرر اور اپنی تعریف کرنے والے زاہد سے بات نہ کر
 دلائل عقلی کو نہیں سنایا یہ بدحواس بوڑھا گدھا ہے
 میں ہر دم حیرے قد سے خضع حاصل کرتا ہوں
 میری تنخواہ عالم بالا سے مقرر ہے
 (اس کے) درد چہرے پر طامت کا غبار ہے
 آج عسجد جگر میر (کی طبیعت) بہت مقدّر ہے
 ۶۳

جس دن سے کہ عشق نے اس دیوانہ کو مطلع کیا ہے
 کوہ کن نے کوہ اور مہنوں نے بیاہاں سے سامان باندھا ہے
 میری چلوں کی طرف دیکھو، صبح آنسوؤں سے رونے (کی وجہ) سے
 خون جگر خوش خوش اس دار بست سے ٹپک رہا ہے
 رات دل کے ساتھ دہنے پر (اس نے) بہت آنسو بہائے
 چشم زار نے (گویا) طرفہ سمندر اپنی نثر پر باندھا ہے
 اس کے فردوس جیسے کوپے سے پیچھے دیکھتے ہوئے جاتا ہے
 شاید خود شید نے دل کو اس سایہ و یار سے لگایا ہے
 ہاتھ پر خون، تنق پر خون، کپڑوں پر خون ہر وقت ہے
 یار نے ہم وقادموں کے خون پر انجلی کر بانڈھی ہے
 اس کے حال پر آنسوؤں (جس نے) کہ ہزاروں درد و غم کے باوجود
 سخت اذیت کو برداشت کیا ہے اور لب اکتہار سی لیا ہے
 تخت ہو گئی کہ اپنے قدیم دین سے
 میر عشق بتاں میں پھر گیا اور (اس نے) از ناز بانڈھی ہے

۶۵

پہ گلشنِ ایں کہ گلِ نازاں رسیدہ ست
 نظرِ گاہِ گریبانِ نہ دیدہ ست
 مژس امروز چنداں از قیامت
 بیا سے خور کہ فردا را کہ دیدہ ست
 چہ عکین پائے تا سر داغِ ششم
 ز ہاش ایں چہیں گل ہا کہ چیدہ ست
 اگر خوں گشتہ در اجراں جہب نیست
 کہ دل تصدیقِ بیارے کشیدہ ست
 بہ آں غیرت بہ عشقِ گلِ رغاں میر
 چہا از مردم بے شیدہ ست

۶۶

آوارہ گردِ عشق تو چشمِ پرآب داشت
 ہر جا کہ رفت گریہ بہ رنگِ صواب داشت
 شب ہا بہ ما نشست و سر حرفِ دا نہ شد
 آں ناز پیشہ روئے سخن در نقاب داشت
 من در نفسِ شہری و آں سرو خوش خرام
 مستعدانہ رفت کہ با خود حساب داشت
 زان خوشتر کہ زگرِ مست تو وا شود
 احوالِ غم کشانی بہت خراب داشت
 دلش بہ یادِ زلے کہ می سوختی دلا
 دودِ جگر چہ مارِ سیہ و سچ و تاب داشت
 بے پردہ اش بہ جلوہ تماشا نہ کردہ ایم
 ہا ایں ظہورِ حسنِ قیامت نقاب داشت
 کافہ بہ پیشِ قاصدِ من سوختی مگر
 پیغامِ سیدِ سونگیاں ایں جواب داشت

۶۵

باغ میں یہ کون سا گل نازاں پہنچا ہے
 نظر نے بھی اس کا گریباں نہیں دیکھا ہے
 آج قیامت سے یکدم مت ڈر
 آشراب پی کر گل کس نے دیکھا ہے
 گلاب کے پودے کی طرح سر سے پاؤں تک (رنگ سے) جل گیا ہوں
 اس کے باغ سے اس طرح پھولوں کو کس نے توڑا ہے
 اگر بھر میں خون ہو گیا ہے جب نہیں ہے
 کہ دل نے نہایت تکلیف اٹھائی ہے
 گل رعش کے عشق میں میر نے اس غیرت کے باوجود
 بے اصل لوگوں سے کیا کیا مکھڑا ہے

۶۶

حیرے عشق کا آوارہ گرد پر آپ چشم رکھتا تھا
 جہاں بھی جاتا تھا صاحب کی طرح گریہ کرتا تھا
 بہت سی راتوں کو میرے ساتھ بیٹھا اور گفتگو شروع نہ ہوئی
 وہ ناز پیٹھ روئے سخن گلاب کے اندر رکھتا تھا
 میں نفس شماری میں تھا اور وہ غرض مرام سرو
 بے پروا گزر گیا کہ اپنی دھن میں تھا
 اس سے پہلے کہ حیرتی نرگس مست کھلے
 (اس نے) محبت کے غم کشوں کی حالت خراب کر دی
 کل رات کس کی ذلف کی یاد میں اسے دل تو جل رہا تھا
 درہنچر مار سیہ کی طرح بچھوٹا بکھارہا تھا
 ہم نے اسے بے پردہ جلوہ گری کرتے نہیں دیکھا
 حسن کے اس علوہ کے باوجود قیامت حجاب رکھتا تھا
 تو نے کائنات میرے قاصد کے سامنے جلا یا ہے، شاید
 سید سونگیاں کا پیغام بھی جواب رکھتا تھا

معلوم شد کہ منزل با نیست ایں جہن
 ہر کسے کہ چشم قنارہ اضطراب داشت
 آب رواں و رنگ گل و باد صبح گاہ
 ہر یک چو بازماندہ مسافر شباب داشت
 آیا چہ شد کہ میر گدائے شراب شد
 دیدن ایں جہان عزیز احتساب داشت

۶۷

از قفس سوز دردم جگر خامہ شوق است
 کافکہ از گری الفاظ کہاب ورق است
 گشتہ چوں روح و بہ نتیجہ آن لب نہ رسید
 بادۂ لعل از ایں شرم سراپا عرق است
 سالہا بر سر کوئے تو چمن سازی کرد
 چشم بگدائے من کہ ہوا را شوق است
 دارم اسرار کزین درد نہ دم تا دم مرگ
 دوستان ہر چہ در ایں باب گویند، حق است
 کارم اشب بہ سحرگاہ کشد یا نہ کشد
 بر دل از دوری دلدار قیامت غلغل است
 عشوہ و خمزہ و ناز تو ہمہ غارت کرد
 دائے بر شیر دل من کہ بے بے نسق است
 با فن عشق کسے را نہ بود رہا امروز
 از منش میر فراگیر کہ مشکل سبق است

۶۸

از دل من تا غم جانانہ رفت
 رفتی سر تا سر آں خانہ رفت

معلوم ہوا کہ ہماری منزل یہ چمن نہیں ہے
جس پر بھی نظر پڑی اضطراب میں تھا
آپ رواں اور رنگ گل اور باد صبح کاواہ
ہر ایک پیچھے رہ جانے والے مسافر کی طرح جلدی میں تھا
ایسا کیا ہوا کہ میر شراب کا گدا ہو گیا
کل اس عزیز جوان پر احتساب ہوا

۶۷

سوز دروں کی گرمی سے قلم کا بکھر شق ہے
کاغذ الفاظ کی گرمی سے کہاں ورق ہے
روح کی طرح ہو گیا اور اس لب کی کثایت کو نہیں پہنچا
بادِ لعل اس شرم سے تمام عرق (عرق) ہے
سالہا تیرے کوپے میں چمن سازی کی ہے
میری پگھلی ہوئی آنکھوں نے جو فضا کے لیے شفق ہیں
مجھے اصرار ہے کہ اس در سے دم مرگ تک نہیں جاؤں گا
دوست اس باب میں جو کچھ کہتے ہیں، حق ہے
میرا کام اس رات صبح کے وقت تک پہنچے یا نہ پہنچے
دل پر دلدار کی دوری سے قیامت کا قلق ہے
تیرے عشوہ اور غمزہ اور ناز نے سب غارت کر دیا
میرے دل کے شہر پر افسوس کہ نہایت بے انتظام ہے
مشق کے ٹن سے کسی کو آج دل ہنگامی نہیں رہی
(اے) اے میر (تو) مجھ سے سیکھ کہ مشکل سبق ہے

۶۸

میرے دل سے جانا نہ کاغذ کا خم جب نکل گیا
اس گھر کی روایت بالکل ہی ختم ہو گئی

آخر آخر بر دکان سے فرودش
 آبرویم بہر یک چٹانہ رفت
 کشیدہ قلعہ قرا تازم، جگر
 قید شدہ استاد و از جا نہ رفت
 من چہ دلم راہ و رسم خانقاہ
 عمر من در خدمت سے خانہ رفت
 بود در ہر گوشہ اش ہنگام اے
 بعد مرگم رفتی ویرانہ رفت
 نے سرکش، نے چمکے نے گلے
 از سر خاکم چہ بے رحمانہ رفت
 نجست شورہ میر در بازار ہا
 غالباً از شہر آں دیوانہ رفت

۶۱

معلوم سخن شیخ کہ از بے نصراں است
 او منکر دیدار رخ خوشی پیراں است
 سیاد چنیں دام گیر ویر نہ دارد
 آں کس کہ شکام تو نہ شد حیف بر آں است
 ما لطف زبانی ہم از او گاہ نہ دیدیم
 دیرست کہ روئے بخش با دیگران است
 دامن بہ میاں برزدہ چوں صبح سحر ہاں
 کاس بزم دل افروز جہان گذراں است
 آئینہ مگر دیدہ میر است کہ ہر صبح
 بر صورت خوب تو بہ حسرت نگراں است

۶۲

ہشیم کہ بہ ہنگام سحر چشم ترے داشت
 شاید کہ بہ رہسار آں گل نظرے داشت

آخر کار سے فروش کی دکان پر
ایک بیٹانے کے لیے میری آبرو چلی گئی
میں میری چیخ کے کشتہ پر تاز کرتا ہوں، (کہ) جگر
قیمہ ہو گیا، کھزار ہا اور جگہ سے نہیں ہٹا
میں خانقاہ کی رسم و راہ کیا جانوں
میری عمر سے خاتمے کی خدمت میں گزر گئی
اس کے ہر گوشے میں ایک ہنگامہ رہتا تھا
میرے مرنے کے بعد ویرانے کی روایتی چلی گئی
نہ اشک، نہ چراغ، نہ گل
(وہ) میری قبر کے پاس سے کتنی بے عزتی سے گزرا
ہزاروں میں میرے کا شور نہیں ہے
خاتمہ شہر سے وہ دیوانہ چلا گیا

۶۹

شیخ کی بات مت سنو کہ وہ بے بسروں میں سے ہے
وہ عروش پسروں کے دیدار کا سنگ ہے
صیاد دنیا میں ایسی شکار گاہ نہیں ہے
جو تیرا شکار نہیں ہو اس پر حیف ہے
ہم نے اس سے کبھی لفظ زبانی بھی نہیں پایا
ذلت سے اس کا روئے سخن دوسروں کی طرف ہے
صبح سحر کی طرح رخصت کے لیے کمر بستہ ہو جا
کہ یہ جہان گزراں کی بزم دل افروز ہے
آئینہ شاید میر کی آنکھ ہے کہ ہر جگہ
تیری اچھی صورت کو حسرت سے دیکھتا ہے

۷۰

شب بزم کج کے وقت چشم تر رکھتی تھی
شاید کہ اس گل کے رخسار پر نظر رکھتی تھی

ایں عرصہ از آن غلیل طیور است کہ ہر یک
 شاکستہ پرواز چمن بال و پرے داشت
 مستان محبت ہمہ ہشیار سراں اند
 ہر بے خبر عشق تو با خود خبرے داشت
 از دل چہ نکایت کلم اکنوں کہ بہ جا نیست
 زیں خوشتر ایں قطرۂ غوں ہم جگرے داشت
 مریدم و مکاں ہم شدہ ویران و نہ تحقیق
 کایں راہ گزرد حکمے در یزدگرے داشت
 دل از پے او فرق بہ دریائے بلا بود
 واق کوہ تر سر بہ کنار دگرے داشت
 چوں رنگب حنا میر یکایک ز میاں رفت
 معلوم چہ شد با کلب پائے تو سرے داشت

۷۱

بہ یار نادک مژگاں دلم ز جاں میر است
 شکار وحشی ام از ہدے سر تیر است
 نہ میر فائدہ می بخندم، نہ بے تابی
 ہلاک می شوم اسے ہم نشیں، چہ تدبیر است
 چہ شد کہ شعلہ فشاں نیست لیک می سوزد
 نہال قامت من ہم چہ صبح تصویر است
 کنوں کہ تنگی بہ کف می ری سرت گرم
 دگر بہ تنگی من بے گنہ چہ تاخیر است
 بہ عشق سلسلہ مویاں خراب شیر شوم
 ہنوز بہ ہر کوچہ شور زنجیر است
 دماغ بستی احرام کعبہ اش نہ بود
 کسے کہ از غم کوئے بتاں خدا گیر است

یہ زنجی، پرندوں کے اس جھنڈ سے ہے کہ ہر ایک
 جنم کی پرواز کے قائل ہال و پر رکھتا تھا
 محبت میں مست (رہنے والے) تمام ہشیار ہیں
 حیرے عشق کا ہر بے خبر اپنی ایک خبر رکھتا تھا
 اب دل کی کیا بات کروں کہ بھانپیں ہے
 اس سے پہلے یہ قطرہ خوں بھی جگر رکھتا تھا
 ہم مر گئے اور مکاں بھی ویران ہو گیا مگر نہ کہا
 کہ اس راہ گزر پر ایک فقیر کا نکلیے تھا
 دل اس کے لیے دریائے بلا میں غرق تھا
 اور وہ گوہرِ قرہ دوسرے کنارے کا ارادہ رکھتا تھا
 رنگِ ستا کی طرح میر کا یک درمیاں سے اٹھ گیا
 یوں لگا (جیسے) حیرے کلب پا کی خواہش رکھتا تھا

۱۷

ناوک مڑگاں کی یاد میں دل جان سے بیزار ہے
 میرا وحشی شکارِ قدرت سے حیر کے سامنے ہے
 نہ صبر مجھے قاعدہ بخشتا ہے، نہ بے تابی
 اسے ہم نفس میں ہلاک ہو رہا ہوں، کیا علاج ہے
 کیا ہوا کہ شعلہ فشاں نہیں ہے مگر جل رہا ہے
 میری قامت کا نہال بھی طمعِ تصویر کی طرح ہے
 اب کہ تیغِ بکف بچتی رہا ہے حیرے صدقے جاؤں
 (اب) مجھ بے گناہ کے قتل میں (اور) کیا تاخیر ہے
 (میں) زنجیرِ جیسی زللوں والوں کے عشق میں خراب شہر ہوا
 ابھی بھی ہر کوپے میں زنجیر کا شور ہے
 اسے کبجے کا احرام باندھنے کا ہوش نہیں ہوتا
 جسے خدا نے کوسے بتاں کے غم میں گرفتار کر دیا

کمن پہ ابروئے او چشم را سپہ زہار
دگر نہ میرِ میانِ من و تو شمشیر است

۷۲

تختے باید ستاد و زار می باید گریت
بر سرم اے ایر تر بسیار می باید گریت
حال زار خوشترن قاصد چساں انشا کتم
بر سر حرف مرا صد بار می باید گریت
گریہ را در یاد رویش ضبط محتواں کرد میر
ہم چو ایر قبلہ ام ناچار می باید گریت

۷۳

الحک انکرمی نشاء، آہ برق حاصل است
من نمی دانم کہ از شوقش چہ آتش در دل است
آں کتب نازک ہیں و این ہمہ ناحق کشی
بگذرد از حق اگر کس حق بہ دستِ قاتل است
کار چوں آئینہ بر من تلک شد پایان کار
ہر گرا باشد حیائے چشم، او را مشکل است
گشتہ است از بس کہ حیرت کشیہ اطوار یار
دیدہ آئینہ پیش او چو چشم بسل است
با لب و حرف کے یاقوت و گوہر را مسخ
می زند بر سنگ لعل و گشتہ ذرّ باطل است
در چمن مست سرانداز آں سراپا ناز بود
قامتش را دیدہ ہر کس گفت سرو باکل است
راہبر چوں عجز سالک را نمی آید بہ دست
ہر کجا پائیم بلخود میر آں جا منزل است

ہرگز اس کی ابرو کی طرف چشم کو سیاہ نہ کرنا
وگرنہ میرے تیرے اور تیرے درمیان شمشیر ہے

۷۲

مختوں کھڑا رہنا چاہیے اور بہت رونا چاہیے
میرے اور پر اسے ایتر بہت رونا چاہیے
اپنا حال زار قاصد کس طرح لکھوں
ہر حرف پر مجھے سو مرتبہ رونا پڑتا ہے
اس کے چہرے کی یاد میں ہر گریہ ضبط نہیں ہو سکتا
مجھے ابر قبیلہ^۱ کی طرح ناچار رونا پڑتا ہے

۷۳

الحک چنگاری برسا رہا ہے، آہ حاصل کے لیے برقی ہے
میں نہیں جانتا کہ اس کے عشق کی وجہ سے دل میں کون سی آگ (گلی ہوئی) ہے
وہ نازک ہاتھ دیکھ اور یہ اسنے ہے گناہوں کا قتل
انصاف (کی توقع) کو چھوڑ دے اگر کسی کا انصاف قاتل کے ہاتھ میں ہے
آخر کار آئینہ کی طرح مجھ پر کام مشکل ہو گیا
جس کی بھی آنکھ میں حیا ہے، اس کے لیے مشکل ہے
وہ یار کے اطوار سے اڑیں کہ حیرت کا مارا ہوا ہے
دیہ آئینہ اس کے سامنے چشم بھل کی طرح ہے
یا قوت اور گوہر کو کسی کے ہونٹ اور باتوں سے مت قول
(وہ) لعل کو ہتھ پر مارتا ہے اور کہتا ہے، نقلی گوہر ہے
چمن میں وہ سراپا نازشے میں مجسم رہا تھا
اُس کی قاصد کو دیکھ کر ہر ایک نے کہا، سرو مائل^۲ ہے
ساک کے بلز جیسا مارا ہر نہیں ملتا ہے
جہاں بھی میرا چہرہ کھڑائے میرا جس جگہ منزل ہے

^۱ ہونٹ نہ کرنا۔

^۲ پائل برقیہ کی طرف سے اٹھے اور بہت بادشہ رہا ہے۔

^۳ جگہ ہوا سرد۔

۷۴

نگاہ مست اور سرگرم کار است
رگ خواب جہاں در دست یار است
تکرات است خطبہ الٰہ شود صبح
از آن زلف سیہ بر سید مار است
توچ کن کہ تا روزی بیاہد
دل مسکن غریبہ ایں دیار است
دے صد ہر سویت می کشد دل
ترم گونہ اے بے اختیار است
پہ نگوں تر دیدہ ام تا دیدہ ام من
خندش دہم پردہ شکار است
ز دای ایں کہ ی خیزد خبرے
دلے در زیر خاکے بے قرار است
نہ دہم با کرام امیداری
در ایں ایام دل امیدوار است
شدم با خاک کوئے او برابر
ہنوزش میر در خاطر غبار است

۷۵

از خلق ایام چنین تنگ نہ بودہ است
زین پیش دلے بود مراد تنگ نہ بودہ است
از عظم برافروختہ تر ز آتش گرے
با ما گل روئے تو بہ ایں رنگ نہ بودہ است
از ساز رقیب است کہ با تنگ حراحتی
طرز تو شب و روز ہمیں جنگ نہ بودہ است
شد حیرہ ز نکسی خطبہ اوصاف خود است ایں
آنکھہ دل در نہ تو رنگ نہ بودہ است

۷۴

اس کی نگاہ مست سرگرم کار ہے
 دنیا کی رگ خواب پار کے ہاتھ میں ہے
 ضبط سے بھر جمل رہا ہے، جب تک کہ صبح نہ ہو جائے
 اس زلف سیاہ کے خیال سے سید پر سانپ ہے
 (ذرا) ڈھونڈتا کہ ایک روز مل جائے
 مسکین دل اس دیار میں اپنی ہے
 ہر مل دل سو مرتبہ تیری طرف کھینچا ہے
 رحم کر، بہت زیادہ بے اختیار ہے
 میں نے غم میں تو دیکھا، جہاں تک دیکھا
 اس کا حیرتکار کا دھم پانا ہے
 وادی سے یہ کون غبار اٹھا رہا ہے
 (ضرور) زیر خاک ایک دل بے قرار ہے
 نہیں جانتا کہ کس سے امید داری (ہے)
 ان دنوں دل امیدوار ہے
 اس کے کوچے کی خاک کے برابر ہو گیا ہوں
 ابھی تک میرا اس کی خاطر میں غبار ہے

۷۵

ایام کی خلق سے اس قدر پریشان نہیں تھا
 اس سے پہلے میرا دل تھا بخر نہیں تھا
 غصے میں آتش گرم سے (گلی) زیادہ بھڑکا ہوا
 میرے واسطے حیرے چرے کے پھول کا یہ رنگ نہیں ہوتا تھا
 یہ رقیب کی سازش (کے باعث) ہے کہ قلع مزاحی کے ساتھ
 شب و روز کی جنگ تیری عادت نہیں تھی
 اپنے اوصاف کے فوشے کے عکس سے تاریک ہو گیا، یہ
 آئینہ دل، درد رنگ آلود نہیں رہا کرتا تھا

بیجے شدہ در مہر کے عشق و گرنہ
ایں رسم کہن میر چشیں نگ نہ بودہ ست

۷۶

عمر یا چار سالہم رنگِ دروے بودہ است
دست بر دل ہر کہ دے کہ نہ دے بودہ است
سر ز ہجران کے می داروم در آتھے
یاد لیاے کہ بر لب آہ سروے بودہ است
پشتِ رگے کہ مینی کاروانے بود میر
گرد باد ایں بجاہاں نہ نورے بودہ است

۷۷

چوں غنچہ دل بہ پہلو پرنون ز میر پارے ست
رنگِ غنچہ من از عشق یادگارے ست
شبنم بہ چشم عبرت انگ است حسرت آلود
ہم گل در ایں گلستاں، چشم امیدوارے ست
ما چوں حنا در ایں قم خوں می خوریم و لیکن
پا بوی آن جفاہو از دست رفتہ کارے ست
غافل مشو ز رفتن کایں طاق چرخ نیلی
از گرد راو یاراں برخاستہ غبارے ست
میر ایں ہمہ نہ دارد قلیخ حال عاشق
دلخستہ، اتقاقے ست، عہدے ست، روزگارے ست

۷۸

آتشِ عشق کہ اول رو در نام سوخت
آخر الامر بہ یک لاکھ سالنام سوخت
قطرہ انگ ز سوڑ جگر ہم انگ بود
از مژدہ روشِ رخداد و گریبانم سوخت

کسی کے عہد میں عشق ایک عیب بن گیا، وگرنہ
یہ رسم کہن میرا تھی رسوائی کا باعث نہیں ہوتی تھی

۷۶

(میں) مدتوں پیار سا تھا رنگ زدہ ہو گیا ہے
درد کی وجہ سے وقت اور ناوقت ہاتھ دل پر رہتا ہے
کس کے بھر میں میں نے آگ میں سر ڈالا ہے
ان دنوں کی یاد (آتی ہے) کہ لب پر آہ سرد رہتی تھی
(یہ) ریت کا ایک تودہ جو تو دیکھ رہا ہے میرا ایک کارواں تھا
اس بیاباں کا گرد باد (کبھی) ایک رہ نور تھا

۷۷

غنیہ کی طرح سے دل پہلو میں یار کی محبت میں پر غلوں ہے
میرا رنگ شمس عشق کی ایک یادگار ہے
شبم چشم مہرت کے ساتھ حسرت آلود انگ ہے
گل بھی اس نگستاں میں چشم امید وار ہے
ہم حنا کی طرح اس خم میں غلوں پہنچتے ہیں دلیکن
اس جناح کے قدم چومنا ایک ہاتھ سے نکلا ہوا کام ہے
(دنیا سے) جانے سے خافل مت ہو کہ یہ چرخ نیلی (خام) کی عالی شان عمارت
یاروں کی گرد راہ سے اٹھا ہوا ایک ظہار ہے
میرا عاشق کا حال اتنا تغیر نہیں رکھتا
وقت، اتفاق، عہد (اور) روزگار (کی بات) ہے

۷۸

عشق کی آگ نے کہ پہلے میرے درماں کی راہ جلا دی
آخر کار ایک منصوبے کے تحت میرا آرام لوٹ لیا
میرے سوز نگہ سے آسوکا قطرہ چنگاری (بن گیا) تھا
پلکوں سے کاغذ سے پر گر پڑا اور میرا گریبان جلا دیا

ہے تو در شہر مجھے دافنم و گمہ در صحرا
 ناشتی سوخت مرا یک پریشانم سوخت
 در چمن رقتم و بسیار پریشاں کشتم
 خیلے نال کشید و بہ گشتانم سوخت
 تا در بت کدہ ام بود سرے با اسلام
 صے چہرہ بر آرزوست ایمانم سوخت
 داغ ضبط دل خوشام بہ کہ گویم این درد
 باید سوخت جدا از تو و نتوانم سوخت
 میر از سوز محبت چہ سخن آغازم
 دل کہاب است جگر داغ شد و چاہم سوخت

۷۹

ناکھلیا فہم نہاں شدہ است
 کہ نفس بر لبم فغاں شدہ است
 دو سہ پر در چمن پریشاں اند
 مرغ روتے کہ پرفشاں شدہ است
 در بہاراں دل بری دارم
 رنگ گل برق آشاں شدہ است
 کس چہ داند غبار کیمت کہ میر
 کرد و نہال کارواں شدہ است

۸۰

چہ ظلم ہا کہ نہ بر من در آرزوئے تو رفت
 دلے کہ رفتہ اویم بہ جہتجوئے تو رفت
 نسیم صبح کے برگ گل بہ خود ہی داشت
 مگر از اہل جان نامہ اسے چہ سوائے تو رفت
 بہ ہر گلے کہ رسیدم گرہستم چوں ابر
 بہ داغ رقتم و فرصت بہ یاد روئے تو رفت

تیرے بغیر کبھی شہر میں داغ ہوں اور کبھی صحرا میں
 عاشقی نے مجھے جلا یا مگر بکھرا کر جلا یا
 جہنم میں گیا اور بہت پشیمان ہوا
 بلبل نے نالہ کھینچا اور مجھے گلستان میں جلا دیا
 بت خانے کے دروازے تک مجھے اسلام سے تعلق تھا
 ایک روشن چہرہ بت نے میرا ایمان چھوٹک ڈالا
 میں اپنے ضابطہ دل کا داغ ہوں، کس سے یہ درد کیوں
 مجھے تیری جدائی میں جل جانا چاہیے تھا اور نہیں جل سکا
 میرا سو زحمت کی بات کیا شروع کروں
 دل کہاب ہے، آنکھ داغ ہو چکا اور میری جان جل گئی (ہے)

۷۹

پوشیدہ غم ہے قرار ہو چکا ہے
 کہ سانس میرے ہونٹوں پر لگا ہوا بن چکی ہے
 دو تین پرچم میں بکھڑے ہیں
 کس کی روح کا پرندہ اڑ چکا ہے
 بہار میں آزاد دل رکھتا ہوں
 رنگ گل، آشیاں کے لیے برق بن چکا ہے
 کوئی نہیں جانتا کہ کس کا غبار ہے جو کہ میرا
 کارواں کے دھال کی گرد بن چکا ہے

۸۰

مجھ پر تیری آرزو میں کیا للہم نہ نونے
 دل جس پر میں عاشق ہوں، تیری جستجو میں جاتا رہا
 نسیم صبح ایک برگ گل اپنے ساتھ لیے ہوئے تھی
 ضرور اہل جہنم کی طرف سے ایک خط تیری طرف گیا (ہے)
 (میں) جس گل کے پاس (بھی) پہنچا ابر کی طرح رویا
 باغ میں گیا اور سارا وقت تیرے چہرے کی یاد میں گزر گیا

و چند روز دے شب نمی کند فریاد
مگر کہ میر بہ غلغ آمد و ز کونے تو رفت

۸۱

از ما کہ غمت ایم پیرید سرگذشت
تیرے گند عشق کے کز جگر گذشت
آں غنچہ ام کہ آخر موسم رسیدہ ام
تا چشمہ واکسم کہ بہار از نظر گذشت
تا شور بود یا کہ نے ہم نہ باقم
سیلاب عمر من چہ قدر تیزتر گذشت
زیں آمدن چہ لطف کہ آں بادہ خواہ باز
از حال سے کشان وفا بے خبر گذشت
می گفتش کہ درد تو درماں پذیر نیست
دیدن کہ میر آخر از آں درد درگذشت

۸۲

ایں زماں بر دل من از تو بجائے دگر است
خوں شود بے تو و گوئی کہ برائے دگر است
لطف از او چشم نہ داری کہ ز شوقی او را
دل بہ جائے دگر و چشم بہ جائے دگر است
سبح آئینہ بہ رخسار تو کے می ماند
آں بہ آئین دگر، ایں بہ ادائے دگر است
گر چہ مژگان کے طرفہ بلاے ست و لے
جہنم ابدئے غم دار بلائے دگر است
شوقی او نگر میر کہ با بھو سنے
صبح طور دگر و شام ادائے دگر است

بکھو ان سے آدمی رات کو فریاد نہیں کرتا
ضرور میرے گھگ آ گیا اور تیرے کوپے سے چلا گیا

۸۱

ہم سے کہ زخمی ہیں، (ہماری) سرگزشت مت پوچھیے
کسی کے عشق نے (ایسا) تیرا راجو بگر کے پار ہو گیا
میں وہ غمچے ہوں کے موسم کے آخر میں پہنچا ہوں
جب تک کہ آنکھ کھولوں بہار نظر سے جاتی رہی
(اس کا پانی) کھارا تھا یا بیٹھا میں (یہ) بھی نہیں جان سکا
میری عمر کا سیلاب کس قدر تیز تر گزر گیا
اس آنے کا کیا لطف کہ وہ تاز کا بادہ خواہ
دفا کے بے کشوں کے حال سے بے خبر گزر گیا
میں اس سے کہا تھا کہ تیرا درد قابل علاج نہیں ہے
(تو نے) دیکھا کہ میرا آخر اس درد سے مر گیا

۸۲

ان دنوں میرے دل پر تیری طرف سے اور ہی (طرح کی) جفا ہے
(یہ) تیرے اطمینان ہوتا ہے اور تو کہتا ہے کسی اور کے لیے (ہوا) ہے
اس کے لطف کی امید نہ رکھ کہ شوقی سے اس کا
دل نہیں اور، اور آنکھ نہیں اور ہے
آجینے کی سطح تیرے رخسار کی طرح کب ہوتی ہے
وہ دوسرے آئیں' پر اور یہ دوسری ادا سے ہے
اگرچہ کسی کی مڑکاں طرف بلا ہیں مگر
ابوئے نصار کی جنبش اور ہی بلا ہے
اس کی شوقی دیکھو میرے کہ مجھ جیسے سے
صبح کو اور طور ہے اور شام کو دوسری ادا ہے

۸۳

بوسیدن وہاں تو دل در خیال داشت
 این سادہ لوح خواہش امر محال داشت
 آورده چشم نہ بدگوئی کس
 مگر او نمی شنید کس کے محال داشت
 دل رہ رہ رہاں بچو خودے باختی مگر
 دیدوز چہرہ تو غبار طال داشت
 اے آں کہ از دیار غریباں رسیدہ ای
 بارے بگو کہ میر در آں جا چہ حال داشت

۸۴

دین و دل غارت شدہ، جانم بہ یغما رفتہ است
 حیف ہا از یک نگاہ یار بر ما رفتہ است
 در تماشاخانے غرامش ساکنان شہر را
 ہوش از سر، تاب از دل، طاقت از پا رفتہ است
 دور از آں سرمایہ ہاں چچ لطف زیست نیست
 ہر کہ رفتہ است از درش، گوئی ز دنیا رفتہ است
 کس نشان چشم ما شاید بہ آں بے تہ نہ داد
 ابھر بھر آب آوردن بہ دریا رفتہ است
 سالہا بر یاد آں قامت بکائے کردہ ایم
 تا بہ ای اعدائے کار گریہ ہالا رفتہ است
 از محبت چشم آسائش نہ باید داشتن
 آں ہائے است ای کزو خواب لیٹا رفتہ است
 ما و مجنوں مدتے در شہر یک جا مانده ایم
 چند روزے شد کہ آں دشتی پہ صحرا رفتہ است
 در فراقش جائے او محسوس غیر از درد نیست
 دل درون سید ام چوں عضو از جا رفتہ است

۸۳

دل تیرے دہن کو چومنے کا خیال رکھتا تھا
یہ سادہ لوح امر محال کی خواہش رکھتا تھا
ہم کسی کی بدگوئی سے رنجیدہ نہیں ہیں
اگر وہ نہیں مست کسی کو کب مجال تھی
تو نے دل کو کسی اپنے پیسے ہی کی راہ میں ہار دیا ہے
کل تیرے چہرے پر ملال کا غبار تھا
اے تو کہہ دیا غریباں سے پہنچا ہے
کچھ کہہ کہہ تیرا ہاں کس حال میں ہے

۸۴

دین اور دل طاقت ہو گئے میری جان لوٹ لی گئی
یار کی ایک نگاہ سے مجھ پر بہت سے قسم ٹوٹ گئے ہیں
تیرے خرام کو دیکھنے (کے بعد) سے شہر کے ساکنوں کے
سر سے ہوش، دل سے تاب، چہروں سے طاقت جا چکی ہے
اس سرمایہ جاں سے دور زندگی کا کوئی لطف نہیں ہے
جو کہ اس در سے چلا گیا ہے گویا کہ دنیا سے چلا گیا ہے
کسی نے شاید ہماری چشم کا پتہ اس بے اصل کو نہیں دیا
ابر پانی لانے کے لیے دریا کو کیا ہے
ہم نے اس قامت کی یاد میں سالوں کا کی ہے
تب اس انداز میں گریہ کے ہرنے ترقی کی ہے
محبت سے آسائش کی امید نہیں رکھنی چاہیے
یہ وہ بلا ہے کہ اس سے خواب لٹکا اڑ گیا تھا
ہم اور مجنوں مدتوں شہر میں ایک ساتھ رہتے تھے
کچھ دن ہوئے کہ وہ وحشی صحرا کو چلا گیا ہے
اس کے فراق میں اس کی جگہ درد کے سوا کچھ محسوس نہیں ہوتا
میرے سینے میں دل عضو از ہا رفت کی طرح ہے

ظاہر است از ناامیدی ہائے میر غرق ہوش
کہ ایں فقیر امروز اگر ایں جاست، فردا رفت است

۸۵

کم کم حزن برہم زوش تازہ بجائے ست
دزدیدہ نگہ کردن او طرفہ ہائے ست
آرائش تن ی کنم از غفلت اگر نہ
ہر لوح حزار آئینہ جامہ فہائے ست
مذکور غرابی دل من نہ توں کرو
ہر خشت از ایں منزل امید بہ جائے ست
کو لاکھ خوں ریزی تیغ تو نہ بدم
ہر کس کہ مرا دید چہیں گفت، سزائے ست
شانہ لطف تو اگر نیست نہ باشد
آزار دل میر برائے چہ گدائے ست

۸۶

عمرے کبھی اگر دشت کنم بسیار نیست
دامن صحرا بہ ایں وسعت گریباں دار نیست
دعدہ درد قیامت ہم بچے پھیلے باست
ذوق تا حاصل نہ گردد لذت دیدار نیست
ایں بجائے تازہ تر بنگر کہ از جوش مرا
صد شکایت در دل است و رخصت گفتار نیست
چوں بروں آورد سر از جیب خجالت روز شتر
ہر گما بر سینہ از وے زخم دامن دار نیست
تا کہا شد میر خاک افتادہ از کوئے تو آہ
خشت پالین است و او در سایہ دیوار نیست

خرقہ پوش میر کی ناامیدی سے ظاہر ہے
کہ یہ فقیر اگر آج یہاں ہے کل جا چکا ہوگا

۸۵

اس کا کم کم چمکانا ایک تازہ جفا ہے
اس کا کن آنکھوں سے دیکھنا طرفہ بلا ہے
بے خبری کی وجہ سے جسم کو سجاتا ہے درد
ہر لوح حزار ایک جامہ لہا آئینہ 'ا' ہے
میر سے دل کی ویرانی کا ذکر نہیں کر سکتے
اس منزل امید کی ہر اینٹ اپنی جگہ پر (قائم) ہے
گو میں حیرتی قلع کی غلوں ریزی کے لائق نہیں تھا
جس نے بھی مجھے دیکھا بھی کہا کہ مستحق ہے
اگر تیرے لطف کے قائل نہیں ہے، نہ ہو
میر کے دل کو ستانا کس لیے (وہ) ایک گدا ہے

۸۶

دنیا کا میدان اگر (میں) وحشت کروں (تو) زیادہ نہیں
صحرا کا دامن اتنی وسعت کے ہوتے (بھی) گریباں کی طرح نہیں
قیامت کے آنے کا وعدہ بھی ہماری جھٹیل کے لیے ہے
جب تک ذوق حاصل نہ ہو، ویلہ میں لذت نہیں ہے
یہ تازہ تر جفا کچھ کہ اس کے ظلم سے میر سے
دل میں سیکڑوں شکایتیں اور کہنے کی اجازت نہیں ہے
کس طرح شرمندگی کے گریبان سے روزِ حشر سر باہر نکالے گا
جس کے بھی سینے پر اس (کے ہاتھ) کا دھم دامن دار " نہیں ہے
آہ خاک افتادہ میر حیرے کو پتے سے کہاں چلا گیا
حشتِ بالیں (پڑی) ہے اور وہ دیوار کے سائے میں نہیں ہے

* ۱۱۰ آئینہ جس میں چراہِ بدن دکھائی دے سکے۔

* ۲ سہا ہوا دھم۔

۸۷

وقت آں کس خوش کہ گلزار جہاں را دید و رفت
 ہم چو گل بر بے ثباتی ہائے خود غنید و رفت
 یاد ایاتے کہ را ہم در حرم وصل بود
 ایں زماں می ہایم در کوئے او نالید و رفت
 داغ جان آں غیوم من کہ با صد آرزو
 جائے گل چین از ایں گلزار دامن چید و رفت
 ایں سلوک طالع بر گشت من سیر کن
 کز قریب منولم آں ماہ برگزید و رفت
 اے کہ را ہے می بری در بزم او از ما بگو
 بے کس، آرزوہ جائے، آستان بوسید و رفت
 ایں ادائے او فراموش نہ نخواہد گشت میر
 چوں سر زلفش گرفت، دست من چہید و رفت

۸۸

چہ وعدہ است نہ دہم دل کہ اختیار تو نیست
 وفاست رسم قدیے کہ در دیار تو نیست
 کدام دل کہ در لجام تو نہ دارد داغ
 کدام دیدہ کہ پرخوں پہ روزگار تو نیست
 ز آہ و نالہ زارت دلا نمی رنم
 کہ بے قراری و ایں ہا چہ اختیار تو نیست
 مگر خدنگ تو غریب کز صبرا را
 شکار نیست کہ مجروح بے شمار تو نیست
 بزار سرو پہ جنبش در ایں چمن دیدم
 یکے پہ دل کشی آہ بے قرار تو نیست
 بیا کہ رفتن جاں ہم قریب می تلم
 ز فرط شوق مرا تاب انتظار تو نیست

۸۷

اس کا وقت اچھا (گزارا) کہ گلزار جہاں کو دیکھا اور چلا گیا
 گل کی طرح اپنی بے ثباتی پر قہقہہ کیا اور چلا گیا
 ان دنوں کی یاد کہ میری راہ بھی حرم وصل میں تھی
 ان دنوں مجھے اس کے کوسے میں روٹا چڑھتا ہے اور (وہاں سے) چلا جاتا پڑتا ہے
 میں اس نصیرت مند کا داغ جان ہوں کہ سو آرزوؤں کے باوجود
 (اس نے) گل توڑنے کے بجائے اس گلزار سے دامن اٹھایا اور چلا گیا
 میری پھری ہوئی قسمت کا یہ سلوک دیکھ
 کہ میری منزل کے قریب سے وہ محبوب پھر گیا اور چلا گیا
 اے (تو) کہ اس کی بزم میں راہ رکھتا ہے میری طرف سے کہہ
 ایک ہے کس آرزوہ جاں نے آستیاں کو بوسہ دیا اور چلا گیا
 اس کی یہ ادا میرے سمجھ سے فراموش نہیں ہوگی
 جب میں نے اس کی زلف کو چھوا، (اس نے) میرا ہاتھ مروڑا اور چلا گیا

۸۸

حیرے دھند پر دل نہیں دیتا کہ حیرا اختیار نہیں ہے
 دلا ایک پرانی رسم ہے کہ حیرے دیار میں نہیں ہے
 کون سا دل ہے کہ جس پر حیرے دور میں داغ نہیں
 کون سی آنکھ ہے کہ حیرے زمانے میں پرغوں نہیں ہے
 تیری آہ و نالہ سے اے دل میں رنجیدہ نہیں ہوتا
 کہ تو بے قرار ہے اور یہ سب حیرے اختیار میں نہیں ہے
 مگر حیرے حیرے نے صحرا کو بھلتی کر دیا
 کوئی شکار (ایسا) نہیں ہے جو حیرا بہت زیادہ دشمن (کیا ہوا) نہیں
 اس چمن میں ہزار سرو کو جنبش کرتے دیکھا
 ایک بھی دلکشی میں حیرے بے قرار کی آہ کو نہیں پہنچتا ہے
 آ کہ جان کے جانے کو بھی قریب دیکھ رہا ہوں
 فرط شوق سے مجھے حیرے انکار کی تاب نہیں ہے

برو کہ بہر محبت بلا کشتے باید
تو باز پروری اے میر عشق کار تو نیست

۸۹

غرض آلودگی عطار ما نیست
برائے خویش بودن خوش نما نیست
چہ گویم آہ کز فرط مہیدن
چہ عضو رفتہ از جا دل چہ جا نیست
چہ رویت تا نگاہ گرم کردہ ست
میان ما و آئینہ صفا نیست
ز بس صرف جنون من شد اکنون
چہ گلشن چہ گل بہر دوا نیست
مسلم ایں کہ دارد محب با میر
کہ اللہ کہ چوں تو بے وفا نیست

۹۰

شیخنا ایں ہمہ سامان تو بے چیزے نیست
دست گاہے شدہ ای، شان تو بے چیزے نیست
شاید اے مرغِ چمن تو گلِ ما را دیدی
مصل نامہ و افغان تو بے چیزے نیست
تا بہ گوشت چہ سخن گفت کہیم اے گلِ تر
ہر سرگرم لبِ نندان تو بے چیزے نیست
غالباً از سر نو کشتہ گذشتی امروز
رنگِ خوں بر زہ دلمان تو بے چیزے نیست
میر از طور تو پیداست کہ سودا داری
ایں ہمہ حرف پریشان تو بے چیزے نیست

چلا جا کہ محبت کے لیے مصیبت جھیلے والا چاہیے ہے
تو ناز پرور ہے اے میر عشق حیرا کام نہیں ہے

۸۹

غرض کے ساتھ دنیاوی تعلقات ہمیں پسند نہیں ہیں
(صرف) اپنے لیے زندہ رہنا زیب نہیں دیتا ہے
کیا کہیں آہ کہ ترپنے کی زیادتی سے
اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے عضوی طرح دل ٹھکانے پر نہیں ہے
تیرے چہرے پر جب سے (اس نے) نگاہ تیر کی ہے
ہمارے اور آچپنے کے سچ مٹا نہیں ہے
ہمارے جنوں میں اتنی زیادہ صرف ہوئی (کہ) اب
گلشن میں چوب گل "دوا کے لیے" (بھی) نہیں ہے
یہ تسلیم ہے میر بہت سے عیب رکھتا ہے
خدا کا شکر ہے کہ حیرتی طرح بے وفا نہیں ہے

۹۰

اے شیخ حیرا سارا سادہ و سامان کسی کے بغیر نہیں ہے
تجھے دولت مل چکی ہے حیرتی شان کسی وجہ کے بغیر نہیں ہے
شاید اے سرخ جامن تو نے ہمارے گل کو دیکھا ہے
حیرا مسلسل نالہ و فغاں کسی وجہ کے بغیر نہیں ہے
تیرے کان میں نسیم نے کیا بات کہی ہے اے گل تر
ہر سحر کے وقت تیرے ہونٹوں پر فنی کسی وجہ کے بغیر نہیں ہے
غالباً آج پھر کسی کو قتل کر کے آیا ہے
تیرے دامن کے کنارے پر خون کا رنگ کسی سبب کے بغیر نہیں ہے
میر تیرے طور سے ظاہر ہے کہ تو جنوں رکھتا ہے
حیرتی یہ ساری پریشاں باتیں کسی وجہ کے بغیر نہیں ہیں

۱ سلائی۔ پاکیزگی۔ دہلی۔

۲ نگاہ کی شائع جس سے پاگل کر دیتے ہیں تو اس کا معنی کم ہو جاتا ہے۔

۹۱

جاں پہ لب آدھ در بھر و قنارے ہست
دل نہ ماندہ ست پہ چالیک در او جاے ہست
قامت او ز کیا آں قدر ہالا ز کیا
سرد خوش قطع در ایں باغچہ رعنائے ہست
عمر را بہر چہ دل تنگ بسر باید کرد
شہر اگر خوش نہ بود گوشہ سحرے ہست
غیش از ایں در ستم ایں گونہ دلیریش نہ بود
قدی را نگر از سوائے تو ایمائے ہست
چشم پر کل جواہر نہ دود چچ کہش
ہر کرا نہ نظر خاک جہ پائے ہست
تا کیا حال دل دار پہ ہر کس گویم
غرض از پہلوئے ایں غم زدہ اندازے ہست
آگہ از آمدن میر در ایں شہر نیم
ایں قدر ہست کہ در کوئے تو غوغائے ہست

۹۲

حالیہ زندگی من تنگست
چہ گویم چہ حالت تنگست
سخنی غم جائے جاں گردید
دل ز فرط سرفشگی تنگست
از غم رو نہ دادن خوباں
دل چہ آئینہ ام جہ ز تنگست
عیست بے لطف گرچہ فریاد
آب بالائے سک ہم رنجست
از غم و طعناش چہ ی پری
ہر زماں میر را پہ خود تنگست

۹۱

بہر میں جان لب پر آگئی اور ایک تھکا (باقی) ہے
 دل جگہ پر باقی نہیں ہے لیکن اس میں ایک جگہ (خالی) ہے
 اس کی قامت کہاں اور وہ لہو والا کہاں
 (اگرچہ) خوش قطع سرو (بھی) اس باغیچے میں خوش نما ہے
 کس لیے عمر کو ناخوش بسر کیا جائے
 شہر اگر اچھا نہیں ہے، گوشہ صحرا (موجود) ہے
 اس سے پہلے ستم میں اس کو اتنی زیادہ دلیری نہیں تھی
 دشمن کو مکر حیرتی طرف سے شملی ہے
 اس کی آنکھ موتی پڑے ہوئے سرمہ پر کبھی نہیں پڑی
 جس کو بھی (حیرے) قدموں کے نیچے کی خاک نظر ہے
 کب تک حال دل زار ہر ایک سے کہوں
 مختصر یہ کہ اس غم زدہ کے پہلو میں تکلیف ہے
 میرے اس شہر میں آنے سے آگاہ نہیں ہوں
 اتنا ہے کہ حیرے کوچے میں ٹوٹا ہے

۹۲

ان دنوں میری زندگی دولت و رسوائی ہے
 کیا کہیں حال پریشان ہے
 غم کی سختی بلائے ہاں ہو گئی
 دل رکاوٹوں کی افراط سے بھر (ہو گیا) ہے
 خوباں کے چہرہ نہ دکھانے سے
 دل بھی میرے آئینے کی طرح تیرنگ ہے
 گریہ و فریاد لطف سے خالی نہیں ہیں
 بھر کے اوپر پانی بھی ایک روئی (رکتا) ہے
 اس کے غم دھیسے کی کیا پوچھتا ہے
 بروقت میرے کو خود سے جنگ رہتی ہے

۹۳

بے گناہانہ دیار من برخواست
 پدہ از روعے کار من برخواست
 کس بہ کس نیست آشتا گوئی
 رسم صر از دیار من برخواست
 یک زمان او نشست و از ہر سو
 فتنہ در روزگار من برخواست
 غروم و چاہا را از عشق نہ رفت
 بعد عمرے خبار من برخواست
 خواریم نیست میر امر و زہ
 تحت است اعتبار من برخواست

۹۴

ای کہ گرد شہر در ہر جا مزارے ماندہ است
 مشت خاکے از عزیزاں یادگارے ماندہ است
 بے تو می مانم ہاں سے غوارہ کش پایان کار
 نشہ از سر رفتہ و رنج خوارے ماندہ است
 در نزاں می گشت بلبل با ہزاراں غم کہ آہ
 گل ز گشتن رفت و در دل زخم خارے ماندہ است
 گرد راہش سرکشید و در بیاں نحو شد
 یادگار او بہ چشم من طبارے ماندہ است
 اے بہ قربانت روم، بسا رہنمائی روی
 از حرام تو بہ ہر گاہے بہارے ماندہ است
 رفت آن ہنگامہ پردازئی افغان دلم
 ای زمان از ہستی من نالہ دارے ماندہ است
 لطف حسن او نہ ماند و عجبش و لطف بہ جا ست
 ای ہاں ماند کہ گنجے رفت و مارے ماندہ است

۹۳

میرا دیا رہے تجا باندھ چلا گیا
 میری تنہا کے چہرے سے پردہ اٹھ گیا
 کوئی کسی کا آشنا نہیں ہے، گویا
 محبت کی رسم میرے دیا سے اٹھ گئی
 ایک ساعت وہ بیضا اور ہر طرف سے
 میرے زندگی میں تختہ اٹھ کھڑا ہوا
 مر گیا اور عشق کے راز کا پاس نہ گیا
 ایک مدت کے بعد میرا ظہار اٹھا
 میری ذلت آج کی نہیں ہے
 ایک مدت ہو گئی ہے (کہ) میرا اعتبار اٹھ گیا ہے

۹۴

یہ کہ شہر کے گرد ہر جگہ مزار باقی رہ گئے ہیں
 عزیزوں سے محبت خاک یا دگار باقی رہ گئی ہے
 تیرے بغیر آفرکار میں اس سے خوار کی طرح ہو جاتا ہوں (جس کا)
 نقشہ سر سے اتر گیا ہو اور غبار کی کوفت باقی رہ گئی ہو
 خواں میں بلبل نے جزار غم کے ساتھ کہا کہ آہ
 گل گلشن سے چلا گیا اور دل میں غار کا دھم باقی رہ گیا ہے
 اس کی راہ کی گرد بلند ہوئی اور بیاباں میں غائب ہو گئی
 میری آنکھ میں اس کی نشانی ایک غبار باقی رہ گیا ہے
 اسے تجھ پر قرباں ہو جاؤں بہت دیکھیں چلتا ہے
 تیرے خرام سے ہر قدم پر بہار دہتی رہ گئی ہے
 میرے دل کی لٹاس کا وہ ہنگامہ اٹھا ختم ہو گیا
 ان دنوں میرے وجود میں (صرف) ایک فریادی باقی رہ گیا ہے
 اس کے حسن کا لطف نہیں رہا اور اس کی زلف کا بل باقی ہے
 یہ اس طرح ہے کہ غزانہ لٹ گیا اور سانپ باقی ہے

در حساب خاک ہم نحوشت چہاں دوں مرا
کار من موقوف بر روز شمارے مانده است
ابتدائے عشق را دیدم بہ چندیں رنگ میر
آخر آخر گریہ بے اختیارے مانده است

۹۵

من خود اسیر محشم و ہر دم حالت است
اے اشتیاق سیر گفتاں چہ حالت است
افراط شوق ہیں کہ زمانے ہزار بار
دل سوئے او روانہ بہ رسم رسالت است
یک رو ترا بہ باغ گل از دور دیدہ بود
از روئے دل کش تو ہنوزں خیالت است
خسرد ہیں کہ در سمر خارافکاف رفت
خوش باد عہد عشق کہ نیکر عدالت است
عما کمر بہ غروں خود میر بہت ای
در طبع نازک تو قیامت جہالت است

۹۶

کبریا یم ہمہ از جنت درویشاں است
شاہ اندازی من از نظر ایشان است
صحبہ ما و کھوروپہراں آہ میریں
تھو قیہ جگر زیں ستم اندیشاں است
گاہ گاہی نگہ لطف بہ عاشق ی کن
عاقبت میر چاکش ز وفاکیشاں است

۹۷

از داغ گل بہ سینہ من دستہ دستہ است
وز اکتب لالہوں مژہ ام غچہ بہتہ است

آسمان نے مجھے خاک کے حساب میں بھی نہیں لکھا
میرا کام روزِ شمار پر موقوف رہ گیا ہے
عشق کی ابتدا کو میر میں نے ایسے رنگ میں دیکھا تھا
آخر آخر گرہ ہے اختیار باقی رہ گیا ہے

۹۵

میں خود اسیر ہو گیا اور ہر دم تجھے غلام ہے
اے سیرِ گلستاں کے اشتیاق، (یہ) کیا حالت ہے
شوق کی افراط دیکھ کہ ہر وقت ہزار بار
دل اس کی طرف پیغام پہنچانے کی فرض سے روانہ ہے
ایک بار تجھے باغ میں گل نے دور سے دیکھا تھا
تیرے دکھ چہرے سے ابھی تک اس کو شرمساری ہے
خسرہ کو دیکھ کہ پتھر توڑنے والے کی لکڑی میں کیا
عہدِ عشق خوش رہے کہ یکسر انصاف ہے
جان بوجھ کر میر کے خوں پر کمر باندھی ہے
تیری طبعِ نازک میں قیامت کی نواوائی ہے

۹۶

ہماری تمام بڑائی درویشوں کی دعا (کی وجہ) سے ہے
ہمارا فخر ان کی نظری وجہ سے ہے
ہماری اور اچھے چہرے والے لڑکوں کی صحبت آہستہ پوچھ
جگر قہر کا تختہ ان ظالموں کی وجہ سے (بن گیا) ہے
کبھی کبھی اس کے حال پر نگاہِ لطف کر
آخر بلاکش میر وفا شعاروں میں سے ہے

۹۷

مہر سے دلِ رزم سے دستہ دستہ گل (بن گئے) ہیں
اور لالہ گوں اشک سے میری مژدہ خوں بستہ ہے

تنہا نیامده ست بہ شور از تو عندلیب
گل ہم بہ روزگار تو در خون نشسته است
یک چند میر را بہ زہاں عاشق خوش است
بے چارہ از جفا کے تو پر دل شکستہ است

۹۸

بے تو طوقان چشم تر ایں ہاست
کشتی چرخ در خطر ایں ہاست
دیدہ سوزاں تر است از اہم
کاسہ از آتش گرم تر ایں ہاست
لالہ و گل بہ باغ نخواہد بود
لختہ دل، پارہ جگر ایں ہاست
بے زحمت از فغان و نالہ میر
طرفہ ہنگامہ ہر سحر ایں ہاست

۹۹

خوشا کسے کہ چو برق از جہاں بخت و برفت
بہ یک سجدان از ایں دام کہ برست و برفت
بہ پارسہ گاہ جہاں رسم دیر ماندن نیست
کسے کہ آمدہ ایں جا، دست نشست و برفت
سراغ دل چو مہموم بہ سینہ شد معلوم
کہ آں غریب از ایں خانہ بار بست و برفت
تھم بود بہ یوسف کہ ماہ من آمد
مہم چہرہ و بازار او شکست و برفت
نصیب میر نہ شد چوں سجود حضرت او
جہیں ز غصہ بہ ناخن تمام غمت و برفت

حیرتی وجہ سے عندلیب تنہا ہی نالوں پر نہیں مجبور ہے
 گل بھی تیرے دور میں غلوں میں ڈوبا ہوا ہے
 اک ذرا میرے (محبت کا) اقرار کرنا اچھا رہے گا
 بے چارہ حیرتی جفا سے بہت دل شکستہ ہے

۹۸

تیرے بغیر چشمِ تر کا طوفان یہاں ہے
 چرخ کی کشتی خطرے میں اس جگہ ہے
 آنکھ میرے آنسوؤں سے زیادہ جلتی ہوئی ہے
 یہاں پیالہ شور پے سے زیادہ گرم ہے
 لالہ اور گل باغ میں ہوں گے
 لختِ دل، پارہ جگر یہاں ہے
 تجھے نہ دیکھنے کی وجہ سے میرے کال اور فحاش (کرنے) سے
 ہر سحر طرفہ ہنگامہ یہاں (بچا) ہے

۹۹

کیا کہنے اس کے جس نے دنیا سے برقی کی طرح جست کی اور چلا گیا
 ایک تڑپ سے اس دام گاہ سے چھوٹا اور چلا گیا
 دنیا کی پرسد گاہ میں دیر تک رکنے کی رسم نہیں ہے
 جو (بھی) یہاں آیا کچھ دیر بیٹھا اور چلا گیا
 جب (میں نے) سینے میں دل کا سراغ لگایا، معلوم ہوا
 کہ اس غریب نے اس گھر سے سامان باندھا تھا اور چلا گیا ہے
 یوسف کے گرد ہجوم تھا کہ میرا محبوب آیا
 چہرہ دکھایا اور اس کے بازار کوہِ جاڑا اور چلا گیا
 جب میرے کو اس کے قرب کا سجدہ نصیب نہیں ہوا
 نصے میں تمام پیشانی ناخن سے نوچی اور چلا گیا

۱۰۰

برابریں را بہ بزم ما ہا نیست
 عاشقی ہست ای تراشا نیست
 آہ از ایں خود نمائی چہاں
 ہمہ جائی و بچ پیدا نیست
 شیخ پرفاظمی ز مسکیناں
 چشم پوشیدی و مصلی نیست
 سخت مغرور حسن خود بختی
 ہیبت از مرگ خلق پردا نیست
 ما رضامند تا بہ مرگ خودیم
 کوچی در محبت از ما نیست
 گریہ در شہر دیدہ دیدہ کہنیم
 آخر آبادی است، صحرا نیست
 حرف با دارد از خط و خالش
 میر را از کجا کہ سودا نیست

۱۰۱

نزاکت لب یار را درخور است
 کہ صد پندہ از درد نازک تر است
 چہ شد مگر قہر چوں کماں شیخ راست
 کہ ای چہ کے سخت تیر آور است
 سرشکم بہ رنگ دگر می چکد
 جگر غالباً صرف چشم تر است
 بجز مرگ اے میر آرام نیست
 کہ دور از کسے زلیست درد سر است

۱۰۰

ہماری بزم میں بوالہوس کی جگہ نہیں ہے
 عاشقی ہے یہ تماشا نہیں ہے
 اس پوشیدہ نمود نہائی سے
 تو ہر جگہ ہے اور نظر نہیں آتا ہے
 شیخ (تو) منع بچوں سے بہت غافل ہے
 نگاہ چہ کی اور مصلحتی نہیں ہے
 اپنے حسن پر حلف مفرور ہے
 تجھے لوگوں کے جان سے جانے کی ڈرا بھی پروا نہیں ہے
 ہم اپنی موت تک پر بھی رضامند ہیں
 ہم سے محبت میں کوئی کوتاہی نہیں (ہوئی) ہے
 (ہم) شہر میں گرہ دیکھ دیکھ کرتے ہیں
 آخر آہاوی ہے صحرائیں ہے
 اس کے خط و خال کی ہزار باتیں کرتا ہے
 میر کو جنوں کیسے نہیں ہے

۱۰۱

خدا کٹ لپ یار کے لائق ہے
 کہ درد وہ سے صد پروا زیادہ نازک ہیں
 کیا ہوا کر شیخ کا قد کمان کی طرح ہے
 کہ یہ بوڑھا (تو) سخت منگوار ہے
 میرے آنسو دوسرے (بہی) رنگ سے لپک رہے ہیں
 غالباً جگر چشم تر میں صرف ہو گیا ہے
 موت کے سوا اے میر آرام نہیں ہے
 کہ کسی سے دور (ہو کر) زندگی درد سر ہے

۱۰۲

میر دنیا رو گذارے بیش نیست
آسمان گرد و غبارے بیش نیست
پایاں جاں کن، تن نہ دارد اعتبار
قالیب خاکی هزارے بیش نیست
بسط وہم است نقش زندگی
ورنہ آستی اعتبارے بیش نیست
در بر واعظ چه زانو می زنی
پوچھ گوے، ہرزہ کارے بیش نیست
غرق وہم خودی از بے تھی
ورنہ ایں دریا کنارے بیش نیست

۱۰۳

ریش و مندمل و بحر کن زور است
شانہ کاری شیخ مشہور است
بحث با مکران رویت نیست
ہر کرا چشم نیست، معذور است
کے پہ احوال کس پر دازد
آں ہمہ ناز سخت مغرور است
تا برابر پہ خاک رو نہ شوی
راو نزدیکی دوستی دور است
قدتے شد کہ داد جان و ہنوز
ہر طرف حال میر مذکور است

۱۰۴

آتش افشاں ناک من از رخ رخشان دوست
دور آہم پیچ دار از کاکل چچان دوست

۱۰۲

میر و نیازہ گزار سے زیادہ نہیں ہے
 آساں گرد اور غبار سے زیادہ نہیں ہے
 جان کا پاس کر، تن اعتبار نہیں رکھتا
 خاک کی قالب مزار سے زیادہ نہیں ہے
 زمہ کی کاقتش وہم کا ہاندھا ہوا ہے
 درندہ ہستی اعتبار سے زیادہ نہیں ہے
 واعظ کے سامنے کیوں نرا نوٹیکتا ہے
 (وہ) ایک پوچھ گچھ بے ہودہ کام کرنے والے سے بڑھ کر نہیں ہے
 کم ظرفی سے خودی کے وہم میں غرق ہے
 درندہ یہ سمندر کنارے سے زیادہ نہیں ہے

۱۰۳

وازمی اور گچڑی اور لہاؤں زوردار ہے
 شمع کی ریاکاری مشہور ہے
 تیرے چہرے کے منکروں سے بحث نہیں ہے
 جس کے پاس بھی آنکھ نہیں ہے، معذور ہے
 کسی کے احوال پر کب متوجہ ہوتا ہے
 وہ ہمہ ناز سخت مغرور ہے
 جب تک خاک راہ کے برابر نہ ہو جا
 دوستی کی نزدیک راہ، دور ہے
 مدت ہوئی کہ جان دی تھی مگر اب تک
 ہر طرف میر کا حال بیان ہوتا ہے

۱۰۴

اس کے روشن چہرے کی وجہ سے میرا تالہ آگ پر سا رہا ہے
 میری آہ کا دھواں اس کی بل کھائی ہوئی زلف کی وجہ سے بچھا رہا ہے

قیس را با چشمِ کم زہار در صحرا میں
 شہرہا برہم زنے چوں نالہ در فرمانِ دوست
 اہی کہ می آفتد بہ وقتِ نوح ہر سو چشمِ میر
 خواہش دیدارِ معشوقے کمر با جانِ دوست

۱۰۵

آں جفاکش چوں کہاں برداشت
 طائرِ سدرہ دل ز جاں برداشت
 سستی مہم گل چو ثابت شد
 بلبل از باغِ آشیان برداشت
 نالہ دلِ غراش میر آخر
 خواب از چشمِ دوستان برداشت

۱۰۶

نالہ است و غم است و چشمِ تر است
 کشورِ عاشقی چہ غوشِ سر است
 در غرایب صرف کن اوقات
 کہ بہ ہر گوشہ عالم دگر است
 رنگِ آں چشمِ را ہی خوانند
 می نہ دانند کاندہ اہی نظر است
 دل بچسپاں بہ صندلی رنگے
 زندگی بے علاقہ درد سر است
 گر یہ بے صرف میر نتوان کرد
 عاقبتِ اہک پارہ جگر است

۱۰۷

دھنِ حسن تو از محالات است
 لطم و نثر اہی ہمہ غیالات است

قیس کو کبھی صرا میں چشم کم سے مت دیکھو
شہروں کو برہم کر دینے والا نالہ اس کا زیہ فرمان ہے
یہ کیا کہ وقتِ نزاع میر کی آنکھ ہر طرف پڑ رہی ہے
معشوق کے دیدار کی خواہش ضرور اس کی جان کے ساتھ ہے

۱۰۵

اس جفا پیشہ نے جب کمان اٹھائی
طاؤزِ سدرہ نے دل کو جان سے اٹھالیا
مہر گل کی بے ثباتی جب ثابت ہوئی
بلبل نے بارغ سے آشیاں اٹھالیا
میر کے دل غراشِ نالے نے آخر
دوستوں کی آنکھ سے خواب اڑا دیا

۱۰۶

نالہ ہے غم ہے اور چشمِ تر ہے
عاشقی کی مملکت کتنی خوشِ بحر ہے
وقت کو شراب خانے میں صرف کر
کہ (اس کے) ہر گوشے میں ایک دوسرا (ہی) عالم ہے
اس چشم کو سب زخمیں کہتے ہیں
نہیں جانتے کہ اس میں (ان کا) محلِ نظر ہے
دل کا صندلی رنگ (کے محبوب) کے ساتھ میل بنا
زندگی (کسی سے) تعلق کے بغیر دردِ سر ہے
میر بے وجہ گر یہ نہیں کرنا چاہیے
آخر اٹک جگر کا ٹکڑا ہے

۱۰۷

تیرے حسن کی تعریف کرنا محالات میں سے ہے
لنم و نثر یہ سب تحفیات ہیں

کارِ واعظ فقط نہ ترخانی است
 ای لہر مجمع کالات است
 بے تو باغ و بہار و گل چچ است
 کے ہے ایں با مرا مہلات است
 زرد رخسار و گرہ ناک و زور
 میر را در فراق حالات است

۱۰۸

نے فقط کوکن از عشق پہ تنگ آمدہ است
 پائے بسیار وقایع پہ تنگ آمدہ است
 ہے جہاں آمدنِ مست گلشنِ ز جہاں
 ہر کہ پیدا شدہ در کام تنگ آمدہ است
 بارے یک گونہ از ایں دیدہ خونخوار نشان
 بر زب زرد من خم زرد رنگ آمدہ است
 می تراود ہمہ کیں از روشِ رفتار
 غالباً یار من امروز پہ تنگ آمدہ است
 جاں دہم لیک ز دیش نہ دہم تا مقدر
 کہ مرا دامنِ او دیر پہ تنگ آمدہ است
 آں چہ از مردم چشم تو دلم دیدہ و رفت
 کے چہیں جور ز کفار فرنگ آمدہ است
 لڑائی چند مگر زائرِ خاکِ میر اند
 کہ ہے گوشم ہمہ شب شورِ شنگ آمدہ است

۱۰۹

تا ہے دامنِ پاکشیدم الی و دے بر نہ خامت
 محوں دے، مڑگاں ترے، رخسارِ زردے بر نہ خامت

واعظ کا کام صرف مسخرہ پن نہیں ہے
یہ ملکہ جامع کمالات ہے
خیرے الطیر ہنس اور بہار اور گل کچھ نہیں ہیں
مجھے کب ان سب کی پیدا ہے
زرد و خضار اور گرہ تاک اور خار
میر کو فراق میں حالات ہیں

۱۰۸

صرف کو کہن ہی نہیں عشق سے نکل آیا ہوا ہے
بہت سے وفا پیشہ (عاشقوں) کے ہر پتھر کے نیچے آئے ہوئے ہیں
حیرا دنیا میں آنا دنیا سے گزرتا ہے
جو بھی پیدا ہوا ہے کام لنگ میں آیا ہوا ہے
ہارے اس خوں کے آنسو بہانے والی آنکھوں سے ایک گونہ
میرے زرد چہرے پر رنگ آ گیا ہے
اس کی رفتار کی روش سے تمام کینہ چلتا ہے
فالما آج میرا یاد جنگ پر آباد ہے
جان دے دوں مگر اپنے ہاتھ سے نامقدور جانے دوں
کس کا دامن (بہت) دیر کے بعد میرے ہاتھ آیا ہے
جو کچھ جبری آنکھ کی پتلی کی وجہ سے میرے دل نے دیکھا اور (مجھ پر) گزری
کس پر ایسا ظلم کفار و تک سے ادا کیا گیا ہے
چند قلندر مگر میر کی قبر کی زیارت کرتے ہیں
کہ میرے کان میں ساری رات اچھل کود کا شور آتا ہے

۱۰۹

یہاں تک کہ میں نے (مایوس ہو کر) جستجو ترک کر دی (کہ) کوئی اہل درد نہیں اٹھا
کوئی دل خوں، مڑگاں تر، رخصت زرد نہیں پیدا ہوا

نے مراقب کشتے نے آتشی افشا نے
 قہر شد زیں رباط کہنہ مردے بر نہ خاست
 آگہ از ویرانی کاشانہ دل کس نہ شد
 آہ آلودہ این جنیں قصرے و گردے بر نہ خاست
 ہر زماں در آتش و آبم ولے گاہے ز دل
 نالہ کرے نیلہ، آہ سردے بر نہ خاست
 میر تا از پا نشستم رونق وادی نہ ماند
 باز چو من خوش جنوں سحرانوردے بر نہ خاست

۱۱۰

از دل گم کہ تیر بلا را نشانہ است
 در سینہ ام پیرں کہ زہورخانہ است
 دل می کھد بہ نالہ مرغ چمن بے
 این مشت ہال و پر چہ قدر خوش ترانہ است
 چندیں ہزار چوں تو تلف کرو روزگار
 غافل ز طور این نہ شوی، این زمانہ است
 آہ مرا ہیں و ہر پے بہ سوز دل
 در سینہ آتشیست کہ اینش رہانہ است
 تا کے کے ز دین کہن قصہ بشنود
 اقوال شیخ کوش کمن، ہرزہ چانہ است
 پیدا است کز برائے چہ این جا نشستہ امی
 اگہار ضعف میر بہ کوش بہانہ است

۱۱۱

طرز چہا کردی مجنوں بہ دل چسبیدنیست
 این قدموئے بیابان محبت دیدنیست

ضامید رکھنے والا، نہ دست بردار ہو جانے والا
 مدت ہو گئی اس پرانی سرائے سے کوئی مرد نہیں اٹھا
 دل کے کاٹنے کی ویرانی سے کوئی آگاہ نہیں ہوا
 افسوس کہ اس طرح کا قہر گر گیا اور کوئی غبار نہیں اٹھا
 ہر وقت آتش اور آب میں ہوں مگر کبھی دل سے
 نالہ گرم نہیں نکلا، آ و سر نہیں نکلی
 میر جب سے میں تھک کر بیٹھ گیا ادوی کی روئی باقی نہیں رہی
 دوبارہ مجھ سا خوش جنوں صحرانورد نہیں اٹھا

۱۱۰

دل کی مت کہہ کہ تیرا جلا کا نشانہ ہے
 اور میرے سینے کی مت بچہ کہ زہور خانہ ہے
 دل اکڑ مرغا چمن کے نالے کی طرف کھینچ جاتا ہے
 یہ مشت بال دپر کیا اچھا گانے والا ہے
 تیری طرح کے ہزاروں روزگار نے تھک کر دیے
 اس کے طور سے غافل مت رہو یہ زمانہ ہے
 میری آہ کو دیکھ اور سوز دل کو سمجھ لے
 سینے میں آگ ہے جس کا یہ شعلہ ہے
 کب تک کوئی پرانے دین کا قصہ سنا رہے
 فیح کے اقوال کو مت سن، فضول کو ہے
 ظاہر ہے کہ (تو) کس لیے اس تک بیٹھا ہے
 (تیرا) ضعف کا اظہار میر اس کے کوہے (میں ضمیر نے کا) بہانہ ہے

۱۱۱

جنوں کے بچا بھگنے کا انداز دل میں کب جانے والا ہے
 بیابان کا یہ خمد سو دیکھنے کے لائق ہے

۱۔ کھڑوں کا چلتا ہو سرائوں سے بھرا ہوتا ہے۔

۲۔ شعر سے بالوں والا۔

ہست چاہت سستی بنیاد قصر آسمان
یعنی ایں طاق مقرض میر درگردینی ست

۱۱۲

دل برائے تو جیتوئے داشت
جملہ خوں بد و آرزوئے داشت
طرز گفتار میر را دیدم
پیداخانہ گفتگوئے داشت

۱۱۳

از آہ و نالہ شب ہمہ شب تازہ آفتابست
ہر روز بر سر دل من طرفہ صحبتست
شور جوئم اے کہ در اول شنیدہ ای
اکوں ہیں سکوت مرا کایں نہایتست

۱۱۴

ظلمے بر اہل حدسہ زان یک نگاہ رفت
صوفی ز پا درآمد و خلا ز راہ رفت
یوسف نہ یک ز عشق بہ سر نقشہ اش دوید
خلع بہ ریسائی محبت بہ چاہ رفت

۱۱۵

دور از او جان مرا عہد سفر نزدیک است
و ز تپش پارہ شدن ہائے جگر نزدیک است
با خیر از روش اہل چمن باید بود
رفتہ رنگ گل و یاد سحر نزدیک است

۱۱۶

نالہ ام از کوسار و اشکم از ہاموں گذشت
حیف بر فرہاد رفت و حکم بر مہنوں گذشت

قصر آسمان کی بنیاد کی کمزوری ثابت ہے
یعنی یہ بنائے عالی کا نکل میر ویران ہونے والا ہے

۱۱۲

دل حیرے لیے جستجو کرتا تھا
تمام خوں ہو چکا تھا اور آرزو رکھتا تھا
میر کی باتوں کے انداز کو دیکھا
بے دماغانہ گنگھو کرتا تھا

۱۱۳

آدہ نالہ سے شب ہر شب تازہ آفت ہے
ہر روز میرے دل میں طرفہ صحبت ہے
اے کہ (تو نے) شروع میں میرے خوں کے شور کو سنا ہے
اب میرے سکوت کو دیکھ کہ یہ انجام ہے

۱۱۴

اس ایک نگاہ سے اہل مدرسہ پر ظلم ہو گیا
صوفی لڑکھڑا گیا اور ظاہر راہ سے بھٹک گیا
قطب یوسفی کے سر پر تختہ برپا نہیں ہوا
(بلکہ) ایک دنیا محبت کی وجہ سے مصیبت میں پڑی (ہے)

۱۱۵

اس سے دور ہو کر میری جان کو عہد سفر نزدیک ہے
اور تجش سے جگر کا نکلے نکلے ہو جانا نزدیک ہے
اہل جہنم کی روش سے باخبر رہنا چاہیے
رنگ بگل اور باد بھر کا جانا نزدیک ہے

۱۱۶

میرا نالہ کو ہمارے اور میرا اشک دنیا باں سے گزرا
فرہاد پر ستم ہوا اور مجنوں پر ظلم ہوا

ہر کہ شد غرقِ ہوس یا ما شہیدانش صبح
کز سرش بگذشت آب و از سر ما نغس گذشت

۱۱۷

چشمِ در آئینہ اش ہر دم پہ گیسوئے خود است
آں پری رو غالباً زنجیری سوئے خود است
کاش یک رہ بگذرد از طرفِ گلشن بے نقاب
لالہ و گل ما غرورِ غولپی روئے خود است

۱۱۸

حتم ز قریط غم و درد زرد و لاغر گشت
و یکن عشق کعبِ خاکِ من ہمہ در گشت
شدی چو در کتب ما پہ طاقِ لیاں نہ
حصول نیست ز تحصیلِ چوں ورقِ برگشت

۱۱۹

دوستان یارِ سرِ نقشِ پائے دل شدہ ست
شانہ خالی می کنم چندی کہ پر مشکل شدہ ست
چچ در ضلیم نہ شدہ از کوششِ بسیار میر
آخر از اکتبِ دمام راہ کوششِ گل شدہ ست

۱۲۰

وقتِ ریل آہ پہ خوابِ گراں گذشت
تا چشمِ دا کنم ز نظرِ کارواں گذشت
رفتم قرارِ مرگ پہ خود دادہ از دست
یعنی کہ بے تو از سرِ جاں می توان گذشت

۱۲۱

در نقشِ پائے یار چہ دستِ کشادہ است
نقاش اگر سرے نہ کشد سخت سادہ است

جو کہ ہوس میں فرق ہوا اس کا ہم (جیسے) اس کے شہیدوں کے ساتھ موازنہ نہ کر
کہ اس کے سر سے پانی گزرا اور ہمارے سر سے خون گزرا

۱۱۷

اس کی آنکھ اپنے آنکھنے میں ہر وقت اپنی زلفوں پر ہے
وہ پری رو غالباً اپنے بالوں کا زنجیری ہے
کاش (وہ) ایک ہار گلشن کی طرف بے نقاب گزرے
لالہ اور گل کو اپنے چہرے کے شبنم پر فروز ہے

۱۱۸

میرا بدن غم اور درد کی افراط سے لاغر ہو گیا
عشق کی سعادت سے میری کف خاک تمام سونا ہو گئی
جب یوزحہا ہو گیا کتابوں کو طاق نسیاں پر رکھ دے
علم حاصل کرنے کا فائدہ نہیں جب ورق الٹ گیا

۱۱۹

دوستو! اس کی زلف کی یادوں کے لیے ہلا ہو گئی ہے
کچھ دنوں کے لیے (اس سے) سبک دوش ہوتا ہوں کہ (اب) بے حد مشکل ہو گئی ہے
خود کو مضہکہ کرنے کی بہت زیادہ کوشش سے حیر مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا
آخردم دم رونے کی وجہ سے اس کے کوچے کا راستہ بکھڑا (سے بھر گیا) ہے

۱۲۰

انہوس کہ چلنے کا وقت خواب گراں میں گزر گیا
جب تک میں آنکھ کھول کر رواں نظر سے دور ہو گیا
میں تیرے دروازے پر سے اپنی موت کا عہد کر کے چلا گیا
یعنی کہ تیرے بغیر جان سے گزر جانا چاہیے

۱۲۱

یار کے پیروں کے نقش (بنانے) میں کیا مہارت رکھتا ہے
نقاش اگر سرواں پاتا کرے، سخت بے ہنر ہے

۱۴۲

تصویر گردن تو بلا حیرت اقتضاست
گردن کشی مصود اگر می کند بہاست

۱۴۳

نقاش نقش زلف گرہ گیر ساعتہ ست
دیوانہ میر بود کہ زلفہر ساعتہ ست

۱۴۴

نقاش نہ آسان رہی دلدار کشیدہ ست
یک ماہ بہر کردہ کہ رخسار کشیدہ ست

۱۴۵

سخت ہے پاک و بلا عشق گزینے بودہ ست
دل کہ غول گشتہ عجب آفت دینے بودہ ست
نکلیے اوست بہ دروازہ سے خانہ بنوز
میر درویشی طراوت نھینے بودہ ست

۱۴۶

دہ چمن از روئے خوب او ستم بر گل گذشت
و ز سر زلفش قیامت بر سر سنبل گذشت
سال ہا شد کز قفس آزرده جانے بر نہ خاست
نالہ وقت سحر قہر است تا بلبل گذشت

۱۴۷

می گفت میر گریہ کنایا چوں ز ہم گذشت
کہ این پنج روزہ عمر بہ صد درد و غم گذشت
خواہید دید حالت کاغذ بہ چہم خویش
مگر سرگذشت من بہ زبان قلم گذشت

۱۲۲

خیری گردن کی تصویر نہایت خیرت کا تقاضا کرتی ہے
مصور اگر گردن کشی کرتا ہے، بجا ہے

۱۲۳

نقاش نے تل کھائی ہوئی دلفوں کا نقش بنایا ہے
دیوانہ تھا میر کہ زنجیر بنائی ہے

۱۲۴

نقاش نے ربخ دلدار آسانی سے نہیں کھینچا ہے
ایک ماہ بسر کیا ہے تب رخسار (کا نقش) کھینچا ہے

۱۲۵

عشق اختیار کرنے والا بہت بے پاک اور بلائش ہوتا ہے
دل (جو) کہ خون ہو چکا ہے غمب آفت دیں رہا ہے
اس کا تکیہ شراب خانے کے دروازے پر ابھی تک ہے
میر شراب خانے میں پڑے رہنے والا درویش ہے

۱۲۶

چمن میں اس کے خوبصورت چہرے سے گل پر سقم ٹوٹ پڑا
اور اس کی زلف سے سنبل کے سر پر قیامت گزر گئی
برسوں ہو گئے کہ قفس سے کوئی آ زدہ جان نہیں نکلا
سحر کے وقت کا نالہ قبر ہے جب سے کہ بلبل مر گیا

۱۲۷

مرے وقت میر رد کر کہہ رہا تھا
کہ یہ پنج روزہ عمر سیکڑوں درد اور غم میں گزر گئی
چاہیے تھا کہ اپنی آنکھ سے کاغذ کی حالت دیکھیں
اگر میری سرگزشت قلم کی زبان (کی حد) سے گزر گئی

۱۲۸

مقصود از طوف حرم کے حاصل است
کعبہ از راہیں کفایتیں منزل است
خوش تر است از جاں پہ آسانی رود
ہے تو آنکوں زندگانی مشکل است
شور و سر چرخ را از تہتے ست
آہاں چہر است لیکن جاہل است

۱۲۹

اوراک خوبی تو ز ابصار مشکل است
پرداختن دل از غم دیدار مشکل است
ما را کہ چوں غبار فطیم جزو خاک
برخاستن ز کوئے تو بسیار مشکل است
خو کردیم پہ ہجر تو ہے مصلحت نہ بود
بدداشتن دل از تو پہ یکبار مشکل است
ہر لکھام ز جا دل بے تاب ی رود
گا ہے کلیپ اگر نہ کند کار مشکل است

۱۳۰

ستم ز سادہ دلی ہائے من پہ جان من است
وقا ز ہم چہ تو ہے میر و گمان من است
رسیدہ ام ز رو دور و تاجر عظیم
منازع درد و الم بار کاروان من است
شود زیادہ اگر دھخم پہ دشت برید
غزال وادی بھتوں مزاج دان من است

۱۳۱

سنے کہ ہے تو دہر دست، ناچشیدہ پہ است
دماغ رقیق مجبور نارسیدہ پہ است

۱۴۸

طوبہ حرم سے مقصد کسے حاصل (ہوا) ہے
کعبہ اس کی راہ میں پہلی منزل ہے
اچھا ہے اگر جان آسانی سے چلی جائے
حیرے بغیر اب زندگی مشکل ہے
قدت سے آسمان کے سر میں جنوں ہے
آسمان جبر ہے لیکن نادان ہے

۱۴۹

نظروں سے حیری خوبصورتی کا اور اک کرنا مشکل ہے
دل کو فہم دینا ار سے جلا دینا مشکل ہے
ہمیں (جو) کہنا تو اس نبار کی طرح خاک کا جزو ہیں
حیرے کو سچے سے اٹھانا بہت مشکل ہے
میرا حیرنی بھر کی عادت ڈالنا مصیبت کے بغیر نہیں تھا
تجھ سے اچانک دل اٹھا لینا مشکل ہے
بر لحظہ میرا بے تاب دل ہاتھوں سے اٹھا جاتا ہے
اگر میر کسی وقت کام نہ آئے تو مشکل ہے

۱۳۰

میری سادہ دلی سے میری جان پر قسم ہے
حیرے جیسے ہے مہر سے وفا (کی امید) میرے گمان میں ہے
درد کے راستے سے پہنچا ہوں اور عشق کا تاجر ہوں
درد اور الم کی متاع میرے کاروان میں ہے -
اگر میری وحشت بڑھ جائے (مجھے) وحشت میں لے جائیں
واہی بھنوں کا ہرن میرے حال اور میری طبیعت سے آشنا ہے

۱۳۱

حیرے بغیر جو شراب میسر آتی ہے، (اس کا) نہ پکھنا بہتر ہے
بھر کے مارے کے سر میں نشہ نہ چڑھنا بہتر ہے

مہار چشم چرائی کند کسے پہ فطرت
 بہ گرد روئے تو ایں سبزہ نادمیدہ بہ است
 رو حدیث بدہ ورنہ رنجہ خواہی شد
 فساد من غم دیدہ ناشنیدہ بہ است

۱۳۲

میر آں کہ چشم شوق بہ اردئے یار داشت
 ہر دم جگر نگار پہ شمشیر کار داشت
 گر قدر گرد راو تو شناخت بد میر
 معذور بود ضلع کہ چشمش غبار داشت
 ہر ذرہ خاک باد یہ سر می زد بہ سنگ
 بخون چو من مگر دلک بے قرار داشت

۱۳۳

دیر در خوں ریزی من اے سپاہی پیشہ جیست
 بازخواہ خوں نہ دارم ایں ہمہ اندیشہ جیست

۱۳۴

شب چشمک ستارہ حریفان، اشارہ اے ست
 یعنی در ایں رواق عجب ماہ پارہ اے ست

۱۳۵

ایں گلہ ابر کہ گریاں پہ کلب خاک من است
 تربیت یافتہ دیدہ غم ناک من است

۱۳۶

بعد مرگم از نفس چون من اسیرے بر نہ خاست
 دل بہ درد آور لقاں از ہم صغیرے بر نہ خاست

کھیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تیرے عطا پر آنکھیں سینکے
تیرے چہرے کے گرد اس ہیزے کا نہ اگنا بہتر ہے
بات کرنے کا موقع مت دے ورنہ تجھے افسوس ہوگا
مجھ تم زدہ کا فسانہ نا شنیدہ بہتر ہے

۱۳۲

میرہ جس کی ابرو نے یار پر چشم شوق تھی
اس زخمی جگر کو ہر دم شمشیر ہی سے سا بھر رہا
اگر میری راہ کی گرد کی قدر نہیں پہچانی، براست مان
شیخ معذور تھا کہ اس کی آنکھوں میں غبار تھا
بیاباں کی خاک کا ہر ذرہ پتھر سے سر مار رہا ہے
بھٹوں (بھی) ضرور میری طرح بے قرار دل رکھتا تھا

۱۳۳

اے سپاہی پیشہ میرا خون بہانے میں کیا دیر ہے
میں اپنا خون بہا طلب کرنے والا نہیں رکھتا، اتنی تشویش کیوں

۱۳۴

دوستوارات کو ستاروں کی چٹنگ ایک اشارہ ہے
یعنی اس ایمان میں ایک جھب ماہ پارہ ہے

۱۳۵

یہ بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا (جو) کہ میری کفِ خاک پر رو رہا ہے
میری آنسو بھری آنکھوں کا تربیت یافتہ ہے

۱۳۶

میرے مرنے کے بعد قفس سے مجھ جیسا امیر نہیں نکلا
کسی مصغیر^۱ (کے گلے) سے دل میں درد پیدا کرو اپنے دلی فغان نہیں نکلی

۱۳۷

بر هر غزل من اجتماع است
 در مجلس صوفیاں سماع است
 ناچار چہ مرگ دل نہادم
 اے جانِ ہمیں بردہ وداع است
 خواباں ہرگز نمی خردش
 پا آں کہ وفا عجب متاع است
 دامن مفساں نہ خاکساراں
 خوبی و تقدس اختراع است
 تا کے شتوم غم دلت میر
 اکنوں خاموش کن صداع است

۱۳۸

باز دل بر سر کوئے تو ز پا افتادہ است
 آہ از این تختہ بھراں کہ بجا افتادہ است

۱۳۹

چہ دستِ حتم کیش من ہر زمان است
 نہ دانم چہ در سرنوشت کماں است

۱۴۰

مباحث از خویش غافل گر تمیز است
 کہ جاں اے میرِ مہمان عزیز است

۱۴۱

ہر یک ز آہ و اٹک پئے جان عاشق است
 آب و ہوائے شہر وفا ناموافق است

۱۳۷

میری ہر غزل پر اجتماع ہے
صوفیوں کی مجلس میں سماج ہے
ناچا موت پر دل کو ضمیر آیا
اے ادا اس جاں چلی جا، ودا ہے
خوبصورت لوگ ہرگز اس کو نہیں خریدتے
اس کے باوجود کہ وفا عجب متاع ہے
خاکساروں سے دامن نہ جھٹک
خوبی اور پاکیزگی (محض) اختراع ہے
کب تک حیرا طم دل سنوں، میر
اب خاموش رہ، صداع! ہے

۱۳۸

تیرے کوپے میں دل پھر سے لٹکتا گیا ہے
آہ یہ بھر کا مارا ٹھیک جگہ پر آگرا

۱۳۹

ہر وقت میرے تسم پیشہ کے ہاتھ میں ہے
نہیں جانتا کہ کس کی سرنوشت میں کیا ہے

۱۴۰

اپنے سے خافض مت ہوا گر شعور ہے
کہ جان اے میر مہمان عزیز ہے

۱۴۱

آہ اور اشک میں سے ہر ایک عاشق کی جان کا درپے ہے
شہر وفا کی آب و ہوا تا موافق ہے

۱۳۲

اگر چه دست مرا با سرم سردگار است
دے بہ حشر ہمیں دست و دامن یار است

۱۳۳

بر سر ما بہ دم خزع رسیدی بہ عبث
ما کہا ایم، تو تصدیع کشیدی بہ عبث
حاصلے بود، ہمیں بود کہ پامال شدی
در دو حادثہ چوں سبزہ رسیدی بہ عبث

۱۳۴

ناساز بود عارضہ عشق با طالع
مردم بہ یاد عارض غوب تو لا طالع

۱۳۵

اسپ و فیل و علم و شوکت و شاں آخر بچ
گشتہ بالقرض از آن تو جہاں آخر بچ
منعم اے خانہ غراب این ہمہ شوقی تعمیر
سال با ساختہ ای جا و مکان آخر بچ

۱۳۶

قدر جنس وفا نہ دارد شرح
دل بہ مظلومان شہر دادم طرح

۱۳۷

ہست بر ریش و فتنہ حادہ شیخ
شانہ کاری ست روزگار شیخ
رفت در وجہ پاوہ سخاوہ
روئی خوش گرفت کار شیخ

۱۳۲

اگرچہ میرے ہاتھ کو میرے سر سے سردکار ہے
لیکن حشر میں یہی ہاتھ ہے اور دامنِ یار ہے

۱۳۳

میرے سر ہانے دم نزع میں مٹ پہنچا
ہم کہاں ہیں تو نے مٹ تکلیف اٹھائی
زندگی کا حاصل اگر تھا (تو) بھی تھا کہ تو پا مال ہو جائے
(تو) زمانے کی گردش کی راہ میں سبزے کی طرح مٹ اگا

۱۳۴

علاج سے عشق کا عارضہ موافقت نہیں رکھتا تھا
تیرے غوا بصورت گالوں کی یاد میں لا علاج مر گیا

۱۳۵

ہاتھی اور گھوڑے، علم اور شوکت اور شان آفر کار کچھ نہیں
تو ان سے بالفرض گزر بھی گیا (تو بھی) جہاں کچھ بھی نہیں ہے
اے خاند خراب دولت مند اس قدر تعمیر کا شوق
سالمہا تو نے جگہ بنائی اور مکان آفر کار کچھ بھی نہیں

۱۳۶

ولہا کی جنس مول نہیں رکھتی تھی
میں نے دل مطلقانِ شیر کو مفت دے دیا

۱۳۷

داڑھی اور رخسارے پر شیخ کا دار و مدار ہے
ریا کاری شیخ کی زندگی ہے
حجاز و شراب کی وجہ سے چلا گیا
شیخ کے ہجر میں خوب ترشی ہوئی

۱۳۸

بہاراں رنگ دارد شاخ در شاخ
گل تری زہد چشک ز ہر شاخ
نہ دارد ہر کہ فکرِ برگِ عشرت
بر آرد از خدامت چوں شجر شاخ

۱۳۹

دوش ہے روئے تو از غم کار بر دل تلک بود
شورش فریاد من فرسنگ در فرسنگ بود
با رینگ زدم سرخس سرخ رینگے داشتست
نیش از این اے ہم نھیں بر چہرہ من رنگ بود
بے تامل از نہالان ہمین بگذشتہ ای
دندہ در ہر سایہ اے برگے تو نیرنگ بود
خوب شد بھٹوں پہ صحرا رفت و ہانش عو شد
در محبت چشکوں آں ناخلف ہے تک بود
کردہ ام عمرے پہ کوئے عشق خواب راختہ
بستر من خاک بود و ہانش من سنگ بود
سید صافی روشناس خوب و زشتہ کردہ است
یاد آں عہدے کہ این آئینہ زیر رنگ بود
غالبا آویزشے با غیر کرد و کشیدہ شد
دیدہ بودم میر را شب، مستعد جنگ بود

۱۵۰

سرہ پیش سرہ از آں قامت روایت می کند
گل پہ گل از خوبی رویش حکایت می کند
مصلحت جز بہتنب لب نیست اکثوں درہ من
نالہ اے دارم کہ در دل ہا سرایت می کند

۱۳۸

بہار نے شاخ در شاخ رنگ نکھیرے ہیں
گل تر ہر شاخ پر سے اشارہ کر رہا ہے
جو بھی برگِ عشرت کی لکڑیوں رکھتا
شرمندگی اٹھاتا ہے

۱۳۹

گل تیرے چہرے کے بغیر غم سے دل کا حال خراب تھا
میری فریاد کا شور و فرسنگ در فرسنگ تھا
میرے زرد چہرے سے سرخ آنسو ایک رہا رکھتا ہے
اس سے پہلے اسے ہم نہیں میرے چہرے پر رنگ تھا
نوجوان کے تازہ پودوں کو دیکھے بغیر گزر گیا ہے
ورنہ ہر پتے سائے میں ایک ظلم کی جھلک تھی
اچھا ہوا کہ مجھ کو صحرا کو چلا گیا اور اس کا نام فراموش ہو گیا
محبت و وفا کا میں وہ ناخلف بے وقار تھا
ایک عمر عشق کے کوپے میں خوابِ راحت (میں بسر) کی ہے
خاک میرا بس تھی اور پتھر میرا بھی تھا
میرے صاف دل نے مجھے خوب اور زشت کا روشناس کر دیا ہے
اس زمانے کی یاد (آتی ہے جب) کہ یہ آئینہ رنگ آلود تھا
غالباً بغیر سے الجھا اور مارا گیا
میں نے دیکھا تھا رات میرے جنگ پر تیار تھا

۱۵۰

سرد سرد کے سامنے اس کے قامت کی روایت کر رہا ہے
گل گل سے اس کے چہرے کی حکایت (بیان) کر رہا ہے
اب سوائے ہونٹوں کو کسی لینے کے کوئی اور بھڑکی نہیں ہے ورنہ میرے پاس
وہ نالہ ہے جو دلوں میں سرایت کرتا ہے

دل ہمہ نگوں گشت و پامال شوق وصل تست
 دیدہ اکثر آرزوئے خاک پائیت ی کند
 بر سخن ہائے دروغش راہ رفتن سادگی ست
 ایں کہ می گوید کہ می آیم، عنایت می کند
 نے سناں می بایزش، نے غنجر و نے تیغ تیز
 بہر حکم جوشش مژگاں کفایت می کند
 بندۂ اقبال تو گرم کہ با ایں علم و جور
 بر سر ہر کوچہ درویشے دعایت می کند
 ہم چہ میر آرزوہ جانے در جہاں امروز نیست
 ی چکد خوں از سخن ہر کہ شکایت می کند

۱۵۱

از رے نازکناں کہ آں بیتِ حیار رود
 فتنہ زان راہ پہ اندیشے بسیار رود
 از قماشائے رخت حور پرو درماند
 در پری چشم تو بیند، دلش از کار رود
 سوئے من آمدن دوست جداں ساں کہ طیب
 از سر ناز پئے دیدن بنار رود
 یک نگاہ بس مژگاں و دو صد نومیدی
 جان قربانی انداز تو دشوار رود
 تا قیامت نگراں زیرِ دیش خواهد بود
 چشم عاشق کہ پہ ایں حسرت دیدار رود

۱۵۲

احوال دل پیریدہ یک لخت چاک گریہ
 بنار ما کراں بود آخر ہلاک گریہ

دل تمام نگوں ہو چکا ہے اور تیرے وصل کے شوق کا پامال ہے
 آنکھ اکھڑ تیرے پیروں کی خاک کی آرزو کرتی ہے
 اس کی جھوٹی باتوں پر یقین کرنا سادگی ہے
 یہ جو کہتا ہے کہ میں آ رہا ہوں، عنایت کرتا ہے
 نہ اس کو سناں چاہیے ہے نہ صخر اور نہ تیز تلخ
 میرے قتل کے لیے جنبش مڑکاں کافی ہوگی
 تیری خوش نصیبی کا غلام ہو گیا ہوں کہ اس ظلم اور جور کے باوجود
 ہر کوچے میں ایک درویش تھے دعا کر رہا ہے
 میری طرح آج دنیا میں کوئی آزرہ جاں نہیں ہے
 باتوں سے غلوں پھلتا ہے جب بھی شکایت کرتا ہے

۱۵۱

اس راہ (جس) سے وہ بہت عیار ناز کرتا ہوا جاتا ہے
 فقہ اس راہ بہت خوف کھاتا ہوا گزرتا ہے
 اگر خود تیرے چہرے کو دیکھے، (تو) اس پر خشک کر رہ جائے
 اور اگر پری تھے دیکھے، اس کا دل کام سے جاتا رہے
 میری طرف اس کا آنا اس طرح ہے کہ (جیسے) طیب
 ناز کے ساتھ بیمار کو دیکھنے کے لیے جاتا ہے
 ایک لمبی مڑگاں نگاہ اور دوسرا امید یاں
 تجھ پر قربان ہونے والے کی جان مشکل سے نکلتی ہے
 قیامت تک زیر زمین مختل رہے گی
 عاشق کی آنکھ جو اس حسرت و دہیار کے ساتھ رخصت ہو رہی ہے

۱۵۲

دل کا حال مست پوچھ، یک لخت چاک ہو گیا ہے
 میرا بچا قریب المرگ تھا، آخر ہلاک ہو گیا ہے

بزم خوشی جہاں را چوں شب کُشت ریم
 شد دود شمع محفل، پروانہ خاک گردید
 از پوچ گوئی او ہر دل کدورتی داشت
 از ہم گدازِ دعا و اعلا محراب پاک گردید
 بودہ ست خوش نصیب، ہم عاقبت بخیرے
 آن کس کہ مطلع او در پائے تاک گردید
 پایان کار اے میر در عشق لوجوانان
 دل چاک چاک گردید، جان دردناک گردید

۱۵۳

دش آدم ز سینہ سرزود بود
 آتش در سپہر در زود بود
 دل ز باغ زمانہ رنگ نہ داشت
 گل دانی نگر چہ سرزود بود
 شد مہذل چہ شام، صبح بہمن
 یک نفس مرغِ نالہ چہ زود بود
 تا من از جیب سر بردن آدم
 دامن آن شوخ چشم بر زود بود
 آخر کار شد جراحت میر
 عشق زخمی کہ بر جگر زود بود

۱۵۴

ایرہ چہ کنی کج چہ تو دین نہ تواند
 بر خود کلان غیر خدین نہ تواند
 بالقوہ خصمانہ ایں ناز کہ دارد
 آن ای کہ کمان تو کشیدن نہ تواند
 مرغانی سحر در بہمن از حیرت حسرت
 چوں طائر تصویر پریدن نہ تواند

جہاں کی بزمِ خوش کو رات گزرنے کے بعد دیکھا
 شمعِ محفلِ دھواں تھی، پردانِ خاک ہو گیا تھا
 اس کی بے مقرر گفتگو سے ہر دل میں کدورت تھی
 واعظ کے مرجانے سے عذابِ پاک ہو گئی
 وہ خوش نصیب رہا، (اس کی) ماقبت بھی بخیر
 جس کی قبر انگور کی بیلوں کے سائے تلے بنی
 آخر کار نو جوانوں کے عشق میں اسے میر
 دل چاک چاک ہو گیا، جاں درد ناک ہو گئی

۱۵۳

کل میری آہ سینے سے نکلی تھی
 ایک آگ نے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا
 دل میں بارغِ زمانہ کا رنگ نہیں تھا
 ایک گلِ داغ مگر کھلا تھا
 صبح چمنِ شام میں بدل گئی
 مرغِ نال نے ایک نفس پر پھڑ پھڑایا تھا
 جب تک میں گریباں سے سر کو باہر نکالا
 وہ شروعِ چشم جانے کے لیے دامنِ سمیٹ چکا تھا
 آخر کار میرِ جہامت بن گیا
 عشق نے جو دم جگر پر لگایا تھا

۱۵۴

جب تو بھویں چڑھاتا ہے تجھے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتے
 صاحبانِ ہلز دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے
 درحقیقت دشمنی کے ساتھ ساتھ یہ نازکس کے پاس ہے
 تو وہ ہے حیرے ہم پتہ نہیں ہو سکتے ہیں
 مرغانِ سحر جہن میں حیرے حسن کی حیرت سے
 تصویر کے طائر کی طرح اڑ نہیں سکتے

عشاق بہ تسلیم رضا دادند عشق اند
ایشان تر تنگی تو سمجھیں نہ تو اند
در بزم غوث بہ کہ لبم بہت بہاند
مگر سر کلم انسانہ کشیدن نہ تو اند
تا کہ دو سہ انگ از خطر شہرت عشقم
آکند بہ مڑکان و چکیدن نہ تو اند
در شہر کسم قدغن اگر دست نیام
تا بوالہوساں جیب دریدن نہ تو اند
بے تاب و توانان وفا آہ چہ سازند
از دامن او دست کشیدن نہ تو اند
ایں یک دو سخن نغمہ گم کردہ رو شعر
آں جا کہ من ام میر رسیدن نہ تو اند

۱۵۵

از دست و بازوئے تو ضرر بر ضرر رسید
حیر تو سینہ کردہ ز دل بر جگر رسید
اکنوں بہ دست آمدن دل چہ ممکن است
آں قطرہ غمں بہ ناحیہ چشم تر رسید
در حال نزاع گوش زدم شد رسیدش
دستے کہ بے خبر شدم، انہم خبر رسید
رفق ز چشم و دل نہ و بالا شد از تپش
از رفتن تو آہ قیامت بہ سر رسید
امروز میر خندہ زباں حرف ی زند
از یار او کتابتہ شوقے مگر رسید

۱۵۶

چوں بہ کوشش ی دم پنگامہ بر من می شود
یار ہم از بہر پاس طلق دشمن می شود

عشق تسلیم (کی غم) سے عشق کے رضا دادہ ہیں
 یہ لوگ تیری تلخ کے تلے ترپ نہیں کئے
 بزم میں بہتر ہے کہ میرے لب بند ہیں
 اگر افسانہ شراب کروں من نہیں سکیں گے
 کب تک دو تین آنسو میرے عشق کی بدنامی کے ڈر سے
 پتکوں تک آئیں اور ٹپک نہ سکیں
 اگر مقدور ہو تو شہر میں پابندی لگا دوں
 کہ بواہوں گرہاں نہ چھاڑ سکیں
 وفا کے بے تاب و تو اس کیا کریں
 اس کے دامن سے ہاتھ نہیں کھینچ سکتے
 یہ دو ایک بات نہ ماننے والے، شاعری کی راہ سے بھٹکے ہوئے
 (اے) میر جس جگہ میں ہوں وہاں نہیں پہنچ سکتے

۱۵۵

حیرے دست و بازو سے ضرر پر ضرر پہنچا
 حیرا حیر دل سے نکرا کر جگر میں لگا
 اب دل کا ہاتھ آنا کیسے ممکن ہے
 وہ قطرہ عموں چشم تر کنارے پہنچ گیا ہے
 خزع کی حالت میں اس کے آنے کی خبر سن
 میں جس وقت بے خبر ہو گیا مجھے یہ خبر پہنچی
 تو نظر سے دور ہوا اور دل تپش سے تھوہالا ہو گیا
 حیرے چلے جانے سے آہ سر پر قیامت ٹوٹ پڑی
 آج میر جس جس کر بات کر رہا ہے
 شاید اسے یار کا پرشوق خط ملا ہے

۱۵۶

جب اس کے کوسے میں جاتا ہوں مجھ پر ہنگامہ ہو جاتا ہے
 یار بھی لوگوں کی طرف داری میں دشمن بن جاتا ہے

سیر ما اندوہ گیناں یک قلم ہے لطف نیست
 نو گئے ہم گاہ ایں جا تر کسی زن می شود
 در غم دل بکنیے ما طرفہ باقم خانہ است
 جمع می آیند درویشاں و شیون می شود
 گل چو می لایم بہ یاد روئے او غش می کنم
 حال اگر ایں است ترک سیر گلشن می شود
 با بتاں از اختلاط میر می دانیم ما
 کایں جہاں امروز یا فردا برہمن می شود

۱۵۷

قتلہ و آفت و آشوب و بلا می گویند
 چشم بچار ترا شوخ، چہ ہا می گویند
 پردہ بردار کہ در شوق تو ہر شام و سحر
 جان خود را دو سر درویش دعا می گویند
 گر جگر نیست ہر دو ز دیار عشاق
 درد را مردم ایں شہر دوا می گویند
 ما نہ جوہر تو بہ ہاں آمدہ بودیم، چہ شد
 کہ بکفعم کہ ایں را چہ ادا می گویند
 نیست جائے کہ در او رفتہ انداز تو نیست
 ہر چہ در وصف تو گویند، بجا می گویند
 بدتے شد کہ اسیران محبت ہر صبح
 داستان ہا ز غم دل بہ صبا می گویند
 سچاقت نہ ہو شیخ نماز مشکوں
 لوطیاں جملہ ترا پا بہ ہوا می گویند
 ہوئے انس از گل ایں باغ نہاد بہ مشام
 ما چہ دانیم کہ را مہر و وفا می گویند

ہم غم زدوں کی سیر بھی بالکل بے لطف نہیں ہے
 نیا کھلا ہوا پھول بھی کبھی کبھی اشارے کرتا ہے
 دل کے غم میں ہمارا نگہ ایک عجیب ماقم خانہ ہے
 درویش جمع ہوتے ہیں اور گریہ وزاری شروع ہو جاتی ہے
 جب پھول کو دیکھتا ہوں اس کے چہرے کی یاد میں شش کھاتا ہوں
 حال اگر یہی ہے گلشن کی سیر ترک ہوا چاہتی ہے
 میر کے جوں سے سنتے رہنے (کی وجہ) سے ہم جانتے ہیں
 کہ یہ جواں آج کل میں برہمن ہوا چاہتا ہے

۱۵۷

فکر اور آشوب اور بلا کہتے ہیں
 اسے شوخ جبری چشم ہمار کو کیا کیا کہتے ہیں
 پردہ اٹھا کہ تیرے شوق میں ہر شام و سحر
 اپنی جان کو دو تین درویش دعا کرتے ہیں
 اگر حوصلہ نہیں ہے عاشقوں کے دیار سے باہر چلا جا
 درد کو اس شہر کے لوگ دوا کہتے ہیں
 ہم تیرے ظلم سے جان بلب ہو گئے ہیں، کیا ہوا
 اگر ہم نے کہا کہ اس کو کون سی ادا کہتے ہیں
 کوئی جگہ نہیں ہے جہاں تیرے اعزاز (کی وجہ) سے فساد نہ ہو
 تیرے وصف میں جو کچھ کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
 مدت ہو گئی کہ محبت کے اسیر ہر صبح
 غم دل کی داستا میں مہاسے کہتے ہیں
 اسے کچھ نماز مسکوں 'بے قیامت نہیں ہوتی
 سارے لوٹی تجھے پا پ ہوا کہتے ہیں
 اس بارغ سے محبت کی بومشام تک نہیں آئی
 ہم کیا جانیں کسے مہر و وفا کہتے ہیں

میں کھائی ہے جہاں ذات علیؑ ما نہ شہادت
شہید مولیٰ و نصیریش خدا می گویند
میرؔ ہر شعر تو خویش کنن ایں ہمہ ناز
دیگراں نیز غزل ما ہے صفا می گویند

۱۵۸

دل می کشد ہے صحرا ہنگام کار آمد
شورے ست در سر من شاید بہار آمد
بے اختیار از خاک خواہیم قد کشیدن
آں پارۂ قیامت گر بر مزار آمد
چوں سرمہ گشت باعث افزودنی بصر ما
گردے اگر ہے سویم زان رہ گزار آمد
با لذت وصال من آشنا نہ مستم
کز خویش رفتہ بدم ہر گاہ یار آمد
میرؔ از جہانے خواہاں دیدار کشید افتاد
ایں نوجوان ناکام آخر ہے کار آمد

۱۵۹

آفت کھا ز شور تو برپا نمی شود
کے جلوہ می کنی تو کہ غونا نمی شود
یارب ہے کوچہ کہ قادیانست راہ دل
دیرے ست در حلاشم د پیدا نمی شود
دل غنچہ کدام گل غیر موسم است
ہر چند می کشم ولے وا نمی شود
اے دل ہے حظ یاری شہر آشنا ہے
کاہ لکھ اے ہے کام تو تنہا نمی شود
گو شمع ساں ہے بزم خوشتر سر رو ہے باد
تربک وفا و میرؔ تو از ما نمی شود

دنیا میں کسی نے ذات علیؑ کو مکمل طور پر نہیں پہچانا
 شمعِ مومنی اور نصیری خدا کہتے ہیں
 میرا اپنے شعرِ تر پر اتنا زیادہ ناز مت کر
 دوسرے بھی غزلِ مستغنی سے کہتے ہیں

۱۵۸

دلِ صحرا کی طرف کھینچا ہے مراد کا زمانہ آ گیا
 میرے سر میں ایک شور ہے شاید کہ بہار آئی
 خاک سے بے اختیار اٹھ کھڑے ہو جائیں گے
 اگر وہ قیامت کا ٹکڑا حزار پر آیا
 سرے کی طرح چٹائی میں اٹھانے کا باعث ہوئی
 اگر میری طرف اس راہ گزر سے گرد آئی
 میں اس کے وصال کی لذت سے آشنا نہ ہوا
 کہ جب بھی یار آیا، اپنے ہوش سے جاتا رہا تھا
 میرے مشتقوں کی جفا سے کل نکل ہوا پڑا تھا
 یہ ناکام تو جوں آخر کام آیا

۱۵۹

حیرے عشق سے کہاں آفت برپا نہیں ہوتی
 تو کب جلوہ گر ہوتا ہے کہ شور و غل نہیں ہوتا
 یارب دل کی راہ کس کے کوسے میں جا پڑی ہے
 لذت سے میں (اس کی) تلاش میں ہوں اور نہیں ملتی
 دل کس غیر موم کے پھول کی کلی ہے
 ہر چہ ہم (اسے) کھلانے کی کوشش کرتے ہیں مگر نہیں کھلتا
 اے دل شہرِ بصر سے آشنائی رکھنے والے محبوب سے دوستی کا کیا لطف
 کہ وہ ایک لمحہ بھی حیرتی مراد (پہری کرنے کے) لیے تنہا نہیں ہوتا
 حیرتی خوبصورت ہزم میں شمع کی طرح اگر سرائ (بھی) جائے
 حیرتی وفا اور محبت کو چھوڑنا ہم سے نہیں ہوگا

ہر چند گفتہ اند کہ اے میرِ رونِ حشر
دیوارِ عام ی شود ادا نمی شود

۱۶۰

دردِ عشقم پہ چشمِ یار آورد
گریہ آہ پہ روئے کار آورد
نظرِ عشقت رسید چوں پہ مراد
خلق ہائے بریدہ ہار آورد
تا رسیدم در ایں خراب آباد
فتنہ بر فتنہ روزگار آورد
داغ سودائے من کہ گمشدہ سیاه
ایں بلا بر سرم بہار آورد
میرِ در انتظار گردِ ریش
چشمِ نم ناکِ من غبار آورد

۱۶۱

مصل پہے تو خونِ فشانِ کرد
چشم پہے چہ رازِ پانی کرد
عشقِ آخرِ مرا پہ کشتنِ داد
دوستِ دشمنی جانی کرد
بر بلائے فراقِ او اے دل
صبرِ خوب است اگر توانی کرد
دلِ مہم پہ سلوکِ ظاہرِ او
لطفِ اگر کرد مہربانی کرد
میرِ گویند در فراقِ بمرود
تا چساں پہے تو زندگانی کرد

ہر چند اسے ہجر کہا جاتا ہے کہ حشر کے دن
ویدار عام ہوگا، لیکن اگر نہیں ہوا؟

۱۶۰

میرے عشق کا درد مجھے یاری کی نظروں میں لایا
گر سیہ نے میرا کام بنا دیا
حیرے عشق کا نقل جب مراد کو پہنچا
کٹے ہوئے حلقوں کا پھل لایا
جب سے اس خراب آباد میں پہنچا (ہوں)
روزگار رفتہ پر رفتہ لایا (ہے)
میرے جنوں کا داغ کہ سیاہ ہو گیا
یہ جلا بہار میرے سر پر لائی
میر اس کی راہ کی گرد کے انتظار میں
میری چشم خنک غبار لائی

۱۶۱

حیرے بغیر مسلسل غموں فٹانی کی
کم طرف آنکھوں نے کیسی راز داری کی
عشق نے آخر مجھے قتل ہونے کے لیے دے دیا
ایک دوست نے جانی دشمنی کی
اس کے فراق کی جلا پر اسے دل
صبر اچھا ہے اگر کر سکے
اس کے ظاہر اسلوب پر دل مت دے
لطف اگر کیا (اس نے) مہربانی کی
میر کہتے ہیں فراق میں مر گیا
کب تک حیرے بغیر زندگی کرتا

۱۹۲

یک لفظ کاش سوئے منی تخت رو کنند
آنان کہ چاک سینہ بہ مژگاں رفو کنند
صحت چگونہ گرم توں کرد با گلے
کافرہ می شود ز نزاکت چو یو کنند
بارے تو خود بگو کہ چہ خواہی جواب گفت
کر روز حشر با تو مرا رو بہ رو کنند
من عین دوست مستم و ترسم کہ دشمن
بر من نظر کنند و تماشاے او کنند
یک چند مہربانی ظاہر ضرورت است
تا شوکران مہر بہ جور تو خو کنند
ہر چند کام اہل طلب حاصل است یک
شرط محبت است کہ شاں جستجو کنند
دارند غم کشاں دل بے خواہش ارہ میر
خود حاضر است یار اگر آرزو کنند

۱۹۳

عاشق کہ دل سوختہ چوں آبلہ دارد
آزردہ عشق است ز خود ہم گلہ دارد
یک لفظ فراغت نہ دہد دست ز تشویش
صد پارہ شود دل کہ مرا دہ دلہ دارد
دیرےست کہ از یوسف مایست نشانے
خوبیست نہ آن جنس کہ ہر قافلہ دارد
دارم سر پرشور ز سودا و خوشم
عشق است کسے را کہ چہ من حوصلہ دارد
میر از دل و جاں معتقد ہر مغان است
او دست ارادت بہ ہمیں سلسلہ دارد

۱۶۲

ایک لمحہ کاش مجھ ذہنی کی طرف رخ کریں
 وہ جو سینے کے چاک کو پلکوں سے رفو کرتے ہیں
 اس گل سے صحبت کس طرح گرم کر سکتے ہیں
 (جو) کہ نزاکت سے مرہا جاتا ہے جب سو گھٹتے ہیں
 آخر کار تو خود کہہ کیا جواب دے گا
 کہ روزِ محشر تجھے میرے رو بہ رو کرتے ہیں
 میں یقین دوست ہو گیا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ دشمن
 مجھ پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کو دیکھتے ہیں
 قصوڑی سی دکھاوے کی مہربانی ضروری ہے
 تاکہ محبت کے غورِ حیرے ظلم کی عادت ڈالیں
 ہر چند کہ اہل طلب کا مقصد حاصل ہے مگر
 محبت کی شرط ہے کہ وہ لوگ جستجو کریں
 غم اٹھانے والے خواہش سے خالی دل رکھتے ہیں ورنہ میر
 یار خود حاضر ہے اگر آرزو کریں

۱۶۳

عاشق کہ آئے کی طرح جلا ہوا دل رکھتا ہے
 عشق کا ستایا ہوا ہے، بخود سے بھی گلہ رکھتا ہے
 اس کو ایک پل بھی اس لگڑ سے فرصت نہیں ہے (کہ)
 (میرا) دل سو گھڑے ہو جائے (اور وہ) مجھے پریشان رکھے
 مدت ہوئی کہ ہمارے یوسف کی خبر نہیں ہے
 حسن وہ جنس نہیں ہے کہ ہر قافلہ لے کر چلتا ہو
 دیوانگی میں پر شور دل رکھتا ہوں اور خاموش ہوں
 اس پر شاہاں ہے جو مجھ جیسا حوصلہ رکھتا ہے
 میر دل و جان سے سچے مخاں کا معتقد ہے
 وہ اسی سلیکے سے دستِ ارادت رکھتا ہے

۱۶۳

دیدار بعدِ قدمِ بسیارِ عام شد
 تا من بہ کوئے او برسم، ازوجام شد
 در راه او قدم نہ گذاری کہ پیش از این
 خاصِ فقیر بود سلوکے کہ عام شد
 فیروزہٴ حبابی گردوں چہ فائدہ
 در دستِ ما در روزِ اگر ہیر نام شد
 من بندہٴ قد تو فقط بیستم بہ جاں
 آزادہ اے چو سرو گلستاں غلام شد
 تا رو بہ روئے او نہ شود صرفہ نہ است
 ہر گاہ شد مقابلہٴ کارش تمام شد
 بر چہرہٴ زلف کردہ پراگندہٴ وا کشید
 مطلب از این ہوا کہ بہ روزے نہ شام شد
 اچھاوار ہنرِ گردم و نامِ شدم کہ میر
 من بعدِ ترکِ رسم دعا و سلام شد

۱۶۵

بہ امید وصلش آن کس کہ بہ جاں رسیدہ باشد
 چہ حتم کشیدہ باشد، چہ غداپ دیدہ باشد
 نہ سلوکِ آن جفا جو من امیدِ آن نہ دارم
 کہ بہرِم و بہ حسرت لبِ خود گزیدہ باشد
 نہ علاج، نہ لطف، نہ ترحم، نہ مہرے
 بہ کدام امیدواری ولم آرمیدہ باشد
 دل چاک چاک دارد گلِ این حدیق، آیا
 نہ نسیم صبح گاہی چہ خبر شنیدہ باشد
 نہ تو میرِ رنجہ باشد، چہ خیالِ باطل است این
 فکرِ آن کہ خاطرِ او نہ کسے کبیدہ باشد

۱۶۳

دیدار بہت لذت کے بعد عام ہو گیا
 جب تک کہ میں اس کے کوچے تک پہنچتا، ازو عام ہو گیا
 اس کی راہ میں قدم نہ رکھ کہ اس سے پہلے
 وہ سڑک جو مجھ فقیر کے لیے مخصوص تھا، (اب) عام ہو گیا ہے
 آسمان کے چہابی فیروزہ سے کیا فائدہ
 اگر دو دن ہر رے ہاتھ میں برائے نام تھا
 فقط میں (ہی) (دل و) جان سے حیرے قد کا بندہ نہیں ہوں
 گلستان کے سرد کی طرح آزاد (بھی) غلام ہو گیا ہے
 جب تک اس کے چہرے کے سامنے نہیں آتا چاند کی عافیت ہے
 جس وقت مقابلہ ہوا اس کا کام تمام ہو گیا
 چہرے پر زلف کو بکھرا کر لیٹ گیا
 اس ادا سے مطلب یہ کہ ایک دن میں دو شا میں ہو گئیں
 عاجزی کا انگھار کیا اور پیشیاں ہوا کہ میر
 اس کے بعد دعا اور سلام کی رسم (بھی) ترک ہو گئی

۱۶۵

جو اس کے وصل کی امید میں مرنے کی حد تک پہنچ گیا ہو گا
 کتنا ستم کشیدہ ہو گا، کتنا عذاب دیدہ ہو گا
 اس جنا جو کے روپنے سے میں یہ امید نہیں رکھتا
 کہ میں مر جاؤں اور (وہ) پشیمانی میں (دراختوں سے) اپنے ہونٹ کانے
 نہ غنائت، نہ لطف، نہ خرم، نہ مہر
 کسی آسے پر میرا دل سکوں سے رہے
 اس باغ کے گل کا دل چاک چاک ہے
 نسیم صبح گاہی سے (اس نے) جانے کیا خبر سنی ہو گی
 میر تجھ سے رنجیدہ ہو گا، یہ کیا خیال خام ہے
 ضرور اس کا دل کسی اور سے رنجیدہ ہوا ہو گا

۱۶۶

بہ خوش رویاں نماہنت کہ خوش رو ایں چنیں باید
 بہ دل داورے کہ باید داد دل او ایں چنیں باید
 گل و سنبل بدانند از بہ باغ آئی کہ جاناں را
 بہ تن بو ایں چنیں، رو ایں چنیں، مو ایں چنیں باید
 بجا اسے کج ادا با من کہ ہمایم بہ خوبانت
 کہ خال و خط بہ ایں خوبی و ابرو ایں چنیں باید
 محبت پیشہ خود کن کہ مشہور جہاں گردد
 کہ آئیں ایں چنیں، خوبی چنیں، خو ایں چنیں باید
 بہ درویشاں اگر داری سرے با میر الفت کن
 کہ بر در چوں تو خوبے را دعا گو ایں چنیں باید

۱۶۷

افسوس آں فکر کلا و جاں سپرد و غم
 وز جوئے تلخ او دم آہے نہ خورد و غم
 مردم ز رنج آں کہ غم بے شمار خویش
 در احتضار پیش تو یک یک شرد و غم
 از صبح شور میر بہ گوشم نمی رسد
 شاید کہ عہد نالہ بہ بلبل سپرد و غم

۱۶۸

آہانم غم ز بھنوں کم نہ داد
 یک بخت شہرت عالم نہ داد
 پنجہ آخر برد در خونم فرو
 آں کہ گاہے دست در دہم نہ داد
 حیف گل رفت و داغ رفت ام
 رخصت یک سیر ایں موسم نہ داد

۱۶۶

تجھے خوشروؤں کو دکھاتے ہیں کہ خوش رو ایسا ہونا چاہیے
 وہ دلدار کہ جس کو دل دینا چاہیے ایسا ہونا چاہیے
 حیرے باغ میں آنے سے گل اور سنبھل جانتے ہیں کہ جاناں کے
 بدن کی خوش بواہی، چہرہ ایسا، بال ایسے ہونے چاہئیں
 اسے کج ادا میرے ساتھ آ کہ ہم تجھے خوابوں کو دکھائیں
 کہ خال و خط اس خوبی کے ساتھ اور برو ایسے ہونے چاہئیں
 اپنا پیشہ محبت بنا کہ دنیا میں مشہور ہو جائے
 کہ آئین ایسا، خوبی ایسی، خواہی ہوئی چاہیے
 اگر درویشوں سے تعلق رکھتا ہے میرے الفت کر
 کہ حیرے جیسے حسین کے در پر دعا کرنے والا ایسا ہونا چاہیے

۱۶۷

انہوں اس شکار (پر) کہ اس سے جان بچا لے گیا اور مر گیا
 اور اس کی جوئے تغ سے بھی پانی نہیں پیا اور مر گیا
 اس پر رنک سے مرنا ہوں کہ اپنے بے شمار غم
 (جس نے) مرتے وقت حیرے سامنے ایک ایک کر کے شمار کیے اور مر گیا
 صبح سے میرے کاشور میرے کانوں میں نہیں پڑا
 شاید کہ (اس نے) وصیت میں نالے کی ذمہ داری بلبل کے سپرد کی اور مر گیا

۱۶۸

آساں نے مجھے مجھوں سے کم غم نہیں دیا
 لیکن شہرے عالم کی تقدیر نہیں دی
 (اُس نے) اپنی انگلیاں آخر میرے خون میں ڈبوئیں
 جس نے کبھی ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں دیا
 حیف گل چلے گئے اور مجھے دماغ رفتہ نے
 اس موسم میں ایک (بار بھی) سیر کی اجازت نہیں دی

چوں زید اندو گینے کش سپہ
 داد غم انواع و چشم نم نہ داد
 چوں کلم دوداں پ بارغ کاکات
 فرصت یک آب خودن ہم نہ داد
 داغ بے پروائی عشق ام کہ میر
 صد جراحت داد و یک مرہم نہ داد

۱۶۹

من ناکام را در عشق و کاسے نمی باید
 مرا بے طاقی پس باشد آراے نمی باید
 من از بے لطیف خود رفتے بہ نظر دارم
 خشونت با ضرورت نیست، دشائے نمی باید
 رو از عرش آں سوتر بہ یک دم جان مشتاقم
 پئے ایں مرغ در در کوشے باے نمی باید
 بیا در مسلح عشق و مخفاں جان شیریں ما
 ترا اے طائر قدی مگر تائے نمی باید
 اگر ایں است شوق اے میر خواہی رفت در کوش
 کتابت احتیاجے نیست، بیفائے نمی باید

۱۷۰

برائے میر چوں آں نہ ز خانہ بر خیزد
 بہ شہر حشرے از ہر کراہہ بر خیزد
 رمیدم ز سر کوئے و بدایں ساں شد
 کہ نودمیدہ پرے ز آشیانہ بر خیزد
 دلے برائے جفا ہر دم از کجا آرم
 خدا کند کہ وفا از مہمانہ بر خیزد
 غراب و در بہ دم رونو حشر باید دید
 کہ خاک من ز کدام آستانہ بر خیزد

وہ غم زدہ کس طرح زندہ رہے کہ جسے آسمان نے
 طرح طرح کے غم دیے اور ہضم غم نہیں دی
 زمانے نے باغ کائنات میں مجھے پھول کی طرح
 پانی پینے کی سہلت بھی نہیں دی
 عشق کی بے پروائی سے داغ ہوں کہ میر
 سوزِ غم دیے اور ایک مرہم بھی نہیں دیا

۱۶۹

مجھ ناکام کو اس کے عشق میں کوئی کام لازم نہیں ہے
 میرے لیے تکلیف کا نہ سہارا بہت ہے، آرام لازم نہیں ہے
 میں اس کی بے لطفی کی وجہ سے ہوش سے گزر جانا مہ نظر رکھتا ہوں
 فتنہ ضروری نہیں ہے، گالی (دینا) لازم نہیں ہے
 ایک دم میں میری جان مشتاقِ عرش سے بھی آگے نکل جاتی ہے
 اس پرندے کے لیے راہ میں بام کے کنارے کی ضرورت نہیں ہے
 عشق کی قربان گاہ میں آ اور جاننا شیریں نثار کر
 اے طائرِ قدسی، (اس کے بغیر) شاید حیران نام نہ ہو
 اگر اتنا ہی شوق ہے اے میر اس کے کوپے میں جانا چاہیے
 خط کی ضرورت نہیں ہے، پیغام لازم نہیں ہے

۱۷۰

جب وہ میر کے لیے گھر سے نکلتا ہے
 شہر میں ہر طرف سے محشر اٹھتا ہے
 اس کے کوپے سے میرا لکھنا اس طرح تھا
 (مجھے) کہ نو دمیدہ پر آئیے نے سے لکھتا ہے
 جفا کے لیے ہر وقت دل کہاں سے لافس
 خدا کرے کہ درمیاں سے وفا اٹھ جائے
 مجھ خراب اور در بدر کو روزِ محشر میں دیکھنا چاہیے
 کہ میری خاک کس آستانے سے اٹھتی ہے

حدیث غیر ہے بہتر قیادہ گوش کند
 ز غم چو بر لبم آید فسانہ بر خیزد
 عمر فریفتہ آئینہ اش کہ در بر او
 نشیند، آہ کشد، عاشقانہ بر خیزد
 دے نمی شودم فرصت از کشیدن جور
 چو یار رحم نماید، زمانہ بر خیزد
 بر آورد نگہش گرد از دلم آری
 رسد چو تیر، غبار از نشانہ بر خیزد
 کے ہے بجز برد خوش میر و بہت خواہ
 ہے وقت صبح چو بہر دوگانہ بر خیزد

(۱۷۱)

جلوہ اش چوں ابتدا در باز کرد
 با دل عاشق لب انداز کرد
 شد کہاب از آتش غیرت دلم
 گر ہے کوشش طائرے پرواز کرد
 در چمن رقیق و بہر ویدنت
 گلبن از ہر شاخ چشمے باز کرد
 وقت آں کس خوش کہ چوں گل در بہار
 برگ چشمے بر لب جو ساز کرد
 بر دماغ خود از ہنس ضعیف دل
 چلبے گر از چمن آواز کرد
 چشم تر تا گشت من ہے زخوش
 گر یہ ہائے درد دل پرواز کرد
 خواب اشپ ہم ہے با راں شد حرام
 قصہ غم میر باز آغاز کرد

بستر پر لیٹ کر غیر کی باتیں سنتا ہے
 جوں ہی میرے لبوں پر غم کا طمانہ آتا ہے، اٹھ جاتا ہے
 ضرور اس کا آئینہ اس پر فریفتہ ہے کہ وہ اس کے سامنے
 بیٹھا ہے، آؤ کھینچتا ہے، عاشقانہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے
 ظلم سمجھتے رہنے سے ایک دم بھی مجھے مہلت نہیں
 جب بارِ رم کھاتا ہے، زمانہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے
 اس کی نگہ نے میرے دل سے گردِ باہر نکال دی، سچ ہے
 جب تیر لگ جاتا ہے، نکٹانے سے غبار اٹھتا ہے
 کبھی انکسار کے ساتھ میرے سامنے جا اور دعا چاہ
 جب صبح کے وقت (تو) دوکانہ کے لیے اٹھے

۱۷۱

اس کے جلوے نے جب نازی ابتدا کی
 عاشق کے دل کے ساتھ جب انداز میں پیش آیا
 میرا دل غیرت کی آگ سے کباب ہو گیا
 اگر اس کے کوسچے پر سے کسی طائر نے پرواز (بھی) کی
 تو جہنم میں کیا اور تجھے دیکھنے کے لیے
 ہر شاخ سے گلاب نے آنکھ کھولی
 اس کا وقت اچھا (گزارا) کہ بہار میں گل کی طرح (جس نے)
 فہر کے کنارے پر پیش کا سامان سجایا
 ضعفِ دل (کی وجہ) سے مجھے بہت ناگوار گزارا
 جنم سے اگر بلبیل نے آواز دی
 تیرے چہرے (کے دیدار) کے بغیر میری ناگفتہ الہم تاک آنکھوں نے
 دردِ دل (کی وجہ) سے رونا شروع کر دیا
 آج رات بھی دوستوں کے لیے ثواب حرام ہو گیا
 میرے قصہ غم کو دوبارہ پچھڑ دیا

۱۷۲

دردے کہ مرا دوش از او حال دگر بود
 پروردۀ تان و کتب داغ بگر بود
 ای دل کہ ہمہ نوحں شد و از دیدۀ فرد ریخت
 عمرے پہ سر راہ پہ امید خبر بود
 آن جذب نہ مانعوست کہ از پہلوئے او میر
 در دست دعا گوشہ دامان اثر بود

۱۷۳

ایر تر شوق سے قزوں تر کرد
 ایس ہوا آتش مرا بر کرد
 یکدم جلد زدو شد یعنی
 عشق ای مشت خاک را زد کرد
 دومبر غم تو آخر کار
 مردن خویشتن مقدر کرد
 عشق می داشت نہاں لیکن
 ننگی ہر دو لب مرا تر کرد
 تا چہ اعدو میر دو دل داشت
 گر یہ سر کرد چوں سخن سر کرد

۱۷۴

رفت رفت دو بر من نوحں دل صدچاک شد
 کار آخر بر مرا دیدہ غم ناک شد
 بر حذر می باش دو وقت طلوع آفتاب
 عالمے از چشم شور آسماں در خاک شد
 قطرہ از مژگاں فتاد و موج زن گردید بحر
 سر کشید از دل غبار و طرح نہ التلاک شد

۱۷۲

وہ درد کہ جس سے کل میرا حال دگر تھا
 داغ بھر کے نان و نمک پر چلا تھا
 یہ دل کہ تمام خوں ہو گیا اور آنکھوں سے بہہ گیا
 ایک مدت سے سر راہِ خبر کی امید میں تھا
 وہ جذبِ باقی نہیں ہے کہ میر جس کے فیض سے
 دستِ دعا میں داماں اثر کا کوہ ہوتا تھا

۱۷۳

اب تر نے شراب کا شوق زیادہ کر دیا
 اس آرزو نے میری آگ بھڑکا دی
 میرا بدن تمام زرد ہو گیا، بھئی
 عشق نے اس مشتبہ خاک کو سونا بنا دیا
 حیرے غم کے درد مند نے آخر کار
 اپنا مرنا مقدر کر لیا
 میں عشق پر شیدہ رکھتا تھا، لیکن
 ہونٹوں کی خشکی نے میرا راز ظاہر کر دیا
 میرے دل میں کس قدر غم رکھتا تھا
 مگر یہ شروع کیا، جب (بھی) بات شروع کی

۱۷۴

رفتہ رفتہ میرے پہلو میں دل صد چاک خوں ہو گیا
 آخر کار دیدہ نمناک کی مراد کو پہنچ گیا
 طلوعِ آفتاب کے وقت سے ڈرتے رہا کر
 ایک دنیا آسمان کی شخصِ چشم سے خاک میں مل چکی ہے
 قطرہ چکوں سے ٹپکا اور بحر کو موج زن کر دیا
 غبارِ دل سے اٹھا اور نو آسمانوں کی بنیاد بن گیا

من خود از بس لاغری غرم چہ کنج صید گاہ
وقت صیدے خوش کہ خوش زیب آں فراق شد
مست بودن میر در سے خاتہ عالم خوش است
طالع رندے کہ ترو پیمش بہ دخت تاک شد

۱۷۵

تا قیامت دل تپاں دارد
کشتہ تنج او نکاں دارد
کل کشت تو طبلے باشد
کہ چہ پائے گل آشیان دارد
چہ سخن میر را مہار کہ او
زیر لب تالہ و افغان دارد

۱۷۶

چند پری کہ محبت بہ من زار چہ کرد
چہ گوئیم کہ سیلاب بہ دیوار چہ کرد
جاں بہ خواری شد و اسے داکے نہ پر سید کسے
کایں بہ انواع عقوبات سزاوار چہ کرد
حاکم خلق جہاں گشتہ زیان جاں با
آں کہ آورد ترا بر سر بازار چہ کرد
نے بہ تنج کسے رفت و نہ گردید کہاب
کس چہ پردازد از او مرغ گرفتار چہ کرد
در جگر قطرہ خون نیست کہ انگش سازم
ہائے بے صرغی دیدہ خون ہار چہ کرد
سیدام چاک کن و سوئے دل غمت بھیں
تا بدائی مژہ بر ہم زدن یار چہ کرد
سید از کثرت دغم ہنگی گشت سیاہ
چہ دہم شرح کہ محرومی گلزار چہ کرد

میں خود لافری سے صید گاہ کے کونے میں سر گیا
اس شکار کی قسمت اچھی (تھی) جس کا غنم اس فتراک کی زینت بنا
میر دنیا کے بے خانے میں مست رہتا اچھا ہے
اس رنہ کی قسمت (اچھی تھی) کہ جس کی شادی انکور کی بیٹی سے ہوئی

۱۷۵

قیامت تک چتا ہوا دل رکھے گا
اس کی جلیج سے لعل ہونے والا (یہ) نکالی رکھے گا
حیری جوتی پر (کڑھا ہوا) پھول کوئی بلبیل ہوگا
کہ پھول کے پاؤں میں آشیاں بتایا ہے
میر کو بات مست کرنے دو کہ وہ
زیر لب نالہ اور فغاں رکھتا ہے

۱۷۶

کیا پوچھتا ہے کہ محبت نے مجھ ناتواں کے ساتھ کیا کیا
کیا کہیں کہ سیلاب نے (درو) دیوار کے ساتھ کیا کیا
جاں خواری میں چلی گئی اور فوس کسی نے نہ پوچھا
کہ ان طرح طرح کی سزاؤں کے مستحق نے کیا کیا تھا
دنیا کے لوگوں پر جان کا زیاں حاکم ہو گیا
وہ جو تجھے بازار میں لایا، (اس نے) کیا کیا
نہ کسی کی جلیج کے تے کیا اور نہ کہا ب بنا
وہ کس چیز میں مشغول تھا، مرغ گرفتار نے کیا کیا
جگر میں قطرہ خوں نہیں ہے کہ میں اس کو اٹک پتاؤں
ہائے دیدہ نمودار کے بے لاکھ و جانے نے کیا کیا
میرا سید چاک کر اور دھمی دل کی طرف دیکھ
تاکہ جان سکے کہ یاری کی پکوں کے چھپکنے نے کیا کیا
دارغ کی کھڑت سے میرا سید تمام سیاہ ہو گیا
کیا بیان کروں کہ گلزار سے دوری نے کیا کیا

بر سرِ رہ گزرش می شوم خود را کشت
لاکنی میر نہ بود دست چنیں کار چہ کرد
۱۷۷

شورش دل تا شیا می رود
کار آہ و ناله ہلا می رود
در دے صد بار آہ جاں بہ لب
کس چہ داند آں چہ بر ما می رود
کے بہ حرفش می رسد سحر حلال
بحث در اعجاز بیانی می رود
ایں چنیں تا چند خواہد ماند میر
از دست اسرار و فردا می رود
۱۷۸

سحر ہر روز خود شد از سر گویت گذر دارد
نمی داند مگر آں سادہ کہ ایں رہ صد خطر دارد
نہ دارد طاقت صبر ہلا جان المناک ام
محبت چند روزے کاش از من دست بردارد
تو اے بے رحم ہر شب واکشی بر ہستہ نازے
چہ دانی حال غمگینے کہ شگے زیر سر دارد
چو من یک لفظ میلی خواب راحت نیست زنی ما
مگر چشم ترا اے شوخ آں ہم وہ نظر دارد
نمی دانم چہ دارد آہ عشق قندگر یارپ
کہ یا ما غم کشاں ہر لفظ انداز دگر دارد
بہ وقتِ رخت بستن دیدن یاراں بود لازم
تو ہم یک دم عین ما را کہ جاں عزم سفر دارد
من اے ہم دم مصیبت دیدہ اے چوں میر کم دیدم
حلق از محبت خود تا بگوید چشم تر دارد

سنا ہوں کہ اس کی راہ میں خود کو مار ڈالا
یہ کام میرے لائق نہیں تھا، کیا کیا

۱۷۷

دل کی شورشِ شریا تک پہنچی رہی ہے
آہ اور نالے کا کام ترقی پر ہے
ایک دم میں سو بار جان لب پر آ رہی ہے
کون جانتا ہے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے
اس کی بات کو سحرِ حلال کب پہنچتا ہے
بات جیسی کے مجھ سے تنگ چلی جاتی ہے
اس طرح کب تک میرا پڑا رہے گا
آج کل میں تیرے دروازے سے چلا جاتا ہے

۱۷۸

ہر سحرِ غورِ شیدا اس کے گوشے سے گزرتا ہے
مگر وہ سادہ لوح نہیں جانتا کہ اس راہ میں سنگلاخوں خطرے ہیں
میری المناک جان بلا پر صبر کی طاقت نہیں رکھتی
کاش محبت چند روز مجھ سے ہاتھ اٹھا لے
اے بے رحم تو ہر رات بسترِ ناز پر (آرام سے) لیٹتا ہے
اس غم زدہ کا حال کیا جانے جو سر کے نیچے ہاتھ رکھتا ہے
میری طرح زکس کو بھی ایک پل (کے لیے بھی) خوابِ راحت سے رغبت نہیں ہے
ضرور وہ بھی تیری چشمِ شوخ کو نظر میں رکھتی ہے
یارب (میں) نہیں جانتا، آہ، عشقِ منہ گر کیا چاہتا ہے
کہ وہ ہم غم کشوں کے ساتھ ہر لحظہ اور ہی طرح پیش آتا ہے
سفر کے لیے تیار ہوتے وقت دوستوں کی ملاقات لازم ہوتی ہے
تو بھی ایک پل ہمیں دیکھ کہ جانِ سطر کا مزم رکھتی ہے
میں نے اے بدمعاش کی طرح مصیبت دیدہ و کم دیکھا ہے
اپنی تکلیف کا ذکر کرتے ہی اس کی آنکھیں تر ہو جاتی ہیں

۱۷۹

تجہا نہ در بر من دل اضطراب دارد
 در راہ اشتیاقش جاں ہم شباب دارد
 ہم چوں حباب غافل یک چشم دیدہ واکن
 دلگست موج دریا کاو بچ و تاب دارد
 یک صبح دیدہ بوم آن چشم پر غم را
 کیفیت نگاہش عالم خراب دارد
 از سوز سید آخر خود را زوم بہ دریا
 چند آتش جدائی عالم کہاب دارد
 از جا مرد بہ حرف بے مغز و اعطر شہر
 حمامہ اسے کہ دارد رکن شراب دارد
 تا چند دندہ ماند میرِ این چنیں بہ انہراں
 رودش بخش کہ قاتل این غول ثواب دارد

۱۸۰

ایں ہے کسی نگر کہ کسے چشم تر نہ کرد
 یک ابر ہم بہ خاک فریاں گذر نہ کرد
 نازم بہ کینہ جوئی دربان سنگ دل
 مردم بر آستانہ یار و خبر نہ کرد
 زخمی بہ من رسید کہ خود ہم ستود و گفت
 صد آفریں ترا کہ کسے ایں جگر نہ کرد
 زیں غم چہ خوں کہ در جگر پارہ پارہ نیست
 کاں نازیں ز شرم بہ عالم نظر نہ کرد
 داں نالہا کہ از جگر سنگ بگذرد
 محروم ہیں کسے یکے ہم اثر نہ کرد
 مانع شمع کسے بے دردی و بیم
 با من چہ دشمن کہ نسیم سحر نہ کرد

۱۷۹

صرف میرے پہلو میں دل ہی بے قرار نہیں ہے
 اس کے اشتیاق کی راہ میں جان کو بھی جلدی ہے
 حباب کی طرح غافل تھوڑی سی آنکھ کھول
 موج دریا زلف ہے کہ وہ بچ و تاب رکھتی ہے
 ایک صبح اس غمار سے پر آنکھوں کو دیکھا تھا
 اس کی نگاہ کی کھینچ نے میرا حال شراب کر دیا
 سوز سید (کی وجہ) سے آخر خود کو سمندر میں پھینک دیا
 کب تک جدائی کی آتش میری جان کو جلاتی رہتی
 واعظ شہر کی کھوکھلی باتوں پر جگہ سے مت ہل
 اس کے پاس جو صدمہ تھا (اسے) رہاں شراب رکھ دیا ہے
 میرا ہجر میں اس طرح کب تک زندہ رہے گا
 قاتل اس کو جلد قتل کر کہ اس خوں سے ثواب ملے گا

۱۸۰

اس بے کسی کو دیکھ کہ کسی نے چشم تر نہیں کی
 ایک ابر بھی خاک غریباں پر سے نہیں گزرا
 تنگ دل دربان کی کہینہ جوتی پر ناز کرتا ہوں
 میں یار کے آستانہ پر سر گیا اور خبر نہیں کی
 مجھ پر ایک دھم (ایسا) لگا کہ (وہ) خود بھی کھڑا ہو گیا اور کہا
 تجھ پر صدا آفریں ہے کہ کسی نے ایسا حوصلہ نہیں دکھایا تھا
 جگر چاک چاک میں کیا کیا خوں نہیں ہوا، اس غم سے
 کہ اس ناز میں نے شرم سے میرے حال پر نظر نہیں کی
 ان نالوں میں سے کہ جگر کے جگر سے گزر جاتے ہیں
 میری محرومی دیکھ کر ایک نے بھی اڑ نہیں کیا
 ہم اس کی بے مروتی (کی وجہ) سے بھی ہوئی شمع کے مانند ہیں
 مجھ سے نیم سحر نے کیا دشمنی نہیں کی

خداے بہ پائے من نہ خلیدوست در ریش
کاو رفتہ رفتہ میر سر از دل ہر نہ کرد

۱۸۱

ی سزد گر ز بتاں چشم وقایے دارد
ہر کہ آئینہ صفت دست دعاے دارد
غیرت عشق چہاں در ولم آتش نہ زند
ہر نفس و خار بہ او رہیل جداے دارد
پے توں برو بہ کوش ز نگاہ عشاق
شوق دل گم شدگان راہ بہ جاے دارد
ہر طرف آہ و ہمیں اٹک دمام دیدم
کوچہ یار لب آپ و ہواے دارد
ماہ و خورشید و گل و لالہ نمی دانم میر
دلبر آن است کہ آنے و اداے دارد

۱۸۲

سلوک و خوبی خوباں کہ ظلم کیجاند
کساں کہ اہل وقایے اند خوب ی دانند
ز دلبراں مگر ایں چشم داشتہ کہ ز باز
بہ خوبی تاحق من تیغ را بخواباند
بہ ہجر دہشتے جان سخت ی خواہد
فدائیان تو پیش از دے نمی مانند
رو سلوک در ایں کارواں سراسر کن
نفیست اند عزیزاں کہ جملہ مہماند
تو در نہ یافتہ ای ذوق عشق را ناصح
بتاں کہ دشمن جاں اند خوش تر از جانند
قدم دروغ دار از هزار غم کیجاں
کہ از برائے تو ہا خاک تیرہ یکسانند

میرے پاؤں میں ایک کانٹا بھی اس کی راہ میں (ایسا) نہیں چھتا
جس نے کہ رفتہ رفتہ میرا دل سے (اپنا) سراہہ نہیں نکالا

۱۸۱

درست ہے اگر جوں سے وفا کی توقع رکھتا ہے
ہر ایک جو آنکھ کی طرح دست دے رکھتا ہے
عشق کی غیرت کس طرح میرے دل میں آگ نہ لگائے
ہر شے و خوار اس سے جدا رہا رکھتا ہے
عشاق کی نگاہ سے یہ سمجھتا چاہیے کہ اس کو پتے میں
دل گم شدگان کا شوق گنج راستے پر لے جا رہا ہے
ہر طرف آہ و بکا اور یہی دم بدم کا رونا دیکھا
کوچہ بکار بچ آب و ہوا رکھتا ہے
ماہ اور خورشید اور گل و لالہ کو میر میں نہیں جانتا
دلبر وہ ہے جو کہ آن اور ادا رکھتا ہے

۱۸۲

خوہاں کہ ظلم پیشہ ہوتے ہیں (ان کا) سلوک اور خوبی
جو اہل وفا ہیں خوب جانتے ہیں
دلبروں سے ضرور یہ امید رکھتا ہوں کہ ناز سے
میرے خونِ ناحق میں تیغ کو سلا دیں
ہجر میں جینے کے لیے سخت جان چاہیے
تیرے فدائی ایک سانس سے زیادہ نہیں بچیں گے
اس کا رواں میں راہ سلوک کی سیر کر
عزیزاں قابلِ قدر ہیں کہ سب مہمان ہیں
ناصح تو نے ذوقِ عشق نہیں پایا ہے
معتوق کہ دشمنِ جان ہیں، جان سے پیارے ہیں
غم کشوں کے حزار سے قدم دور نہ رکھ
کہ (یہ) حیرے لیے خاکِ حیرہ میں مل گئے ہیں

ز قرط شوق بے گشت ام کنوں اے کاش
 مرا پے گرد سر دلیراں نگردانند
 پے خدمت صنم اے راہباں نہ شد تقصیر
 ز اہل صومعہ پر سیدہ شاں مسلمانند
 گذشت نوبت قدسی و صاحب و طغرا
 در ایام زماں ہمہ دیوان میر می خوانند

۱۸۳

ہوش از غرام ناز پے یک بار می برد
 و آں چشم نیم مست دل از کار می برد
 من پند ماخ و ہر سحر آواز عندلیب
 دلیان دل کشیدہ پے گلزار می برد
 با ایں محتاج اگر سوئے بازار می رود
 دل را پے یک نگہ ز خریدار می برد
 دامن کشاں گدہ بخشش از اہل خانقاہ
 چندیں ہزار غرقہ پے بازار می برد
 یک چند زندہ اش در از دور می شنو
 کے نضر چاں ز دست غم یار می برد
 یارب جہاں چہ جا ست کزین منزل آدمی
 با خود پے خاک حسرت بسیار می برد
 روزے ہزار بار ز شوق در کسے
 ایں پاگلستہ دست پے دیوار می برد
 اتنا نمی رود قدم چو شتر یکے
 ہر بار ضعف دست و دل از کار می برد
 چالش پے لب رسید و نہ عشقی دچار میر
 رخصت سفر ز کوئے تو ناچار می برد

میں فرط شوق میں بہت پھرا ہوں، اب اسے کاش
 مجھے دلبروں کے سر کے گرد پھرائیں
 صنم کی خدمت میں اسے راہبہ نصیحتیں کی
 اہل صومعہ اسے پوچھیے وہ مسلمان ہیں
 قدسی، صائب اور طہرا کی خوبت گزرنی
 اس زمانے میں سب میر کا دیوان پڑھتے ہیں

۱۸۳

خرام ناز سے ہوش ایک بار اڑا لیتا ہے
 اور وہ نیم مست چشم دل کو پوانہ کر دیتی ہے
 میں بے دماغ اور ہر سحر عندلیب کی آواز
 دل کے دامن کو گلزار کی طرف کھینچتی ہوئی لے جاتی ہے
 اس شاع کے ساتھ اگر بازار کی طرف جاتا ہے
 دل کو ایک لگاؤ میں فریاد سے لے اڑتا ہے
 خانقاہ والوں (کے پاس) سے اس کا دامن کشاں گزرتا
 کئی ہزار فرقوں کو بازار میں لے جاتا ہے
 ابھی اس نے زندہ چھوڑ دیا ہے مگر بعد میں دیکھتا
 کب تک محض غم یار کے ہاتھوں سے جان بیچا لاتا ہے
 یارب دنیا کیا جگہ ہے کہ اس منزل سے آدمی
 خاک میں اپنے ساتھ ہزاروں حسرتوں کو لے جاتا ہے
 ایک روز میں ہزار بار کسی کے در کا شوق
 اس پا شکستہ کو دست ہدیہ ار لے جاتا ہے
 لیکن میرا ایک سے زیادہ قدم نہیں بڑھتا
 ہر بار تا توانی دست و دل کو معطل کر دیتی ہے
 اس کی جاں ہونٹوں پر آگنی لاد تو میر سے ڈچار نہیں ہوا
 ناچار (وہ) حیرے کو سچے سے رشتہ سفر اٹھاتا ہے

۱۸۳

گریہ چوں شیشہ در گلو دارد
 دل نہ دایم چہ آرزو دارد
 گل و آئینہ و مسدود خود شید
 ہر کسے رو چہ سوئے او دارد
 لعل ہے کہ می زند بر سنگ
 پیش لب ہائے او چہ رو دارد
 سایہ اش با پری چہ ہر گاہے
 از صحر تا کنگلو دارد
 چوں زید در زمان ہے لطفی
 آن کہ با انکحات خو دارد
 چرخ یارب نمی رسد جاسے
 از ہر اے کہ جہتو دارد
 چہ مرہ بیت است چوں گوہر
 ہر کہ یک قطرہ آہرہ دارد
 جہم بر خاک ہیر خواہد ریخت
 یار از آن سے کہ در سبہ دارد

۱۸۵

لکھم با تہ کار آشنا ہوں
 چہ ہر مشت غبارے کبریا ہوں
 چہ می پری کہ ہر روئے جہانی
 نگاہے ہوں لیکن بے وفا ہوں
 ر بلبل در گلستان یادگارے
 ہر چہے لہجے در قفا ہوں
 سرگم ہر سر پودانہ رستم
 کلبہ خاکستر گرے چہ ہا ہوں

۱۸۴

صراتی کی طرح (اس کے) گلوں میں آنسو ہے
میں نہیں جانتا دل کیا آرزو رکھتا ہے
گل اور آئینہ اور مد اور غور شید
یہ سب اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں
بے حقیقت نعل وہ پتھر پر مار دیتا ہے
اس کے لبوں کے سامنے کیا قدر رکھتا ہے
اس کا سایہ ہر قدم پر پری کے ساتھ
ناز سے گھنگھو کرتا ہے

نامہربانی کے زمانے میں کیسے زندہ رہے
وہ جسے کمالیات کی عادت پڑی ہوئی ہو
آساں یارب منزل تک نہیں پہنچتا
(وہ) کس کی جستجو کرتا ہے

(اس نے اسے) گہر کی طرح گہ میں باندھ لیا ہے
جس کے پاس بھی ایک قطرہ آبرو ہے
میر کی خاک پر ایک گھونٹ چھڑکنا چاہیے
یار اس شراب سے جو تیرے سہو میں ہے

۱۸۵

میری نگاہ کام کی اصل سے آفاقی
ہر منہی بھر غبار میں خدا تھا
کیا پوچھتا ہے کہ جوانی میں ہر دن
ایک محبوب (بیتھر) تھا مگر بے وفا تھا
بلبل کی گلستان میں نکلتی

اے نسیم (بارغ کے) پچھلے حصے میں چند پر (باقی) رہ گئے تھے
صبح کو پروانے کے پاس گیا
گرم کلبہ خاکستر موجود تھی

چہ صد خونِ جگر من چیشِ بدم
 وگرنہ شہرتِ مجھوں جا بود
 غلطِ کرم کہ وا بوسیدم از خود
 نہ راستم در ایں قالبِ خدا بود
 مگر در خافت دستِ نشانہی
 کہ صد چراغِ نیکاں تھا بود
 تو اے سرمایہ ہستی چہ ہستی
 کہ غلطِ گفت از بہر تو نابود
 نہ دیم میر را در کوئے او یک
 غبارِ باتوانے با صبا بود

۱۸۶

دوشم بے بید لرزہ چہ جسمِ خوار بود
 خود جسمِ من نہ بود دلِ بے قرار بود
 بکشتِ خورد عشقِ زبردستِ عاقبت
 بازوئے من کہ بائشِ ناز نگار بود
 بہر کسے کہ مشتِ غبارم چہ بادِ رفت
 او ز لب نہ گفت کہ ای چہ مزار بود
 روزے ہزار مرتبہ از جاں گذشتہ ام
 راوِ جدائی تو چہ مشکلِ گزار بود
 بارے دلمِ مسوری و آسودہ ساختی
 جان چہ لب رسیدہ در ایں انتظار بود
 تا بودہ ام ز وقتِ خودآگاہ بودہ ام
 دسم چہ کار بود و دلِ من چہ بار بود
 چاہے کہ خازنِ خودارِ گشتہ است
 دیروز اے ستم زدہ ای چہ بہار بود

جگر کو سوخون کر کے میں آگے آ گیا
 درد نہ بھٹوں کی بلا کی شہرت تھی
 میں نے لفظ کیا کہ خود سے روگردانی کی
 یہ نہیں سمجھا کہ اس قالب میں خدا تھا
 ضرور خانہ میں تو نے (کاج وقت) ہاتھوں کو جنبش دی ہے
 کہ پارساؤں کی قبا میں مسد چاک تھیں
 تو اے سرمایہ ہستی کیا ہستی ہے
 کہ ایک دنیا تیرے لیے فنا ہو گئی
 میر کو اس کے کوپے میں دیکھا نہیں، لیکن
 ایک ناتواں غبار صبا کے ساتھ تھا

۱۸۶

کل رات جسم ناتواں پر بید کی طرح لرزہ طاری تھا
 خود میرا جسم نہ تھا، دل بے قرار تھا
 عشق زبردست نے آخر کار توڑ ڈالا
 میرا پاؤں (جو) کہ محبوب کا ہاتھ ناز تھا
 جس کے لیے میری مشت غبار ہوا میں اڑی
 اس نے زیر لب (بھی) نہیں کہا کہ اس جگہ مزار تھا
 ہر روز ہزار مرتبہ (میں) جان سے گزرتا تھا
 حیرتِ جدائی کی راہ کتنی مشکل گزار تھی
 آخر کار مجھے چہرہ دکھایا اور آسودہ کیا
 لبوں پر آئی ہوئی جان اسی انتظار میں تھی
 جب تک زندہ تھا اپنے زمانے سے خود آگاہ تھا
 میرا ہاتھ کام میں لگا تھا اور میرا دل پار میں لگا تھا
 اس جگہ کہ (جہاں) خارزار نمودار ہو چکا ہے
 کل اے ستم زدہ اس جگہ بہار تھی

تا چشم خویش باز نمایم خراب گشت
 بنیاد قصر عمر چه تا پائیدار بود
 کردی جنا و جور پہ طرے کہ شد ہلاک
 ہر چند میر طرح کش روزگار بود

۱۸۷

مستقر عشق می داند کہ سودا می کند
 دیدن طفلان تہ بازار رسوا می کند
 کعبہ خود دارد طلب کاعد بیاباں واقع است
 کام می جوید دل از دے سخی بے جای کند
 دل اگر این است کار از دست خواهد رفت میر
 از سپیدن ہر نفس ہنگامہ بر پا می کند

۱۸۸

از سر مژگان، نہ تنها در طعت غوں می رود
 آں چه در دل داشتہ از دیدہ پیروں می رود
 گرچہ ہر لحظہ من شکوہ دیریدہ است
 نیم جانے دارم آں ہم بے تو آکتوں می رود
 آہ از آں عاشق ستم آخر چه می خواهد کہ میر
 می کشد آزار بیارے و مضمون می رود

۱۸۹

زندگانی کہ اعتبارے بود
 در فرقتں چہ دوش بارے بود
 شد چہ ہر شاخ ماتم بلبل
 باغ کوئی کہ سبزوارے بود
 کوکبن مفت جان شیریں داد
 سخت ناآزمودہ کارے بود

جب تک اپنی آنکھ دوبارہ کھول، اجڑ گیا
 قصر عمر کی بنیاد کتنی نا پائیدار تھی
 تو نے جفا اور ظلم اس طرح سے کیا کہ ہلاک ہو گیا
 ہر چہ کہ میرے روزگار کا فرماں بردار تھا

۱۸۷

عشق میں غم اٹھانے والا جانتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے
 بازاری لڑکوں کا دیکھتا رسوا کرتا ہے
 کعبہ خود طلب رکھتا ہے کہ وہ بیاباں میں واقع ہے
 اس سے دل کی مراد مانگتا ہے، بے جاسوسی کرتا ہے
 دل اگر یہی ہے میرے کام ہاتھ سے نکل جائے گا
 تڑپ کر ہر سانس کے ساتھ ہنگامہ برپا کرتا ہے

۱۸۸

حیرے غم میں صرف غنوں ہی چکوں سے نہیں بہتا ہے
 جو کچھ دل میں رکھتا ہوں، آنکھوں سے باہر آ جاتا ہے
 میرا ہر وقت کا رونا پرانا شکوہ ہے
 نیم جان رکھتا ہوں، حیرے بغیر اب وہ بھی جا رہی ہے
 آہ اس عاشق پر ستم کرنے والے سے میرا آخر کیا چاہتا ہے کہ
 بہت زیادہ آزار اٹھاتا ہے اور مضمون (ہو کر) جاتا ہے

۱۸۹

زندگی کے ایک اعتبار تھی
 اس کے فراق میں بارودش ہو گئی
 ہر شاخ پر بلبل کا ماتم تھا
 باغ تو کہے کہ سبز دار تھا
 کوکبن نے جان شیریں مفت میں چھوئی
 بہت نا تجربہ کار تھا

کرو یکساں بہ خاکِ گور مرا
 آن کتبِ خاک یادگارے بود
 نے مجیدے و نے گرفتہ شدے
 چشم از اہی دل عزتِ یارے بود
 سامعِ آن نہالِ گلشنِ حسن
 گوینا سیم شاخِ دارے بود
 زندگی عاجزانہ کرد و بمرود
 میر درویشِ خاکسارے بود

۱۹۰

راو دل ہر کہ کند سر جگرش باید کرد
 در نختیں قدمے ترک سرش باید کرد
 گر چہ تدبیر گھستہ دل از او ہم نہ شود
 لیکن از حال خرابم خبرش باید کرد
 حیف باشد کہ رود دل پے لعل و یاقوت
 میر خوش رگی گل برگ قرش باید کرد
 قابلِ صحبتِ آن مہرچہ ہر کس نہ بود
 شیخ را حلقہٴ حیرانِ درش باید کرد
 چند چوں موسے شب و روز بہ خود وچیدن
 دست اگر دست وہ در کمرش باید کرد
 ہر کہ چشمانِ ترا مائلِ خود می خواہد
 اذّن از ہم قطعِ نظرش باید کرد
 ہر کہ میر بود قصدِ بہ چشمِ آمدنے
 تاپ دل صرف بہ کسبِ ہنرش باید کرد

مجھے خاکِ گور کے برابر کر دیا
وہ کتبِ خاک یادگار تھی
نہ تپش رکھتا تھا اور نہ رنجیدہ رہتا تھا
اس پہلے دل، ایک عزیز دوست تھا
اس حسن کے گلشن کے نہال کا بازو
گو یا سیم شاخ دارا تھا
عاجز اندر زندگی کی اور مر گیا
میرا ایک خاکسار درویش تھا

۱۹۰

جو بھی راوِ دل سر کرنا (چاہتا) ہے اس کو حوصلہ پیدا کرنا چاہیے
پہلے قدم پر اپنا سر رکھ کرنا چاہیے
اگرچہ گلستِ دل کا ہوا اس سے بھی نہیں ہوگا
لیکن میرے حالِ خراب کی اس کو خیر کرنی چاہیے
خف ہوگا کہ دلِ فعل و یا قوت کی جستجو کرے
اس کے تازہ گل برگ کی خوش رنگی کی سیر کرنی چاہیے
اس مرغِ بچہ کی صحبت کے قابل ہر کوئی نہیں ہوتا
شیخ کو اس کے در کے چلتے سے باہر نکال دینا چاہیے
دلف کی طرح رات دن خود سے الجھنا کب تک
ہاتھ اگر ساتھ دے اس کی کمر میں ڈالنا چاہیے
جو بھی تیری آنکھوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے
سب سے پہلے اس کو اور سب سے قطع نظر کرنا چاہیے
جس کو بھی (اس کی) دکا ہوں میں آئے کا شوق ہے
دل کی توانائی کو اس کے ہجر کو سیکھنے میں صرف کرنا چاہیے

۱۹۱

درد منہ سے کہ عشق غو اُفتاد
 یا غم و درد کار او اُفتاد
 رشتہ الفت بہت آخر کار
 ہم چو زگار در گلو اُفتاد
 دیدن او یہ حشر ہم رحمت ست
 طبع شوش بہانہ جو اُفتاد
 زلف بکھو، فتنہ اسے برخاست
 چشم جنوں ہائے و ہو اُفتاد
 قدہ برافراشتے، قیامت شد
 گام برداشتے، غلو اُفتاد
 نامہ ام چوں پر فتادہ یہ راہ
 در دیار تو کو یہ کو اُفتاد
 جملہ تن گوش شو کہ واسطہ شہر
 بر زباں ہا ز مکتلو اُفتاد
 سینہ معلوم ی شود خالی ست
 تا چہ از دیدہ ام فرد اُفتاد
 پہلون ام یہ فن شعر اسے میر
 ہر کہ شد روئے ہم، یہ رو اُفتاد

۱۹۲

موزن سحر کہ اداں می دہد
 نجائب اذیت از آن می دہد
 چرا ہم نہ مردم کہ ہر سالکے
 بھائے من او را نکاں می دہد
 چہ آن لعل امید بہ می خودم
 اگر مرگ چلے اباں می دہد

۱۹۱

وہ درود مند جو عشق کا نور ہو گیا
 اس کا کام درود اور غم سے بڑا
 بت کی الفت کا رشتہ آخر کار
 دہار کی طرح گلے میں پڑ گیا
 حشر میں بھی اس کا دیدار ایک فریب ہے
 اس کی شوخ طبع بہانہ جو ہو گئی ہے
 زلف کھولی اور ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا
 آنکھ اس کی دیکھنے سے ہائے وہو شروع ہو گئی
 کھڑے ہونے سے قیامت ہو گئی
 قدم اٹھانے سے غوغا مچ گیا
 میرا خط راستہ میں پڑے ہوئے پر کی طرح
 تیرے دیار میں کو کب پڑا رہا
 ہر تن گوش ہو کہ واعظ شہر
 (اپنی) گفتگو سے بدنام ہو گیا ہے
 سینہ خالی (خالی) معلوم ہوتا ہے
 میری آنکھوں سے کیا گر گیا ہے
 اے میرے فن شعر کا پہلوان ہوں
 جو بھی میرے سامنے آیا منہ کے بل گرا

۱۹۲

مولیٰ صبح کے وقت اذان دے رہا ہے
 اس سے عجیب الفت پہنچا رہا ہے
 میں کیوں گم نہ ہو جاؤں کہ ہر سالک
 میرے بہائے اُس کا پتہ بتا رہا ہے
 اس امید کے چڑ سے چھل کھاؤں
 اگر موت کچھ دن امان دیتی ہے

مکیر یہ نام ہے خوش
پے خوش بتاں بندہ جاں می دی
چہ ایسی کم زبانی بسیار میر
زباں آوراں را زباں می دی

۱۹۳

در ملک دل و کثرت شوقش فزود شد
چشم قرم بکیرۂ عسراخورد شد
دارد نظر بہ سرمہ بہت شوخ چشم من
کیساں شدن چہ خاک سیاہم ضرور شد
وا شد گرہ ز گیسوئے او، فتنہ سر کفید
در جنبش آمد آں لب شیریں و شور شود
اقلند پردہ از رخ و نورے نمود کرد
مژگان ہم زد از رو شوخی، ظہور شد
کارم خراب کردہ پستی دل است
ہر دم ساجت از حد و شرم حضور شد
مقصود بود خدمت معقول فتح یک
از من نیامد، آہ چہ سازم، قصور شد
در کینہ میر صرف یادان عہد نیست
ہر کس کہ خیز جانب او دید، کور شد

۱۹۴

گردش زکس مست تو شب آزارم کرد
تا سحر ہم نفس گریہ سرشارم کرد
موجب خواہش بسیار نہ دل گشت و نہ چشم
دیدن گرم تو اسے شوخ طلبکارم کرد
ناواں مستم و بر بستر غم اقام
آرزومندی دیدار تو بنام کرد

میرے سامنے کسی بت کا نام نہ لیں
خوبصورت جنوں کے لیے بندہ جان دیتا ہے
اتنی زیادہ کم زبانی کے باوجود پھر
زباں آوروں کو زبان سکھاتا ہے

۱۹۳

ملک دل میں اس کے شوق کی زیادتی سے شورش برپا ہوئی
میری چشم تر وہ سمندر بن گئی جسے پار کرنا مشکل ہے
میرا بت شوق چشم سرے کی خواہش رکھتا ہے
مجھے خاک سیاہ سے یکساں ہونا ضروری ہے
اس کے گیسو سے گرہ کھلی اور نچنے نے سراٹھایا
وہ لب شیریں جنبش میں آئے اور شور برپا ہو گیا
اُس نے رخ سے پردے کو اٹھایا اور ایک نور ظاہر ہو گیا
اس نے شوقی سے پتھوں کو طایا اور ظہور ہو گیا
ہمارا کام دل کی بے تابی کا شراب کیا ہوا ہے
ہر وقت کی منت حاجت اس کی حیا کی (عجز برداشت) سے زیادہ ہو گئی تھی
شیخ کی معقول خدمت مقصود تھی لیکن
افسوس مجھ سے نہیں ہوئی، کیا کروں، قصور ہو گیا
میر کی دھننی میں یارمان مہد کا قاعدہ نہیں ہے
جس نے بھی اس کی طرف دھننی سے دیکھا، اندھا ہو گیا

۱۹۴

تیری فرس مست کی گردش نے رات مجھے آزار دیا
صبح تک (اس نے) مجھے گریہ سرشار کا ہم غم بنادیا
بہت زیادہ خواہش کا موجب نہ دل ہوا نہ آنکھیں
چھ قریب سے دیکھنے نے اسے شوق مجھے طلب گار کر دیا
تا تو اس ہو گیا اور بستر غم پر گر گیا
چھ دیکھنے کی آرزو نے مجھے تیار کر دیا

رفتم از خویش و فراغت ز دو عالم کردم
 بے خبر بودن از آرام، خبردارم کرد
 کاش می داشتم اے میرِ زباں را در کام
 آخر این زمزمه صبح گرفتارم کرد

۱۹۵

غوش باشد اگر قصدِ جفا داشته باشد
 آن رفت که سر بر سر ما داشته باشد
 من ہم جگرے داشتم از تنگ که غوں شد
 عشق است کسے را که وفا داشته باشد
 رامے تھوں برد بہ سر کوچہ زلفش
 ایس بخت مگر باد صبا داشته باشد
 از فتن شہیدے کہ رود در تھوں یافت
 کایں گشتہ بہ دل از تو چہا داشته باشد
 ہر وقت بھوے بہ در او تھوں برد
 ایس نیست نوازے کہ قضا داشته باشد
 داوے کنم اے لالہ زخاں با دل پرداغ
 انصاف اگر شہر شہر داشته باشد
 با خاک برابر شدن میر دلیل است
 اغلب کہ سر آں کف پا داشته باشد

۱۹۶

سرگزشت من ادا از ہر زبانے می شود
 ایس حکایت رفت رفت داستانے می شود
 مگر بہ ایس اعجاز خود را می نماید چند روز
 خال رخسار تو اے مہ داغ جانے می شود
 ایں نہ چہداری کہ غواہی شد بہ جہری ناتواں
 قاصد غم گشتہ ہم بار گرانے می شود

میں خود سے بے گانہ ہوا اور وہ عالم سے فراغت پالی
آرام سے بے خبر ہونے نے مجھے خبردار کر دیا
کاش اسے میر میں زبان کو منہ میں رکھتا
آخر اس صبح کے دم سے نے مجھے گرفتار کر دیا

۱۹۵

اجھا ہو گا اگر وہ جفا کا قصد کیے ہوئے ہو
وہ (وقت) گزر گیا کہ میرے سر پر سر رکھے ہوئے ہوتا تھا
میں بھی پتھر کا پتھر رکھتا تھا جو کہ خون ہو گیا
اس پر شاہش ہے جو وہاں رکھتا ہو
اُس کے کوچہ زلف میں راستہ نہیں پاسکتے
ایسا نصیب (صرف) بادِ صبا کو ہی ملا ہے
شہید کا جنازہ (تیرے کوچے سے) ڈک ڈک کر گزر رہا ہے
کہ یہ دل کا مارا ہوا تھوڑے کیا کیا (خواہش) رکھتا ہو گا
ہر وقت اس کے دروازے پر سجدہ نہیں کر سکتے
یہ نہا نہیں ہے کہ قضا ہو سکتی ہے
اسے لالہ رخاں میرے دل پر داغ سے انصاف کرو
اگر تمہارے شہر میں انصاف ہوتا ہو
میر کا خاک کے برابر ہونا (اس بات کی) دلیل ہے (کہ)
ضرور (وہ) اس کف پا کی خواہش رکھتا ہو گا

۱۹۶

میری سرگزشت ہر زبان سے ادا ہو رہی ہے
یہ حکایت رفتہ رفتہ داستانِ بن رہی ہے
اگر (تو) اس انداز سے خود کو چند روز دکھاتا رہے گا
اسے میرے رخسار کا گل، جان کا داغ ہو جائے گا
یہ مت گمان کر کہ بڑھاپے میں ناتواں ہو جائے گا
جھکا ہوا قد بھی بارگراں بن جاتا ہے

ڈرہ ڈرہ خاک من لبریز شور عشق دوست
 چوں بزم می آید ایں اجڑا جہانے می شود
 در فکر قدر بلندے دارم از بجز و نیاز
 ایں زمین پست روزے آسمانے می شود
 دل قوی دارید رنغاں، شیخ شادہ باز شد
 عاقبت ایں بے حقیقت قلعہاںے می شود
 از نیاز ہر زمان میر می دایم ما
 کہ ایں جوان رفتہ خاک آستانے می شود

۱۹۷

شیوہ است در سادگی نحو ناز و استغنا نہ بود
 حالے برباد می رفت و ترا پروا نہ بود
 عہد خلعت خوش کہ با رم آشنایت کردہ است
 گفتگوئے لطف آمیز ایں چمن با ما نہ بود
 آں چناں مستم کہ گم مستم ولے سودے نہ داد
 گوہر نایاب مطلب بچ جا پیدا نہ بود
 تاب با خوردم کہ دستم داد مقبولی خلق
 ورنہ رہ چوں رشتہ تسبیح در دل ہا نہ بود
 کرد از چشم تراوش آں چہ در دل داشتم
 جوئے خشک القادۃ من دوشتر دریا نہ بود
 آسمان از سفلی کم کرد ما را ناگہاں
 جائے ما پیدا در ایں جا بود و ما را جان نہ بود
 ایں چہ واقع شد کہ از دامن گدشتش چاک جیب
 در بہار رفتہ خود میر ایں قدر رسوا نہ بود

میری خاک کا ذرہ ذرہ اس کے عشق کے جنون سے بھرا ہے
 جب یہ اجزا اکٹم آتے ہیں، ایک دنیا بن جاتی ہے
 مجز و نیاز (کی وجہ) سے نظروں میں بلند قدر رکھتا ہوں
 یہ پست زمین ایک روز آسمان ہو جائے گی
 رنہ دل مضبوط رکھو، شیخ شاہد بازار ہو چکا ہے
 یہ ذلیل آخر کار عورتوں کا دلال بن جائے گا
 میر کی ہر وقت کی آرزو مندی سے ہم کہتے ہیں
 یہ رفت جوان کسی آستان کی خاک ہو جائے گا

۱۹۷

سادگی میں حیرانیدہ ناز و استغنا کے سوا کچھ اور نہیں تھا
 ایک دنیا بر باد ہو گئی تھی اور تجھے پروا نہیں تھی
 تیرے محلِ نکل آنے کا زمانہ اچھا ہے کہ (اس نے) میری دم سے آشنائی کرا دی ہے
 (پہلے) ہم سے اس طرح کی لطف آمیز باتیں نہیں تھیں
 اتنا بھرا کہ گم ہو گیا مگر کوئی لاشعور نہیں ہوا
 مطلب کا گوہر نایاب کہیں نہیں نظر آیا
 بہت تکلیفیں اٹھائیں تب جا کر مجھے غفلت میں مقبولیت حاصل ہوئی
 وگرنہ تسبیح کے دھاگے کی طرح دلوں میں روا نہیں (بن سکتی) تھی
 جو کچھ دل میں رکھتا تھا میری آنکھوں سے نپٹے لگا ہے
 میری خشک پڑی ہوئی نہر پہلے سمندر نہیں تھی
 آسمان نے کمینگی سے ہمیں اچانک گم کر دیا
 یہاں پر ہماری جگہ بن گئی تھی اور ہمارے لیے جگہ نہیں تھی
 ایسا کیا پیش آیا کہ اس کے گریباں کا چاک دامن سے گزر گیا
 ہچکلی بہار میں تو میرا تھکا رسوا نہیں ہوا تھا

۱۹۸

دو روزے شد کہ دل از غم قیامت در جہاں دارد
فکاح و نالہ و شور از زلزل تا آسماں دارد
کرا راہ است در ہزم خوشش کز من بہ او گوید
فقیرے جلد تن آرد، سر بر آسماں دارد
بہ دوش فیر دست آگندہ دیر استادہ ی باشد
نشیند چن بہ من، شمشیر و خنجر در میاں دارد
دل استقلال ظاہر ی کند در عین بے تابی
ہانا اضطراب خویش را از من نہاں دارد
بہ عہد ست گل دل را چہ بند کس در این گلشن
کہ این محبوب کم گو خود زباں زیر زباں دارد
نہ خواہد لرزہ رفت از مصیبت او تا دم محشر
شہید زخم تیر این جفاکاراں نشاں دارد
ز ضعف و ناتوانی بار خاطر بیستم ہر گز
نہ دامن آں ستم گر از چہ بر من سرگراں دارد
نمی دامن کہ در شہر نگہ رویاں چہ رسم است این
کہ گر کس نام مہر این جا بگیرد، تریجاں دارد
بیا اے ہم نشیں گر دیدن میر آرد و داری
ہنوز آں رفتی در جسم غم فرسود چاں دارد

۱۹۹

برگ گلے بہ دست ز گلشن صبا رسید
یعنی محطے ز کوچہ آں بے وفا رسید
گل گل گرفتہ است چمن موسم گل است
ساتی تو ہم بیا کہ دماغ ہوا رسید

۱۹۸

دو دن ہوئے کہ دل نے غم سے دنیا میں قیامت اٹھا رکھی تھی
 فحاش اور نالہ اور شور و زخم میں سے آسمان تک کر دکھا تھا
 کہ اس کی بزمِ خوش میں رسائی ہے کہ وہ اس سے میرے بارے میں کہتا
 ایک فقیر، سراپا افسردگی، آستان پر سر جھکائے ہوئے ہے
 طیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھے دیر تک کھڑا رہے گا
 میرے ساتھ جب بیٹھتا ہے شمشیر اور خنجر ورمیاں میں رکھتا ہے
 دل بین بے تابی میں ٹھکی نکلا کر کرتا ہے
 یقیناً یہ اپنا اضطراب مجھ سے پوشیدہ رکھتا ہے
 گل کے بے ثبات وعدے پر دل کو کون اس کلشن سے لگائے
 کہ یہ کم گو محبوب خود زبان زیر زبان رکھتا ہے
 زلزلہ اس کی قبر سے دمِ محشر تک نہیں جائے گا
 ان جھٹکاروں کے تیر کے دھم کے شہید کی پہچان یہ ہے
 ضعف اور ناتوانی سے ہرگز ہار خاطر نہیں ہوں
 نہیں جانتا وہ ستم گر کس وجہ سے مجھ سے سرگراں رہتا ہے
 نہیں جانتا کہ خوبصورت لوگوں کے شہر میں یہ کیا رسم ہے
 کہ اگر کوئی یہاں محبت کا نام لے۔ (اے) جرماند دنیا پڑتا ہے
 اے ہم ٹھیس آ اگر میر کو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے
 ابھی تک وہ جانے پر مجبور، غم سے تہاہ جسم میں جان رکھتا ہے

۱۹۹

صبا کلشن سے برگ گل ہاتھ میں لیے آئی
 یعنی اس بے وفا کے کوچے سے خط پہنچا ہے
 چمن طرح طرح کے رنگ میں کھلا ہے، موسم گل ہے
 ساقی تو بھی آ جا کہ آرزو کا نقشہ چھو گیا ہے

پیکاریش نہیں ہے قبول زودست حرف
تا آن زماں کہ دھم تھکے ہے ما رسید
خیران داغ لالہ ام این خام دست را
میراٹ سید سونگیاں از کجا رسید
درویشم و دلم ہے نیازے خوش است میر
قربان آن سرم کہ کسے را ہے پا رسید

۲۰۰

یا رحم در دل تو خدائے جہاں وہ
یا طاقتِ کھلیب ہے این ناتواں وہ
دل رفت و لچج جائے سرافش نہ یا نعم
یارب کسے ز گم شدہ من نکاں وہ
صد سال ی توایں ہے امید وصال زیست
گر ہے قمرائی شبِ بھراں اماں وہ
خردن ہے دوری تو وہ جانِ تازہ اسے
میرم ز رنکبِ آن کہ جدا از تو جاں وہ

۲۰۱

از معارضِ خطِ خوب تو فرامی داری
خطِ خوبانِ دگر پائے کھانے داری
آتشم زد ہے دل اسے لالہ نکل آئی تو
درد ہر سوختہ جاں یک دو سر دانے داری
خاکِ دلِ خوں شدہ داغِ وفا خواہ بود
ترچہ کاغذ ہے سر از لالہ چرانے داری
از سحرِ کوچہ آن زلفِ گزشتہ است مگر
کہ کیم سحر اسے میرِ دمانے داری

اس کی پرکاری دیکھ بندو قبی سے باتیں کرتا رہا
 جتنی دیر میں کہ نہیں بندو قبی کا دھم لگے
 لالہ کے داغ پر حیران ہوں کہ اس خام دست انک
 سینہ سونگنوں کی میراث کہاں سے پہنچی
 میر میں درویش ہوں اور میرا دل مجھ سے خوش ہے
 اس سر پر قربان جو کسی کے پاؤں پر جھک گیا

۲۰۰

یا تیرے دل میں خدائے جہاں رحم دے
 یا اس باتوں کو صبر کی طاقت دے
 دل چلا گیا اور کہیں اس کا سراغ نہیں پایا
 یا رب کوئی میرے گم شدہ کا پتہ بتائے
 وصال کی امید میں سو سال جی سکتے ہیں
 اگر شبِ ہجرتی بے قراری امان دے
 تیرے فراق میں سر جانا نئی زندگی بخلتا ہے
 اس پردہ شک سے مرنا ہوں جو تجھ سے دور رہ کر جان دیتا ہے

۲۰۱

تیرے خوش نما خط کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں
 دوسرے معشوقوں کا خط گھسیٹ کر نکلی ہوئی تحریر کی طرح ہے
 اے لالہ تیری کم ظرفی نے میرے دل میں آگ لگا دی
 درد ہر دل چلا چند داغ (تو) رکھتا (ہی) ہے
 وفا کے غم میں دل کا خون کرنے والے کی خاک ہوگی
 کہ اس کی تربت کے سرہانے لالہ کا چراغ ہے
 شاید اس دلف کے کوچے سے گزری ہے
 کہ اے میر نسیم سر کا داغ نہیں مٹتا

۲۰۲

گر چہ روئے گلِ نودا شدہ دیدن دارد
 نالہ مرغِ چمن نیز شنیدن دارد
 این کنارم کہ لہاب ز بر و دوش تو بود
 حالیا کار چہ خمیازہ کشیدن دارد
 پنداش نیز چو عاشق بہ گریبان خود است
 گل ہم آیا ہوے جیبِ دریدن دارد
 ہر زماں تا مژدہ می آید و بر می گردد
 این دلِ غولِ شدہ انداز چکیدن دارد
 من عزادارِ شیکہائیِ مرحوم میر
 بر دلِ من لے چند بریدن دارد

۲۰۳

نومید ز جاں گشت بہ ہر کس کہ نگہ کرد
 این چشمِ سیاہ تو بے خانہ سیہ کرد
 یک صبح نہ شد با رخِ خوب تو برابر
 ہر چند کہ گلِ مشورہ شب با بہ نگہ کرد
 شد کشتہ بہ سر کوچہ او میر چہ خواری
 معلوم نہ گردید کہ مسکین چہ گنہ کرد

۲۰۴

در محبتِ محنتِ بسیار می باید کشید
 بہر یک نظارہ صد آزار می باید کشید
 بے ترشحِ ہادہ گلِ رنگ بے کیفیت است
 دامنِ ابرے سوئے گلزار می باید کشید
 چہرہ زبائے او من بعد خواہی نقش بست
 اول اے نقاشِ دستِ یار می باید کشید

۲۰۲

گرچہ سنے کھلے ہوئے پھول کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہے
 مرغِ چمن کا نالہ بھی سننے کے لائق ہے
 میری یہ آغوش کہ تیرے بدن سے بھری ہوئی تھی
 اب طہیازہ کھینچنے سے کام رکھتی ہے
 اس کا ہاتھ بھی عاشق کی طرح اپنے گریباں پر ہے
 گل بھی کیا کر یاں چاک کرنے کی حسرت رکھتا ہے
 ہر بار پتکوں تک آتا ہے اور لوٹ جاتا ہے
 یہ خوں شدہ دل بہہ نکلنے کا ارادہ رکھتا ہے
 میرٹھیں اپنے صبرِ مرحوم کا عزادار ہوں
 میرے دل پر (اعلہا فہم کے لیے) چند دھم ڈالنے کی ضرورت ہے

۲۰۳

جان سے ناامید ہو گیا جس پر بھی نگاہ کی
 تیری اس چشمِ سیاہ نے بہتوں کو بے خانماں کر دیا
 ایک صبح بھی تیرے غمِ بصورتِ چہرے کے جتنا (غمِ بصورت) نہیں ہوا
 ہر چند کہ پھول نے بہت سی راتوں کو (اپنے) رخسار سے مشورہ کیا
 میرا اس کے کوپے میں ذلت کے ساتھ مارا گیا
 معلوم نہیں ہوا کہ بے چارے نے کیا گناہ کیا تھا

۲۰۴

محبت میں بہت رنج اٹھانا چاہیے
 ایک نظارہ کے لیے سو آزار کھینچنا چاہیے
 ہلکی ہلکی بارش کے بغیر بادِ گل رنگِ بغیر کھینچتے کے ہے
 ایر کا دامنِ گلزار کی طرف کھینچنا چاہیے
 اس کے دریا چہرے کا بعد میں نقش بنانا چاہیے
 پہلے اسے نقاشِ یار کا ہاتھ کھینچنا چاہیے

نہا تا یاب و راہ چیتو دور و دراز
 پا چہ دامن ہم نشیں ناچار می باید کشید
 من نمی کفتم کہ از ناخن جبین خزش میر
 قدر دانے نیست دست از کار می باید کشید

۲۰۵

ہر کہ بر بستر فراق افتاد
 چشم او دیدہ ام چہ طاق افتاد
 شد مرا قدر عالیت معلوم
 کار دل چوں بہ اشتیاق افتاد
 دوش از پرتو رخ ساقی
 آتشے در سئے رواق افتاد
 میر و من دیر درد دل کریم
 چوں ملاقات اطلاق افتاد

۲۰۶

نہ شوی غزہ بر این ہستی تاسے چند
 کز عزیزان جہاں نیست بظہر تاسے چند
 کاش باد سحر این جا شدہ یک رہ برود
 کہ دامن ہم برساند بہ تو پچاسے چند
 جملہ تن خوں شدہ از دیدہ چکید آخر کار
 این دل خودمزم از یاری خودکاسے چند
 من و پروانہ و بلبل ہمہ یک جا جمعیم
 در گرفتہست ہم محبت پداسے چند
 تلخ او میر بود مطبوخہ مذاقم چوں شہد
 کاش بخوازم آن شوخ بہ دشاسے چند

مدھانا یاب اور جستجو کی راہ دور اور دور
اے ہم نصیب پاؤں کو دامن میں مجبوراً سمجھ لیتا چاہیے
میں نے کہا نہیں تھا اے میرے کہ تائن سے پیشانی پر غراں مت لگا
کوئی قدر دامن نہیں ہے، کام سے ہاتھ کھینچنا چاہیے

۲۰۵

جو بھی فراق میں ہستہ پر گرا
میں نے دیکھا ہے اس کی آنکھیں عالم خوار میں ہنسا رہیں
مجھے عافیت کی قدر معلوم ہوئی
دل کا کام جب تمنا سے بڑا
کل ساقی کے چہرے کے کلمے سے
منظرِ شراب میں ایک آگ لگ گئی
میر اور میں نے دیر تک دردِ دل بیان کیا
جب اٹھاتی سے ملاقات ہو گئی

۲۰۶

اس چند روزہ ہستی پر تجھے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے
کہ عزیزان، جہاں چند ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں
کاش ہاؤس اس جگہ سے ایک بار ہو کر گزرتی
کہ مجھ سے بھی چند پیغام تجھ تک پہنچاتی
تمام کا تمام نوح ہو کر آخر آنکھوں سے بہ نکلا
میرا یہ خودِ سرِ دل چند مطلب پرستوں کی دوستی میں
میں، پروانہ اور بلبل سب ایک جگہ جمع ہیں
چند بدناموں کو صحبتِ موافق آگئی ہے
اس کی تلخ باتیں میرے ڈانکے کے لیے مفت کے شہد کی طرح ہوں گی
کاش وہ شوق مجھے چند دشناموں سے نوازے

۲۰۷

ہزار چاک ہے ہر امن اہل دل دارند
 از این حریر قباہاں کہ خوش بر کارند
 برائے ہجرت یاراں ضرورت است اے کاش
 دو روز کشیے ما را بہ خاک سپارند
 رود ز خاطر مجنوں، جنوں مجنوں میر
 اگر بہ طور خودم چند روز بگذارند

۲۰۸

چشم تو غارت غرور شیخ و شاب کرد
 یک سرمہ داں شراب ہے را خراب کرد
 از بزم یار دوش پشیمان بر آمد
 امید لطف بود مرا او حجاب کرد
 سرمست در رسیدی و دست و بغل شدی
 قربان سے شوم کہ ترا بے حجاب کرد
 سے خود ہا رقیب شب و روئے ما نہ دید
 این پسر قتی دل ما را کہاب کرد
 اہل نظر سزد کہ دہانش قلم کنند
 چشم ترا کسے کہ بہ فرس حساب کرد
 شرح سلوک او چہ دہم چوں شدم بہ غیش
 زد دوش با مخاف و بر من خطاب کرد
 میر از غم تو قابل دیدن نہ مانده است
 نامت بہ گوش خورد کہ چشماں پر آب کرد

۲۰۹

مگر شود دہر گلستاں کہ تماشا نہ کنند
 غنچہ محبان تو ہرگز مژہ را وا نہ کنند

۲۰۷

اہل دل بھرا بہن پر ہزار چاک رکھتے ہیں
 ان ریشمی پوشاک پہننے والوں کی وجہ سے جو نہایت خوش اسلوب ہیں
 دوستوں کی مہرت کے لیے ضروری ہے اسے کاش
 دو دن میری فضل کو خاک کے سپرد نہ کریں
 میرے بھٹوں کا جنوں بھٹوں کے دماغ سے نکل جائے
 اگر چند روز اسے میری طرح رہنے دیں

۲۰۸

تیری آنکھ نے بوزھوں اور جوانوں کی محفل کو غارت کیا
 ایک سرمہ دان (بھر) شراب نے بھٹوں کو خراب کیا
 بزم یار سے کل (میں) پٹھیاں نکلا
 مجھے لطف کی امید تھی اس نے فطلی (کا اظہار) کیا
 تو نشے میں مست آیا اور ہم آغوش ہوا
 شراب کے قربان جاؤں کہ تجھے بے باک بنا دیا
 رقیب کے ساتھ رات شراب پی اور ہمارا چہرہ نہ دیکھا
 اس بے سرو قی نے ہمارے دل کو (ہلا کر) کباب کر دیا
 اہل نظر کو مناسب ہے کہ اس کی زبان قلم کر دیں
 جس نے تیری آنکھ اور فرس کو یکساں کیا
 اس کے سلوک کی شرح کیا کروں، جب (میں) اس کے سامنے آیا
 (اس نے) رقیب سے کاندھا ہلایا اور مجھے باتیں سنائیں
 میرے تیرے غم (کی وجہ) سے دیکھنے کے قابل نہیں رہ گیا ہے
 حیرانام کان میں پڑا (نہیں) کہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا

۲۰۹

اگر دنیا گلستاں ہو جائے (تو) کون نہیں دیکھے گا
 (مگر) حیرے غنچے نہ پاں ہرگز پلکوں کو نہیں کھولیں گے

در دیارے کہ وفا شیوہ اہل آں جاست
 رسم این است کہ میرند و قضا نہ کنند
 قندہ در زیر سر از دیدن پشای دارند
 گرچہ از شرم بخت چشم بہ بالا نہ کنند
 تازہ بچراغ حسن است نگہ رویاں را
 این ادا گر نہ بود در دل من چا نہ کنند
 موکشان سر آں زلف کسان عجب اند
 گر جراحت بشود زخم کہ پروا نہ کنند
 لعل جاں بخش تو ہر گاہ سخن آغازو
 لائق آں است کہ مذکور مسحا نہ کنند
 طبع کامان وفا طرف کسان اند اے میر
 کہ بجز مرگ بہ خود بچہ گوارا نہ کنند

۲۱۰

تا کار دل بہ چوں تو سراپا جفا فتاد
 بر خاک جملہ غم شدہ از دیدہ ہا فتاد
 سوئے دل و جگر سحر از آوہ سوزناک
 جست آتش و دیک نہ دلم کیا فتاد
 با من کسے کہ دید ترا، گفت از عجب
 کای گویہ از چہ راہ بہ دست گدا فتاد
 ی کشتش کہ گیسوئے پر بچہ او بلاست
 حرف نہ کرد کوش دل و در بلا فتاد
 در بزم مطربے غزل میر خواندہ بود
 زاد بہ سر در آمد و صوفی ز پا فتاد

۲۱۱

سرم بکاو سبک از شراب ی کردو
 طلوع کیف از این آفتاب ی کردو

اس دیا میں جہاں کے رہنے والوں کا شیوہ وفا ہے
 رسم یہ ہے کہ مر جاتے ہیں اور قضا نہیں کرتے
 (در اصل) سر میں چھپ کر دیکھنے کا سودا رکھتے ہیں
 اگرچہ شرم سے محبوب آنکھ اوپر نہیں اٹھاتے
 ناز اچھے پیرے والوں کے حسن کا انداز ہے
 اگر یہ ادا نہیں ہوتی (تو) میرے دل میں جگہ نہیں کرتے
 اس زلف کے سوکشاں کچھ عجیب لوگ ہیں
 دھم اگر ناسور ہو جائے (تو بھی) پروا نہیں کرتے
 حیران حال جاں بخش جس وقت بات شروع کرے
 مناسب یہی ہے کہ سبھا کا (اس وقت) ذکر نہ کریں
 وفا کا طمع ڈال کر دیکھنے والے کیسے عجیب لوگ ہیں اسے میر
 کہ موت کے سوا اپنے لیے کچھ بھی گوارا نہیں کرتے

۲۱۰

جب سے دل کا کام تجھ جیسے سراپا جفا سے پڑا
 (وہ) آنکھوں سے تمام خوں ہو کر خاک پر گر پڑا
 دل اور نگہ کی طرف صبح آؤ سوزناک سے
 ایک آگ بلند ہوئی تھی لیکن نہیں جانتا کہاں پر گری
 جس کسی نے بھی تجھے میرے ساتھ دیکھا تجب سے کہا
 کہ یہ گوہر کس طرح سے (اس) گدا کے ہاتھ لگا
 میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کے گیسوے پر بیچ بلا ہیں
 دل نے میری بات نہیں سنی اور بلا میں گرفتار ہو گیا
 بزم میں مطرب نے میری غزل گائی تھی
 زاہد سر کے بل گرا اور صوفی لڑکھڑا گیا

۲۱۱

میرا دماغ صبح کو شراب سے چاقی دہر بند ہو جاتا ہے
 سرور اسی آفتاب سے طلوع ہوتا ہے

تو بر مراد دل غیر مست می گردی
 دلم ز آتش غیرت کباب می گردد
 ز موج خیزی بحر جہاں فریب مغرور
 کہ ایں محیط پہ یک دم سراب می گردد
 ہمیشہ گل ز رحمت سرخ و زرد می باشد
 مدام بادہ ز لعل تو آب می گردد
 ز حال میر چہ گوید کسے کہ آں بے کس
 پہ کوچہ تو پہ حال خراب می گردد

۳۱۳

برگمہ بہ شرح ہجر دل از کار می رود
 چشم چو میر وصل پہ طومار می رود
 سروے پہ جنبش آمد و من از فریب شوق
 پشاشتم کہ یار پہ گلزار می رود
 ہرگز نمی تھد بہ کسے چشم بے خودش
 مست گزارہ است و چہ ہشیار می رود
 حسن است و شور قصہ یوسف نہ خواندہ ای
 در آخر ایں محتاج پہ بازار می رود
 زمیں ز خاک مکتراں رستہ یک قلم
 حرفت ایں کہ حسرت دیدار می رود
 رہ می رود چناں کہ اثر نیست کلاہش
 ایں عمر برق جلوہ چو عینار می رود
 از میر پا شکستہ چہ آید کہ آں ضعیف
 تا کوئے یار دست پہ دیوار می رود

تو غیر کے دل کی خواہش پر شراب میں مست ہو جاتا ہے
میرا دل غیرت کی آگ سے (جل کر) کباب ہو جاتا ہے
دنیا کے سمندر کے طوفان اٹھانے سے طرب مت کھا
کہ یہ سمندر اچانک سراب بن جاتا ہے
پھول سدا تیرے چہرے کے سامنے شرمندہ رہتا ہے
شراب ہمیشہ تیرے ہونٹوں کے سامنے تاثیر کھودتی ہے
کوئی میسر کا حال کیا سنائے کہ وہ بے کس
تیرے کونچے میں خراب حال پھر تار رہتا ہے

۲۱۲

جب کبھی بھری تفصیل (بہان کرنے) میں دل ناکام ہو جاتا ہے
میری آنکھ مہر وصل کی طرح طومار باندھ دیتی ہے
ایک سرو حرکت میں آیا اور میں نے فریب شوق میں
گمان کیا کہ پارنگزار کو چارہا ہے
ہرگز کسی پر اس کی بے خود آنکھ نہیں پڑتی
نشے میں مست ہے اور کیسا ہوش میں جا رہا ہے
حسن ہے اور (تو نے) یوسف کے قصے کی شہرت نہیں سنی ہے
آخر کار یہ متاع بازار میں پہنچی جاتی ہے
زخمس بخنکروں کی خاک سے یک قلم آگ
کہا جاتا ہے کہ حسرت دیدار چلی جاتی ہے
اس طرح راہ چل رہی کہ اس کا پتہ (ہی) نہیں لگتا
یہ برق جلوہ حرکتی تجوی سے گزرتی ہے
میسر پاشنگ پر کیا گزری کہ وہ ناتواں
کوئے پارنگ دست بدلیج ار جاتا ہے

۲۱۳

و غم خلق میرد بہت نندہ دارد
 ترا حق تعالیٰ ہے زندہ دارد
 پے اش رود چشم تا می خرامد
 غرامش چه طرز خوش آئندہ دارد
 اگر سرخ و زرد است یا قوت شاید
 کہ لعل تو اش سخت شرمندہ دارد
 کیا مخلص می شود با من و تو
 دلے از جہاں ہر کہ بر کندہ دارد
 بہ رخسار او برابر نہ گروہ
 چه شد ماہ اگر روئے تابندہ دارد
 بہ ہر فرد موجود بالذات باشد
 خدا ہم نہ دائم چه با بندہ دارد
 دے چند با میر آوارہ ہنہیں
 عجائب مزاج پراگندہ دارد

۲۱۴

تسکین جان غم زدہ در تن نمی شود
 یعنی کہ ہے تو زیستن از من نمی شود
 تاریک دان سپہ من ہے رہن کسے
 دارد ہزار رخسہ و روشن نمی شود
 ریں لطف گاہ گاہ تو اے کام جان خلق
 با من کدام دوست کہ دشمن نمی شود
 نکل پر مکلف است دلے ہے تو ہرگز
 میان دل بہ دیدن گلشن نمی شود

۲۱۳

خلقِ ظم سے مرتی ہے اور تیرے لبوں پر فہمی ہے
 تجھے حق تعالیٰ بہت دنوں تک زندہ رکھے
 اس کے پیچھے پیچھے آنکھ پلٹی ہے جب تک وہ خراماں رہتا ہے
 اس کا خرام کتنا پیارا انداز رکھتا ہے
 یہ جو یا قوت سرخ و زردا ہے، شاید
 کہ تیرے ہونٹوں نے سخت شرمندہ کر رکھا ہے
 کب مجھ سے (یا) تجھ سے ملتا ہے
 (اپنا) دل جس نے دنیا سے اٹھالیا ہے
 اس کے رخسار کے برابر نہیں ہوا
 کیا ہوا اگر چاند کا چہرہ روشن ہے
 ہر فرد کے ساتھ موجود پالائے ہوتا ہے
 نہیں جانتا خدا بھی بندہ سے کیا چاہتا ہے
 کچھ دیر میرا آوارہ کے ساتھ چلے
 عجیب پرانگندہ حراج رکھتا ہے

۲۱۴

جانِ ظم زدہ کو بدن میں جھکن نہیں آتا
 یعنی کہ تیرے ظمیر زندہ رہتا مجھ سے ممکن نہیں ہے
 کسی کے چہرے کے بغیر میرے سینے کا تار پک وان
 ہزار روزن رکھتا ہے مگر روشن نہیں ہوتا
 تیرے اس گاہ گاہ لطف سے اے خلق کے معشوق
 کون (سا) دوست (ہے جو میرا) دشمن نہیں ہو جائے گا
 کل بہت زیادہ دعوت دے رہا ہے لیکن تیرے ظمیر ہرگز میرے
 دل میں گلشن کی سیر کی خواہش نہیں ہوتی

طبع تو گر بہ شمع نہ سازد بعید نیست
صحت برآر میر ز کون نمی شود

۲۱۵

بچ کارم میر حسب دعا در غم نہ شد
مردنے مرکز خاطر داشتیم آن ہم نہ شد
اے فلک طور ستم از دلبر من یاد گیر
ریخت خونی یک جہاں از ناز و ابرو غم نہ شد
نیست ہرگز جامہٴ احرام زاہد معتبر
ماند عمرے در حریم کعبہ و محرم نہ شد
از عصا و سیہ و سجادہ و صوم و صلوات
رو نمائے عالمے شد شمع و خود آدم نہ شد
جا بہ چشم مردماں چوں سرمہ کرد از بینا مجز
شد بہ خاک تیرہ یکساں میر و قدوش کم نہ شد

۲۱۶

عنقریب است کزیں ہے سرو سامانے چند
دائے چند چاہند و گریبانے چند
سینہ من کہ مشہک بہ نظر می آید
بے عذابا زوہ ام بر سر مژگانے چند
گردباد و من و مہنوں بہ طعت یک جا ایم
گشتہ چہاں چہ نقد ربط پریشانے چند
در رو شعر کسم راہ نما نیست مگر
حرفے چندے ست بہ یاد ز سخن دانے چند
وائے بر ما کہ در این دیر کہن بعد از مرگ
می گذاریم کعب خاکے و عصیانے چند

اگر تیری طبیعت شیخ سے نہیں ملتی، بعد نہیں ہے
 احق سے میرا دوستی نہیں بڑھ سکتی

۴۱۵

کوئی بھی کام میرا علم میں حسب مدعا نہیں ہوا
 ایک مرنا مر کوڑ خاطر رکھتا تھا، (سو) وہ بھی نہ ہوا
 اے فلک میرے دلیر سے قسم کا طریقہ دیکھ
 ناز سے ایک جہاں کا خون بہا دیا اور پرو (تک) تم نہیں ہوئے
 زائد کا جامہ احرام ہرگز معتبر نہیں ہے
 ایک مدت حرم کعبہ میں رہا اور محرم نہیں ہوا
 عصا، تسبیح، چادر، داور روزے نماز سے
 شیخ ایک دنیا کو ہدایت کرنے والا بن گیا لیکن خود آدمی نہیں بنا
 بھڑکی تاغیر سے لوگوں کی آنکھوں میں سرے کی طرح جگہ پائی
 میرا خاک تیرے میں مل گیا اور اس کی عزت کم نہیں ہوئی

۴۱۶

جلد ہی ہو گا ان چند بے سرو سامانوں کی نشانی
 چند دامن پاکیں گے اور چند گریباں
 میرا سینہ کہ (جو) مشکب نظر آ رہا ہے
 (میں نے) بے دریغ چند مڑگانوں سے مضمدا دم کیا ہے
 گرد باد اور میں اور مجھوں تیرے علم میں ایک جگہ ہیں
 چند رہا پریشان کتنے مربوط ہو گئے ہیں
 شمر کی راہ میں کوئی میرا رہتا نہیں ہے مگر
 مجھے چند سخن دانوں کی چند باتیں یاد ہیں
 ہم پر افسوس کہ بعد مرنے کے اس دیر کین "میں
 کعبہ خاک اور کچھ گناہ چھوڑ کر جا رہے ہیں

۱ وہ جس میں سوراخ ہی سوراخ ہوں۔

۲ دنیا۔

جانبِ خانقہ اے کافر بدکیش مرد
 دمِ دہائے بہ احوالِ مسلمانے چند
 بود نزدیک کہ اسرود شود آتشِ عشق
 میر پیدا شد و بر دے زودہ دہائے چند

۲۱۷

دیدنی آخر کہ محبت چہ ادا یا ما کرد
 کوچہ در کوچہ بہ حیرانہ سری سودا کرد
 شہر در شہر ز اندازِ قدرت غوغا بود
 طرزِ رفتار تو ہنگامہ نو برپا کرد
 داسے بر آں کہ از او چشمِ حوتم دارد
 کشتہ شد خلق و آں شوخ کیا پردا کرد
 شمع را باطنِ دل نختہ جہانناں زودہ است
 کہ بدیں گونہ بہ حیرانہ سری سودا کرد
 دارد اندازِ خرامش روشِ آبِ حیات
 مردہ رنگے اگر آہ تیر پا، احیا کرد
 انس یا کس نہ بود در وطنِ مالوم
 شہر را دہشتِ دیوانگیم صحرا کرد
 مست اکثر چہ سر کوئے تو ی آید میر
 ایں خراباتِ فقہیں رنگے پیدا کرد

۲۱۸

چہ بایہ کرد حیران ایم اکنوں کار مشکل شد
 بلائے چوں دل بے تاب ناگاہے مقابل شد
 نمایاں گشت شوق از پردہ، چشمے در نمود آہ
 بہ خود چہیدہ درد جاں گدازے، حیرت دل شد

خائفہ کی جانب اسے ہے دین کا فرست جا
 چہر مسلمانوں کے حال پر دم کھا
 قریب تھا کہ عشق کی آگ بجھ جاتی
 میر آ گیا اور اس پر (اپنے) دامن سے کچھ ہوا دی
 ۲۱۷

تو نے دیکھا کہ محبت نے آخر ہمارے ساتھ کیا ادا دکھائی
 بڑھاپے میں کوچہ در کوچہ دوسا کیا
 تیری قامت کے انداز سے شہر در شہر شور تھا
 تیری رفتار کے انداز نے نیا ہنگامہ برپا کر دیا
 اس پر افسوس ہے جو اس سے دم کی امید رکھتا ہے
 ایک دنیا نقل ہو گئی اور اس شوخ نے کب پروا کی
 شیخ کے بوڑھے دل کا باطن تو جوانوں کا مارا ہوا ہے
 کہ (اس نے) بڑھاپے میں اتنا زیادہ دیوانہ پن کیا
 اس کے خرام کا انداز آپ حیات کی طرز رکھتا ہے
 پاؤں کے نیچے اگر مردہ رہ گیا آگنی، (اسے) زندہ کر دیا
 مجھے اپنے عزیز وطن میں کسی سے انس نہیں تھا
 شہر کو میری دیوانگی کی وحشت نے صحرأ کر دیا
 اکثر حیرے کوچے میں میر مست (ہو کر) آتا ہے
 اس خرابات فقہیں نے ایک بے غودی اختراع کی ہے
 ۲۱۸

کیا کرتا چاہیے، (ہم) حیراں ہیں، اب کام مشکل ہو گیا
 دل بے تاب جھٹی بلا چانک مقابل آگنی ہے
 شوق پردے سے نمایاں ہوا، آنکھ صود میں آگنی
 ایک در و جاں گداز خو میں الجھا (اور) دل کی شکل اختیار کر گیا

ز رو انگندہ برقع در چمن چوں جلوہ گر عشقی
 گل از خود رفت، سنبُل گشت والہ، سر د مائل شد
 محبت از مہتاں دست ہرگز بر نمی دارد
 اگر شد جسم بھنوں خاک، گرہ رام محل شد
 تو زخمی زن خلاف رسم عشق از مانی آید
 کدامیں سکنہ جیجی ستم بدخواہ قاتل شد
 نہ ماند آیا ز فرط گرہی خوں در چیکہ زارم
 کہ داغ سیدنام بے نورتر از چشم بھل شد
 قریب صبح خواہم برد و کوچیدہ ہرہاں
 چہ سرم چوں منش خاکے کہ از ادقات غافل شد
 اخیر عمر در طبع سلیم آوارگی آمد
 چہ گویم آہ رام من غلط نزدیک منزل شد
 بجز پامانی کشت امید اے میر در آخر
 بگو بارے کہ از درزیدن عشقت چہ حاصل شد

۲۱۹

عزم رو گر میر من خواہم کرد
 عالمے ترک وطن خواہم کرد
 ہر کہ عریاں بدنش خواہم دید
 در رماں خلع بدن خواہم کرد
 چشم گل شام و سحر بر راہ است
 یار کے رو چہ چمن خواہم کرد
 بے تو ایں گرہی خوئیں آخر
 چشم را زخم کہن خواہم کرد
 ی چکد خوں ز لب بستہ میر
 از عیش تا چہ سخن خواہم کرد

برقع کو رخ سے ہٹا کر چمن میں چپ تو جلوہ گر ہوا
گل پاگل ہو گیا، سنبل فریلتے ہو گیا، سرو ماں ہو گیا
محبت عاشقوں سے ہرگز دست بردار نہیں ہوتی
بھٹوں کا جسم اگر خاک ہوا، راہِ محفل کی گرد ہو گیا
تو دُغم لگا، عشق کی رسم کے خلاف ہم سے نہیں ہوتا
کوئی ستم کی تیغ کا مارا (کب) قاتل کا بدخواہ ہوا ہے
کیا رونے کی زیادتی سے میرے ناتواں جسم میں غلوں باقی نہیں رہا تھا
کہ میرے سینے کا داغ چشمِ بسل سے (بھی) زیادہ بے نور تھا
صبح کے قریب مجھے خواب لے گیا اور میراں کوچ کر گئے
میرے جیسے کے سر پر خاک کہ وقت سے غافل ہو گیا تھا
آخرِ عمر میں طبعِ سلیم میں گمراہی آگئی
کیا کہوں، افسوس کہ میری راہ منزل کے قریب (آ کر) غلط ہو گئی
نکشتِ امید کی پامالی کے سوا اے میرے آخر
کچھ کہہ کہ تجھے عشق اختیار کرنے سے کیا حاصل ہوا

۴۱۹

اگر میرا محبوب سفر کا ارادہ کرے گا
ایک دنیا ترک وطن کر جائے گی
جو بھی اسے عریاں بدن دیکھے گا
(اپنے) بدن کو دنیا (ہی) میں چھوڑ دے گا
گل کی آنکھیں صبح و شام اس کے راستہ پر (لگی) ہیں
یار کب چمن کی طرف رخ کرے گا
تیرے بغیر یہ گر پہ غلوں میں آخر
آکھ کو ناسور بنا دے گا
میرے کے بند ہونٹوں سے غلوں ٹپک رہا ہے
(وہ) اس کے غم کی بات کب تک کرے گا

۲۲۰

چہ گلشن بے آں کہ گردیدہ باشد
 گل تاز کے چوں تو کم دیدہ باشد
 بدیں رنگ اگر از در باغ آئی
 عداست کشد ہر کہ گل چیدہ باشد
 نیامد چہ چشم من امروز سنبیل
 ز کیسویں او شانہ در دیدہ باشد
 چہ ناما قبت میں کسے بود ظالم
 نفست آں کہ عشق تو در دیدہ باشد
 چہ خود نیست امروز از صبح تر کس
 عمر چشم منظور او دیدہ باشد
 یقین است آں کم سخن حال زارم
 پس از مرگ من ہم نہ پرسیدہ باشد
 خرامت بہ طرز کرامت بہ طوے
 ترا کم کسے میر فہیدہ باشد

۲۲۱

تا کہا آہ بدیں گوشت ہر باید برد
 از سر کوئے توام رخت سفر باید برد
 یار درے ست کہ وارفتہ جاں دادن ماست
 مگر بھیریم چہ او زود خبر باید برد
 دائے بر من کہ چہ ایں جان سراپا خواہش
 از گلستان توام داغ جگر باید برد
 نقش من در از آں کوچہ گذر خواہد کرد
 بعد جاں دافنم از راہ دگر باید برد
 محنت چشم تو بہتر ز اہلتا نہ شود
 میر را بر در ارباب نظر باید برد

۲۲۰

جو بھی گلشن میں بہت نکھو ہوگا
 (اس نے) تجھ جیسا نازک پھول کم دیکھا ہوگا
 اس رنگ سے اگر تو باغ کے دروازے سے آیا
 جس نے بھی پھول چنا ہوگا، شرمندہ ہو جائے گا
 سنبل آج میری نظر میں نہیں چھا
 اس کے گیسو سے کھڑا رہا ہوگا
 ظالم وہ کتنا ناخوابہ ہیں تھا
 جس نے حیرے عشق کو سب سے پہلے اختیار کیا ہوگا
 آج صبح سے زمیں ہوش میں نہیں ہے
 ضرور اس کی نشتے میں چہرہ آنکھوں کو دیکھا ہوگا
 یقین ہے اس کم سخن نے میرا حال زار
 میرے مرنے کے بعد بھی نہیں پوچھا ہوگا
 حیرتی چال ایک خاص طرز کی، حیرتی بات ایک خاص طور کی
 تجھے میر کسی نے کم (ہی) سمجھا ہوگا

۲۲۱

آہ اس طرح کب تک بسر کیا جاسکتا ہے
 حیرے کو پے سے مجھے رخصت سزا ملنا چاہیے
 بہت دنوں سے یاد تہا دی جان دینے کا منتظر ہے
 اگر ہم مر جائیں اسے جلد خبر پہنچانی چاہیے
 مجھ پر افسوس کہ اس سراپا خواہش جان کے ساتھ
 حیرے گلستان سے مجھے داغ تھکے لے کر جانا پڑے گا
 میرا جنازہ اس کو پے سے (تو) رک رک کر گزرے گا
 جان دینے کے بعد مجھے کسی اور راستے سے لے جانا چاہیے
 حیرتی آنکھوں کا پیار طبعیوں سے اچھا نہیں ہوتا
 میرے گوارا ب نظر کے دروازے پر لے جانا چاہیے

۲۲۲

وارفتگان ز کوئے تو ہر گاہ می روند
 جاں می دهند ہر قدم و راہ می روند
 ناچار ہر سحر ز درت پے کسان عشق
 در دیدہ ہا سرخک و پے لب آہ می روند
 با خود فقط پے زلف و زنج جلا نہ ایم
 خواباں پے ریسان تو در چاہ می روند
 با روئے ضولشاں چہ پے مہتاب می رہی
 انجم پے چشم روشنی ماہ می روند
 مستانہ پا منہ کہ جہاں شیشہ خانہ است
 وہ رو چناں کہ مروج آگاہ می روند
 اقدارگان عشق پے تحریک اشتیاق
 پا کوہ درد و غم چہ پر کاہ می روند
 اے میر غفلت از سحر مرگ خوب نیست
 یاراں و دوستان ہر ناگاہ می روند

۲۲۳

دل نہ دانستم کہ سوئے آں دہن خواہد کشید
 و ز سکت من بہ جائے ایں سخن خواہد کشید
 گر ز طرف دست و صغی یار خواہد شد بلند
 عالمے سر در گریبان کفن خواہد کشید
 گر فروغ چہرہ اش ایں است اشب، شمع را
 اشتیاق او بروں از انجمن خواہد کشید
 در گشتنم بہر با خود کہ جاں خواہم سپرد
 بلبلے گر نالہ از طرف چمن خواہد کشید

۲۲۲

دار فنگان تیرے کوسچے سے جب گزرتے ہیں
 ہر قدم پر جان دیتے ہیں اور راستہ چلتے ہیں
 ناچار ہر صبح تیرے دروازے سے عشق کے بے کس
 آنکھوں میں آنسو اور لب پر آہ کے ساتھ چلے جاتے ہیں
 فقط ہم خود ہی زلف اور زخا میں جھکا نہیں ہیں
 خواباں بھی تیری دلی سے کنویں میں چلے جاتے ہیں^۱
 اپنے صوفشاں چہرے کے ساتھ جب تو چاندنی میں بانگتا ہے
 ستارے چاند، کو مبارکباد دینے کے لیے جاتے ہیں
 پاؤں مستانہ نہ رکھ کہ دنیا شہر خانہ ہے
 اس طرح راستہ چل جیسے آگاہ لوگ چلتے ہیں
 عشق کے ہاتھ اس شوق کے اکسانے پر
 درد و غم کا پہاڑ اٹھائے جھگے کی طرح اڑے جاتے ہیں
 اے میر سموت کے سترے غفلت ابھی نہیں ہے
 یار دوست بھی اپنا تک چلے جاتے ہیں

۲۲۳

نہیں چاہتا تھا کہ دل اس دامن کی طرف کھینچے گا
 اور میرے سکوت سے اس سخن کی طرف کھینچے گا
 اگر کسی طرف سے یار کا ہاتھ اور تلخ بلند ہو گئی
 ایک دنیا کفن کے گریبان میں سر ڈال دے گی
 اگر اس کے چہرے کا نور آج رات ایسا ہی ہے، (تو) شمع کو
 اس کا شوق اٹھن سے باہر کھینچ لائے گا
 اپنے ساتھ مجھے گلستان میں نہ لے جا کہ جان دے دوں گا
 ایک بلبل (بھی) اگر چمن کی جانب سے ٹال بلند کرے گا

۱ غمزدی۔

۲ عشق کی تیری بدولت مصیبت میں پھلتے ہیں۔

دل بہ غربت چند یارب ہر سحر چوں آفتاب
جامِ نگوں بر یار یاران وطنِ خواہد کشید
نقشِ چسپاں پوشِ من خواہد چسپاں نقاشِ بست
گر نہ دامنش بہ زور از دستِ من خواہد کشید
نہتے در پردہ وحشت کردہ ای ای یار میر
جوشِ سودایتِ برون از برون خواہد کشید

۲۲۳

عشقِ ی خواہد کہ دل را بر سر کار آورد
نفرہ بر لب در سہامِ سوئے بازار آورد
آں سراپا ناز مغرور است درت روزگار
سال ہا باید کہ چوں من ناز بردار آورد
گر بہ ایں دگنیں خرای بگذری از طرف باغ
سرو را شوقِ تماشایت بہ رفتار آورد
در غمِ بختوں اگر کاہید جسمِ من بہاست
رفتہ یارِ موافقِ رنجِ بسیار آورد
گر بہ یک برقِ گلشنِ عشقِ کند عاشق، چہ لطف
دل چسپاں باید کہ تابِ جلوا یار آورد
تا کجا از ناکی شرمندہ برگردم ز راہ
وین دل بہ طاقتم سوئے تو ہر بار آورد
اشتیاقی چشمِ مستِ او ز خلوت ہر زماں
گوشہ گیراں را برون آشفستار آورد
ایں ہوا را بین کہ منتِ ی گذارد صد چہن
گر صبا برگِ گلے سویم ز نکلزار آورد
آہ از اعجازِ رنگِ آں لبِ خاموش میر
صورتِ دیوار اگر باشد بہ گفتار آورد

یارب غریب الوطنی میں دل کب تک ہر صبح آفتاب کی طرح
وطن کے دوستوں کی یاد میں غلوں کا جام پیئے گا
نقاش کس طرح میرے نگ پوش کا نقش ہاندہ پائے گا
جب تک کہ اس کا دامن زبردستی میرے ہاتھ سے نہ چھینے
(تو نے) مدت سے در پردہ وحشت کی ہے اس پار میر
میرے جنوں کا جوش (تجھے) بھرا بہن سے باہر کھینچ نکالے گا

۲۲۳

عشق چاہتا ہے کہ دل کو برسر کار لائے
وجد میں مجھے نالہ برب سوائے بازار لائے
وہ سراپا ناز مقرر ہے در نہ زمانے (کو)
ساہا چاہیے ہیں کہ مجھ جیسا ناز بردار پیدا کرے
(تو) اگر اس رنگیں خرابی سے باغ کی طرف گزر کرے
سرد کو تجھے دیکھنے کا شوق رفتار میں لے آئے
اگر مجھوں کے غم میں میرا جسم ٹھل گیا، درست ہے
ہم مزاج دوست کے گزر جانے کا بہت زیادہ غم ہوتا ہے
اگر صرف برقع کے اٹنے سے عاشق غش کھا جائے، کیا لطف
دل ایسا ہونا چاہیے کہ جلوۂ یار کی تاب لائے
کہاں تک بے کسی (کی وجہ) سے راستے سے شرمندہ لوٹ جاؤں
اور میرا یہ بے طاقت دل ہر بار تیری طرف لے آئے
اس کی چشم مست کا شوق خلوت سے ہر زمان
گوشہ گیروں کو بکھری ہوئی دستار کے ساتھ باہر لے آتا ہے
اس اشتیاق کو دیکھ کر سوچیں کا شکر گزار ہو جاتا ہے
اگر صبا گلزار سے ایک پتھری (بھی) میری طرف لاتی ہے
آہ ان خاموش لبوں کے رنگ کے مجھ سے سے میر
(کوئی) اگر صورت و ہمار (بھی) ہو گفتار میں آ جائے گا

۲۲۵

نیش از این درد محبت نیش بود
 ہر کجا دانست، این جا ریش بود
 عاقبت دل شد نشان تیر او
 این سخن تشو جہالت کیش بود
 دوش وصل او سیر شد ولے
 دل ز بے تابی بہ فکر خویش بود
 وقت آخر ز لب فرہاد گفت
 کایں محبت بہ ستم اندیش بود
 عزت مجنوں ضرور افتادہ است
 مہر او از من دو روزے نیش بود
 کار با دنیا و ما لیہا نہ داشت
 دیدہ ام من میر را، دردیش بود

۲۲۶

تاگہاں کاکل صمم ز مقابل وا شد
 جلوہ اے در نظر آمد کہ از او دل وا شد
 چشم نگوں بستہ خود بے تو سحر یکشادم
 مژہ ام ہم چو یے طائر بسمل وا شد
 شد الحمد چو جڑے سے زاہد را
 بر دو سے کدہ آن عقدہ انازل وا شد
 بستن باز نہ دائم کہ چساں صورت بست
 دیدہ اے کاو بہ رخ ہم چو تو قاتل وا شد
 روزگارے ست کہ دل قفل در زندان است
 می شدش کاو در ایام اوکل وا شد
 آخر الامر دل خود بہ گدازے دادم
 گردہ کار من ظم زدہ مشکل وا شد

۲۲۵

اس سے پہلے محبت کا درو بہت تھا
جس جگہ بھی داغ ہے اس جگہ زخم تھا
آخر کار دل اس کے حیر کا نشانہ بن گیا
یہ بات نہ سننے والا نادانی کی غور رکھتا تھا
کل اس کا وصل منہر ہوا تھا، لیکن
دل بے تابی کے سبب اپنی (عی) فکر میں تھا
آخر وقت میں فرہاد نے زیر لب کہا
کہ یہ محبت بڑی ظالم تھی
مجنوں کی عزت کرنا لازم ہے
اُس کا عہد مجھ سے دو ایک دن پہلے تھا
دنیا اور مالیہا سے کام نہیں رکھتا تھا
میں نے میر کو دیکھا ہے، درویش تھا

۲۲۶

اول صبح صادق اچانک ظاہر ہوئی
ایسا جلوہ نظر میں آیا کہ اس سے دل کھل اٹھا
صبح کو (جب) اپنی خوں بست آنکھ میرے بغیر کھولی
میری مڑہ بھی طائرِ نعل کے پر کی طرح کھلی
لہذا کھمد جڑ سے کے واسطے زہاد کو
سے کدے کے دروازے پر وہ اٹھیں پر حساب کرنا آ گیا
اس کا پھر بند ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا کس طرح ممکن ہوا
وہ آنکھ جو میرے جیسے قائل کے رخ پر کھلی
زمانہ ہو گیا ہے کہ دل قید خانے کے دروازے کا قفل ہے
یوں تھا کہ وہ شروع کے دنوں میں بھی کھلتا تھا
آخر کار میں نے اپنا دل کسی گھماؤ کو دے دیا
مجھے ظمِ درو کے مقصد کی گمراہی مشکل سے کھلی

تا چہ گویم کہ چہ از دستِ قہی بر من رفت
 اعدا آں دم کہ بہ چشم لب سائل دا شد
 در عزاداری یک خواہش بجنوں چوں بید
 بارہا سوئے سر صاحبِ محل دا شد
 حرف بے فائدہ میر ز راہم می برد
 خوب شد از سرم آں ہادی باطل دا شد

۲۲۷

چشمے بہ یک طرف کہ دلم رنک پارہ کرد
 روئے ترا شکافِ درے گر تظارہ کرد
 پایاںِ مسلم کار خواہش قضا بچہ اے
 در چشمِ ہمد و سزائے قمارہ کرد
 ہر چند بود قطرۂ آبے سرشکِ گرم
 چوں بازگشت از مژہ کار شرارہ کرد
 اے مہ ز جہشِ در کوش تو فتنہ خاست
 در روزگار ما چہ قراں این ستارہ کرد
 جز بندہ دست در کمر او کس نہ زد
 این کار دست بہت ہمیں چچ کارہ کرد
 کفتم کہ ہر گشتہ ام اکنوں کجا روم
 قد خمیدہ جانبِ خاتم اشارہ کرد
 از درہمی حال فرستادہ ظاہر است
 کلاں شوخ چشمِ عجب مرا پارہ پارہ کرد
 کارے نہ کرد در دل زم تو چچ گاہ
 گو تالہ رخشہ در جگرِ سگبارہ کرد

کیا کہوں کہ دستِ چنبی سے مجھ پر کیا گزری
 اُس وقت جب میرے سامنے لبِ سائل کھلا
 بھونوں کی ایک خواہش کے ماتم میں بید کی طرح
 بارہا صاحبِ محل کے سر کے بال کھلے
 میری بے فائدہ باتیں مجھے راہ سے ہٹا دیتی ہیں
 اچھا ہوا میرے سر پر سے وہ جھوٹا پدایت کرنے والا ظلا

۲۲۷

آنکھ تو ایک طرف میرے دل کو رشک نے نکلا ہے (نکلے) کر دیا
 حیرے چہرے کا اگر شکافِ در نے (بھی) نظارہ کیا
 آخر کار ایک قصاب بچہ کی خواہش
 مجھے مسلح! میں نے مٹی اور قمارہ^۱ کا مستحق بنا دیا
 ہر چند کہ گرم آنسو پانی کی پوند تھا
 جب جگہوں سے نکلا (اس نے) شرارے کا کام کیا
 اے ماہِ حیرے کانوں کے موجوں کی جنبش سے کھٹا اٹھا
 ہمارے زمانے میں اس ستارے نے کیا قرآن^۲ کیا
 بندے کے سوا کسی اور نے اس کی کمر میں ہاتھ نہیں ڈالا
 یہ دشوار کام اسی ناچیز نے کیا
 میں نے کہا کہ پوڑھا ہو گیا ہوں اب کہاں جاؤں
 بھٹکے ہوئے قدم نے مجھے خاک کی جانب اشارہ کیا
 قاصد کے حال کی پریشانی سے ظاہر ہے
 کہ اس شوخ چشم نے میرا خط چاک چاک کر دیا
 کبھی بھی حیرے نازک دل پر کوئی اثر نہیں کیا
 اگر چہ تالے نے سنگِ خارا کے دل میں شکافِ ذال دیا

^۱ کمالِ انار کے کی چٹک۔

^۲ قرآن کے ہرے جانور کو نکالنے کی سلاخ۔

^۳ دو ستاروں کا ایک۔ برج میں فتح ہے۔

شودے ست در زمانہ ز جوش سرکش من
دریا چہ خوب کرد کہ چندے کنارہ کرد
از ذکر تلخ کای اش آکوں چہ فائدہ
با زہر مرگ درد ترا میر چارہ کرد

۲۲۸

چوں تیغ ناز آں ستم اندیش برکشید
در جیب خاک فتنہ سر خویش درکشید
اٹھم مشابہ است بہ یا قوت سوختہ
شاید کہ کار سوختگی تا جگر کشید
بر بخت بہرِ غوغائش نازی رسد
آں کس کہ سرو قامت او را بہ برکشید
پیداست جائے آدمِ خاکی بہ بزمِ قدس
ایں مشتِ خاک تا چہ مقام آہ سرکشید
شعرم بہ طرز بود جب نیست میر اگر
از خاک برگرفتہ بہرم بہ در کشید

۲۲۹

کماں بہ دست چو گیرد بجائے تازہ کند
دچار ہر کہ شود پیک و جنازہ کند
بہ راو آت شب و روز چشم گل در باغ
کہ خاک پائے تو آرد بہ دست و غارہ کند

۲۳۰

دلبریں جہا نمی دانید
راہ و رسم و فقا نمی دانید

زمانے میں میرے آنسوؤں کے جوش کی شہرت ہے
 سمندر نے اچھا کیا کہ کچھ دن کنارہ کر لیا
 اس کی تلخ کافی^۱ کے ذکر سے اب کیا قاعدہ
 میر نے موت کے ذہر سے حیرے درد کا علاج کر لیا

۲۲۸

مجھے ہی اس قسم اندیش نے تلخ باز بھینچی
 تجھے نے خاک کے دامن میں اپنا سر چھپا لیا
 میرا شک یا قوتِ سوغند^۲ سے مشابہ ہے
 شاید کہ چلنے کا کام جگر تک پہنچی گیا
 اپنی خوش نصیبی پر ناز کرنے لگا ہے
 جو بھی اُس کے سرو قامت کو آغوش میں کھینچتا ہے
 بزمِ قدس میں آدمِ خاکی کی جگہ موجود ہے
 اس مشقتِ خاک نے آہ کس مقام تک سر کھینچا ہے
 میرے شعر ایک خاص اعداد کے تجھے، بچ نہیں ہے کہ جو میر
 آسمان نے مجھے خاک سے اٹھا کر سونے میں تو لا

۲۲۹

جب ہاتھ میں کمان پکڑتا ہے تازہ ظلم کرتا ہے
 جو بھی سامنے آتا ہے اسے تلخ و چٹا زہر^۳ کر دیتا ہے
 ہارے میں گل کی آنکھ دن رات تیری راہ پر لگی ہے
 کہ حیرے پاؤں کی خاک ہاتھ میں اٹھائے اور (اپنے چہرے کا) غار و کرے

۲۳۰

دلبرِ جفا کے سوا کچھ نہیں جانتے
 وفا کی راہ و رسم نہیں جانتے

^۱ نامیدی۔

^۲ سلیقہ یا قوت (یا قوت کو آگ پر رکھنے سے اس کا رنگ ناراضی طور پر سلیقہ ہو جاتا ہے)۔

^۳ ایسا لگا لگا تاکہ پڑتے ہی شکار مر جائے۔

آو او سارو نیست، پرکار است
میر صاحب شامی دانید

۲۳۱

حدیثِ درد پہ زائد گو، نمی داند
ترا ز انکب ریائی پہ آب می راند
جہاں کتاب مصور، پہر صورت خواں
زمانہ است دگر چوں ورقِ نگر داند

۲۳۲

بر ورق نقاش مشکل صورتِ دلبر کشید
در خیالِ آں جہیں بسیار درد سر کشید

۲۳۳

گرچہ نقش کیسے آں ماہِ رامائی کشید
نقشِ انا خوب قسمت و پریشانی کشید

۲۳۴

کے نقشِ ساقِ یار پہ خوبی توں کشید
نقاشِ خوب کرد کہ پا از میاں کشید

۲۳۵

تصویرِ آں دو زخمی بیمار می کشید
صورتِ گراں چنینی عیثِ آزار می کشید

۲۳۶

گر بے نقاب چہرہ آں رنکبہ نہ شود

۲۳۷

نالہ ہائے بلبل از شوقِ فراوان تو بود
گل کہ از ہم ریخت آں ہم دل پریشان تو بود

آہ وہ سادہ نہیں، پرکار ہے
میر صاحب آپ نہیں جانتے

۲۳۱

درد کی باتیں زاہد سے مت کہو، (وہ) نہیں جانتا
حقے بھونے آنسوؤں سے دھوکہ دیتا ہے
دنیا بالصور کتاب (ہے)، آساں صورت خواں (ہے)
انکھاب آجاتا ہے جیسے ہی ورق پلٹتا ہے

۲۳۲

کاغذ پر نقش نے دلبر کی صورت مشکل سے کھینچی
اس خوشانی کے خیال میں بہت دور دیر برداشت کیا

۲۳۳

اگرچہ اس محبوب کی زلفوں کا مائی نے نقش کھینچا
اس کا نقش لیکن ٹھیک نہیں اترا اور (اس نے) پریشانی اٹھائی

۲۳۴

کب یار کی پنڈلی کا نقش ایسی طرح کھینچ سکتے ہیں
نقش نے اچھا کیا کہ درمیاں سے پاؤں کھینچ لیا

۲۳۵

ان دو فرمیں چار کی تصویر کھینچتے ہیں
مصور یوں مہبت آزار کھینچتے ہیں

۲۳۶

اگر اس رنگب ماہ کا چہرہ بے نقاب ہو جائے

۲۳۷

بلبل کے نالے تیرے شوقی فراواں (کی وجہ) سے تھے
گل جو اس کے ساتھ منتشر ہو گیا (وہ بھی) تیری وجہ سے پریشان دل تھا

تا نگاہ واپس ہم درویشان ترا
کادھے در سینہ از برگشتہ مژگانا تو بود

۲۳۸

تا متصل ز دیدہء من خوں نمی رود
از دل بخار جور تو پیروں نمی رود
ناصح دماغ خود پہ عیث صرف می کند
مہر از دلم پہ حیلہ و آغسوں نمی رود

۲۳۹

دل از بے طاقتی در سینہ خوں شد
دماغی داشتم، صرف جنوں شد
پہ پاکان کار کے گیرد فلک تنگ
کہ عیسیٰ از سر سوزن بروں شد

۲۴۰

نے شور پہ سر مانده و نے زور پہ پا ماند
از عمر ہمیں حسرت بسیار بجا ماند
زاہد کہ پہ تقوائے قہارے ز جہاں رفت
در رہن سے آتش خرقہ و تسبیح و ردا ماند
پرغافل از وقتِ عزیز آہ و گرنہ
ہر گام در این بادیہ یوسف ز تو وا ماند

۲۴۱

شد آں عہدے کہ می گفتم ز چشم آب می ریزد
کنوں زیں رخنہ چشمہ چشمہ خوں ناب می ریزد
ہم را روز کن ساقی پہ یک افشاندن دستے
ز چاک آسخت پرتو مہتاب می ریزد

لگاؤ وہاں تک (بھی) تیرے درو مندوں کے
 سینے میں تیری بھری ہوئی چکوں کی ایک خلش تھی

۲۳۸

جب تک میری آنکھوں سے مسلسل خوں نہیں بہتا
 دل سے تیرے ظلم کا غصہ نہیں جاتا
 نامح اپنا دماغ بے کار خرچ کر رہا ہے
 میرے دل سے محبت حیلہ اور انصاف سے نہیں جاسکتی

۲۳۹

دل بے طاقتی سے سینے میں خوں ہو گیا
 دماغ رکنا تھا، جنوں میں خرچ ہو گیا
 پاک لوگوں کا راستہ فلک کب ٹک کرتا ہے
 کہ یعنی سرسوزن سے باہر آ گیا

۲۴۰

خیر میں شور باقی رہا نہ بیروں میں طاقت باقی رہی
 زندگی میں یہی بے احتیاسرت بچی رہ گئی ہے
 زاہد کہ تمام تقویٰ کے ساتھ جہاں سے چلا گیا
 اس کا خرقد اور تسبیح اور چادر شراب (کے عوض) رہن رہ گئے
 (تو) وقت عزیز سے آہ بہت غافل ہے وگرنہ
 اس بیابان میں ہر قدم پر یوسف تجھ سے چھوٹا جا رہا ہے

۲۴۱

وہ وقت گزر گیا کہ میں کہتا تھا، میری آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے
 اب اس رخنے سے چشمہ کے آنسو بہہ رہے ہیں
 میری رات کو ساتھی ہاتھ کی ایک جنبش سے دن کروے
 تیری آستین کے چاک سے ہر توجہ تپا ہنسا رہا ہے

۲۳۲

کدام دل شدہ شب در فروش می آید
 که شور سینه فراشی به گوش می آید
 ز میر نیست عجب پاهال غم گشتن
 تو هر چه گوئی از آن سرفروش می آید

۲۳۳

بس که در هر کوچه از جور کسے بیداد شد
 عاقبت شهر جہاں آباد، جورآباد شد
 من هم تنها پریشاں حال مثل گردباد
 در ہوائے گیسوائے او عالمے بر باد شد
 آخر اے کافر ز طور چشم مستی شیدہ ات
 کعبہ دیراں گشتہ و بت خانہ اے آباد شد

۲۳۴

طرز دیدن ہوش از سر، طاقت از پای برد
 جنبش مزگان شوش ذق ز دل ہای برد
 گر بہ قربان سراپایش رود دشمن بجاست
 دوستان، ہر جائے خوب او دل از جای برد

۲۳۵

عش تا در این دل تنگ زد
 سرختم بہ مزگان دم از رنگ زد
 تنگ آب بودہ ست معذور وار
 اگر کوہکن سنگ بر سنگ زد

۲۳۲

کون عاشق رات کو فریاد کرتا ہے
کہ سینہ خراش کا شور کانوں میں پڑتا ہے
میر سے جب نہیں کہ غم سے پاہمال ہو جائے
تو جو کچھ کہتا ہے، وہ صرف روش کر سکتا ہے

۲۳۳

بس کہ ہر کوہِ پیہ میں کسی کے عظم سے پیدا تھی
آفرکار جہاں آباد کا شہرِ جہر آباد ہو گیا
میں ہی گردِ پاؤں کی طرح تنہا پریشاں حال نہیں ہوں
اس کی زلفوں کی آرزو میں ایک دنیا بر باد ہو گئی
آخراے کافرِ جبری مسقی شیوہ آنکھوں کے انداز سے
کعبہ ویران ہو گیا اور بت خانہ آباد ہو گیا

۲۳۴

دیکھنے کے انداز نے سر سے ہوش، پاؤں سے طاقت جھین لی
اس کی شوخ چکوں کا بھپکنا دلوں سے ملال لے گیا
اگر دشمن اس کے سراپا پر قربان ہوتا ہے درست ہے
دوستو، اس کا ہر حسین عضو دل کو (اپنی) جگہ سے (اڑا) لے جاتا ہے

۲۳۵

اس کے غم نے جب اس دل تلک کے دروازے پر دستک دی
میرے آنسو خون بن کر چکوں پر ٹھہر گئے
(وہ) کم طرف تھا، (اُسے) معاف کر دیں
اگر کوہکن نے پتھر پر پتھر مارا^۱

۱۔ دلی۔

۲۔ عظم آباد۔

۳۔ معمولی سے کام کو زور دھور کے ساتھ اچھا کام دیا۔

۲۴۶

خاک زیرِ قدمت خلق تفتن دارد
خوں اگر بر سرِ این خاک شود جا دارد

۲۴۷

از درد سحرگاه نہ شد خاطرِ من شاد
صد عقدہ چہ تصحیح بہ کارِ دلم افتاد

۲۴۸

او چہ داند کہ ز ما نالہ جیب می داند
نوحہ و زاری ما را دلِ شب می داند

۲۴۹

لالہ از خاک و گل از شاخ بروں می آید
مژدہ اے عقل کہ ہنگام جنوں می آید
ہر دم از دیدہ تر لپہ غلوں می آید
از تر پردہ دل تا چہ بروں می آید

۲۵۰

امشب کہ در کنارِ من آن کام جان نہ بود
حالے گذشتہ است کہ جاں درمیان نہ بود

۲۵۱

دی پرتو رخسار تو در جلوہ گری بود
آئینہ غورشد چراغِ سحری بود

۲۵۲

کے بدیں گوشت کے طرزِ جفا می داند
کافرے چوں تو نہ دیدیم، خدا می داند

۲۵۳

با من آن رنکبِ ماہ صاف نہ شد
جرمِ ناکردہ ام معاف نہ شد

۲۳۶

ظلیق تیرے قدموں کے پیچے کی خاک کی تئنا رکھتی ہے
اگر اس خاک کے لیے غول ریڑی ہو جائے، بجا ہے

۲۳۷

صبح کے وظیفے سے میری طبیعت خوش نہیں ہوئی
تسلی کی طرح دل کے مقصد کے حصول میں سو گر ہیں پڑ گئیں

۲۳۸

اے کیا خبر جو ہمارے نالہ کرنے پر تعجب کرتا ہے
ہمارے نوحے اور رونے سے آدھی رات (کا وقت) باخبر ہے

۲۳۹

خاک سے لالہ اور شاخ سے گل باہر نکل رہا ہے
اے عقل حژوہ ہو کہ جنوں کا زمانہ آ رہا ہے
ہر وقت دیدار میں غول کا بھنور بن رہا ہے
دل کے پردے کے اندر سے کیا کیا کچھ باہر آئے گا

۲۴۰

آج رات کہ میری آغوش میں وہ آرزوئے جاں نہیں تھا
وہ حال گزرا ہے کہ جان در میان (میں) نہیں تھی

۲۴۱

گل (جب) تیرے رخسار کا پرتو جلوہ گری کر رہا تھا
خورشید کا آئینہ چراغ سحری تھا

۲۴۲

کب کوئی جفا کے اتنے طریقے جانتا ہے
(ہم نے) تجھ جیسا کافر نہیں دیکھا، خدا جانتا ہے

۲۴۳

مجھ سے اس دھکب ماہ کی کدورت نہیں گئی
میرانا کردہ جرم معاف نہیں ہوا

۲۵۴

شب ناز من گوش دو مرغ چمن شد
ہنگامہ ز بے خوابی او بر سر من شد

۲۵۵

نے مجھ روئے او شد نے از لہش تر آمد
بے چشم و رو گل تر از آب و برآمد

۲۵۶

بر سر من از جنوں ہنگامہ اے برپا نمود
آسمان بے تیز آخر مرا رسوا نمود

۲۵۷

مگر چہ در نقش غمش اہواز بھنی می کنند
لیکن ایں صورت گراں صورت نویسی می کنند

۲۵۸

از کعبہ میر راو ہوں کسی چہا ہرد
لیکن تو قصہ بہت کدہ داری، خدا ہرد

۲۵۹

وہ من چہ تغیر و راو تو پاسے ہردارد
مرا خدا ہرد او را خداے ہردارد

۲۶۰

تماشا کرد ہر کس جرأت من سخت حیراں شد
وہ حدے دشمن ہا خودم کہ آں شمشیر خنداں شد
نصیب کسی نہ گردد در جہاں یارب دلہ تنگے
ز آبادی وہ سرا رستم، آں ہمہ رنگہ زنداں شد
قدہ من تا دوتا شد از نیسے رنگ ی بازو
وہ جہی پرتو حرم چراغ زیر داماں شد

۲۵۳

رات میرا نالہ مرغِ جامن کے کانوں تک پہنچا
اس کی بے خوابی سے (ہونے والا) ہنگامہ میرے سر آیا

۲۵۵

نہ (تو) اس کے چہرے میں بخو ہوا، نہ اس کے ہونٹوں کے سامنے شرمندہ ہوا
حیا اور شرم کے بغیر گل تر (گویا) کچھڑ سے نکلا

۲۵۶

میرے سر پر جنوں سے ایک ہنگامہ برپا کر دیا
بے لحاظ آسمان نے آخر مجھے رسوا کر دیا

۲۵۷

اگرچہ تیرے عیا کی تصویر بنانے میں بیٹی کا معجزہ دکھاتے ہیں
لیکن یہ صورت گر (محض) صورت نویسی کرتے ہیں

۲۵۸

کہجے سے میر کوئی کیوں باہر جانے کی راہ لے گا
لیکن تو بہت کدے کا قصد رکھتا ہے، خدا لے جائے

۲۵۹

میرے ساتھ جب طیر تیری راہ میں قدم اٹھائے
مجھے خدا پہنچائے، اسے خدا اٹھائے

۲۶۰

جس نے میری جرأت دیکھی سخت حیران ہوا
(میں نے) اس حد تک دلم کھائے کہ اس شمشیر میں دندا نے نکل آئے
یا رب دنیا میں دلی تلک کسی کا نصیب نہ ہو
آبادی سے صحرا میں چلا گیا وہ بھی رقبہ زنداں ہو گیا
جب سے میرا قدم ہرا ہوا ہے نسیم سے (بھی میرا) رنگ اڑ جاتا ہے
بڑھاپے میں میری عمر کا سایہ چراغِ زہرِ داماں ہو گیا ہے

۲۶۱

از تعلق در جہاں پایم پہ گل اے میر بود
خاک ایں سحرائے دل کش سخت دامن گیر بود
مردار ایں مشت خاکستر پہ دستو کم صبا
مستہم با آتشیں رویاں ہے در گیر بود
کس نیامد بر سر مستم کہ ز لب نہ گفت
کایں جوان جملہ خواہش، محض ہے تقصیر بود

۲۶۲

چشم دل چوں پہ ثبات کم دنیا اتنا
ایں عمارت ہمہ از طاق دل ما اتنا
مکلفتم آں آتش سوزان سر طور چہ شد
دل اشارت پہ بگر کرد کہ ایں جا اتنا

۲۶۳

از لوث کبر صاف دلاں پاک بودہ اند
مردان ایں طریق ہمہ خاک بودہ اند
ایں غنچہ ہائے گل کہ کلمہ کج نہادہ اند
خوبان ناز پیشہ و بے پاک بودہ اند
ایں چشمہ ہا کہ از دل خاک اند جوش زن
چشمان عاشقان الم ناک بودہ اند

۲۶۴

پہ گوش اہل دل آوازہ ہوں نہ رسد
پہ وادی اے کہ ضم ناک جرس نہ رسد
ز بے وفائی گاڑ پیر سخن چہ کلم
زمانہ اے ست کہ صابون کس پہ کس نہ رسد

۲۶۱

تعلق کی وجہ سے جہاں میں اے میرا پاؤں گھل رہا تھا
اس دل کش صحرا کی خاک دامن کو بہت زیادہ کھینچنے والی تھی
(اے) صبا اس مشقتِ خاکستر کو تلک ہاتھوں سے مت اٹھا
آتشیں رویوں کے ساتھ میری صحبت بہت ناموافق (رہی) تھی
(ایسا) کوئی میرے جنازے پر نہیں آیا کہ (جس نے) زیر لب (یہ) نہیں کہا
کہ یہ سرتاپا خواہشِ جوانِ پاگل ہے قصور تھا

۲۶۲

دل کی آنکھ جب دنیا کی ناپائیداری پر پڑی
یہ تمام عمارت ہمارے دل کے طاق سے گر گئی
میں نے کہا وہ سرطور کی آتش سوزاں کیا ہوئی
دل نے جگر کی طرف اشارہ کیا کہ اس جگہ آگنی

۲۶۳

صاف دل دالے تکبیر کی آلودگی سے پاک رہے ہیں
اس مسلک کے لوگ تمام خاک ہو رہے ہیں
یہ پھولوں کے خنجر کے گلاہ کو بیڑی رکھے ہوئے ہیں
ناز پیشہ اور بے پاک معشوق ہوا کرتے تھے
یہ قلمیہ کر خاک کے دل سے اہل رہے ہیں
الم ناک عاشقوں کی آنکھیں ہوا کرتے تھے

۲۶۴

اہل دل کے کانوں میں ہوس کی آواز نہیں پہنچتی
میں جس دلدی میں ہوں (وہاں) جس کی آواز نہیں پہنچتی
گلاؤں پر اس کی ہے وفا کی کیا بیان کروں
زمانہ ہو گیا کہ کسی کا صابن کسی تک نہیں پہنچتا

۲۶۵

در باغ چوں به ناز قد آں نازمیں کشید
شمشاد ناز پیش الف بر زمیں کشید
بے روئے او گرمستن میر کم نہ شد
بر چشم تر اگرچہ ہے آستیں کشید

۲۶۶

قطره آب کہ دوش از سر مژگاں افتاد
آتشی بود کہ در گوشه داماں افتاد
دفع استاں پئے خوں خوردن ما می میرد
غالباً چاشنی اش در این دغاں افتاد

۲۶۷

سرم زمیں پیش خاک پایے او بود
همیں ویرانه دل جائے او بود
به صد خوبی گل آمد پیش لیکن
مرا ہے تو کجا پردائے او بود

۲۶۸

شد داغ دل سیاه ، بزم چہ می شود
تا موسم گل آوہ بزم چہ می شود
صعب است راو دور جدائی اگرچہ یک
پای خیم به راه بزم چہ می شود

۲۶۹

شور عشق این چمن آناں کہ در سر داشتند
بر سر مانتہ شبنم دیدہ تر داشتند
از چمن بگذر کہ گل با جملہ تن گردیدہ چشم
بر امید دیدنت از خاک سر برداشتند

۴۶۵

بارغ میں جب اس نازنین نے ناز سے قد کھینچا
ناز پیشہ شمشاد شرمندہ ہو گیا
اس کو دیکھے بغیر میر کا رونا کم نہیں ہوا
اگرچہ بہت دلاسا دیا

۴۶۶

پانی کی بوند کہ کل پلکوں سے گری
ایک آگ تھی کہ گوشہ دہاں پر گری
دانتوں کا درد میرا نگوں پینے کے لیے مرا چارہا ہے
قالبا اس کی چاشنی دانتوں کی جڑ تک پہنچ گئی ہے

۴۶۷

میرا سر اس سے پہلے اس کی خاک پا تھا
بچی دل کا ویرانہ اس کا مقام تھا
گل سو غوطی کے ساتھ پیش آیا، لیکن
مجھے تیرے بغیر اس کی پروا کب تھی

۴۶۸

دارغ دل سیاہ ہو گیا دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے
موسم گل تک آؤ، دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے
جہان کی دور دراز راہ اگرچہ مشکل ہے، لیکن
راستے میں قدم رکھتا ہوں، دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے

۴۶۹

وہ جو اس چمن کا جنوں سر میں رکھتے ہیں
ہر سر شبنم کی طرح دیدہ تر رکھتے ہیں
چمن سے گزر کہ پھول بہت قن آنکھ بن کر
تیرے دیکھنے کی امید میں خاک سے سراٹھائے ہوئے ہیں

۲۷۰

گل پر گل رخسارت چوں نہ نظرے دارد
سنبیل پہ سر زلفت چوں ملک سرے دارد

۲۷۱

اگر پہ ترک ہوں دل نہاد چا دارد
سقم رسیدہ عشق تو دل کجا دارد
ہزار بار پہ یزدم تو آدم، رفتم
کسے نہ گفت کہ مسکین چہ مدعا دارد

۲۷۲

حذر از درد مندے کن کہ محروں کالہ اے دارد
پہ دہال شکایت از جگر پہ کالہ اے دارد
نکن این با کہ ناکام از سر کویت رواں گرم
نگاہ یاسی نومیدان بلا دہالہ اے دارد

۲۷۳

عشق دل را بیشتر رو می دهد
پیدا را آہ پہلو می دهد
آں چہ از انداز معلوم است میر
سنبیل تر خط پہ آں سو می دهد

۲۷۴

دل طاقت بہت کم برے می خواهد
خبرش نیست کہ این کار دوسے می خواهد
کھداری تا ز سر خویش قدم مگذارے
رفتن را بہت جگرے می خواهد

۲۷۵

در روز جزایم چہ پہ این طور در آرد
اعمال نہ دالم چہ قیامت بہ سر آرد

۲۷۰

گل تیرے چاند جیسے رخسار پر نظر رکھتا ہے
سنبل تیری منگھ جیسی زلفوں کی خواہش رکھتی ہے

۲۷۱

شاید ترک ہوں کا ارادہ دل میں جگہ بنالے
(لیکن) تیرے عشق کے ستم رسیدہ کے پاس دل کہاں ہے
(میں) ہزار بار جیری بزم میں آیا گیا
کسی نے نہیں پوچھا کہ (یہ) خریب کیا تدارک رکھتا ہے

۲۷۲

(اس) درد مند سے ڈر کہ (یہ) غم زدہ فریاد کرتا ہے
فریاد کے پیچھے پیچھے (اس نے) تگر کا ٹکڑا (بھی) لگا دیا ہے
ایسا نہ کر کہ تیرے کوچے سے ناکام روانہ ہو جاؤں
نامیدوں کی حسرت کی نگاہ برے عواقب رکھتی ہے

۲۷۳

عشق دل کی طرف زیادہ محتاج ہوتا ہے
افسوس کہ بلائے بد کی پشت پناہی کرتا ہے
اعزاز سے کچھ ہوں معلوم ہوتا ہے میر
(کہ) سنبل تران زلفوں کی خوبی کا اعتراف کرتا ہے

۲۷۴

دل چاندی جیسے بدن والے محبوب سے ملاقات چاہتا ہے
اس کو خبر نہیں کہ اس کام کے لیے ذر چاہے
جب تک کہ اپنے سر سے نہ گزر جا، قدم مت رکھ
محبت کے راستے پر چلنے کے لیے حوصلہ چاہیے ہے

۲۷۵

روز جزا جو مجھے اگر اس طور سے لائیں گے
مجھے نہیں معلوم (میرے) اعمال (میرے) سر پر کیا قیامت ڈھائیں گے

آں رفت کہ از بہر قماشائے تو خوش بود
ایں رخشہ کہ داریم بہ دل کاش بر آرد

۲۷۶

ہر کس کہ بہ عشق تو سرے داشتہ باشد
داغ جگرے، چشم ترے داشتہ باشد
برخیز و بہ دامان نسیم سحر آویز
شاید کہ از آں کل خبرے داشتہ باشد

۲۷۷

شب ابرے کہ بر عالم خاک بود
نظر کردہ چشمِ نیم ناک بود

۲۷۸

سکندر دگر بہ سنگ

۲۷۹

یوالموس را تاب ایں جور و ستکاری نہ بود
آں چناں رفت از سر کونیش کہ پنداری نہ بود
در جہاں محشر پچا کردیم و لب بستیم میر
بیش از ایں ما را دماغ نالہ و زاری نہ بود

۲۸۰

کے بہ دام آید ہر دم در کین فرصت اند
چوں غزال ایں شوخ پشماں بزد بندہ دشت اند
داغ با دارم ز بزم آرایِ نخواں بہ دل
با کس و ناکس بسانِ شمع گرمِ صحبت اند
از برائے دلیراں صاحبِ دلاں چاں فی دہند
حسنِ معنی آشتایاں رفتگانِ صورت اند

وہ (وقت) گزر گیا کہ تجھے دیکھنے کے لیے مناسب تھا
اس رشتے کو جو ہمارے دل میں ہے کاش بند کر دیا جائے

۲۷۶

جو بھی تیرے عشق سے تعلق رکھتا ہوگا
داغ جگر، چشم تر رکھتا ہوگا
اتھ اور نسیم سحر کے دامن کے ساتھ لپٹ
شاید کہ اس گل کی خبر ہو

۲۷۷

رات جو بادل عالم خاک پر تھا
چشم فشاں کا تربیت یافتہ تھا

۲۷۸

وہ مرا سیلاب پتھر سے .

۲۷۹

یوالمہوس کو اس ظلم اور حتم کی برداشت نہیں تھی
اس کے کوپے سے اس طرح گیا کہ تو گمان کرے کہ (کبھی) تھا (یہ) نہیں
میرا ہم نے جہاں میں محشر بھا کیا اور ہونٹ سی لیے
اس سے زیادہ ہمیں نالہ و زاری کی طاقت نہیں تھی

۲۸۰

(یہ) کب دام میں آتے ہیں، ہر دم موقع کی گھات میں ہیں
غزالوں کی طرح یہ شوق چشم وحشت کرنے میں ماہر ہیں
دل پر خوابوں کی بزم آرائیوں سے بہت سے داغ رکھتا ہوں
(کہ وہ) ہر کس و نا کس سے شمع کی طرح گرم صحبت ہیں
دلبروں کے لیے صاحب دل جان دے دیتے ہیں
حسن معنی کے آفتاب، صورت کے مارے ہوئے ہیں

تخی بر کیل می روی و بر نمی دارند سر
 ناتوانان محبت زیر بار منت اند
 در حق آنکوں نیست غیر از استخوانے چند و پوست
 میر صاحب را کہ می قلم، قلمی عبرت اند

۲۸۱

کہ گفتہ بود بہ سویم کہے قدم مکذار
 امیدہاست مرا نامید ہم مکذار
 و تخی ناز تو سہل است خون مشاقاں
 تو ترک جور کن، شیوہ ستم مکذار
 چا چا و ز خاک ملغم برگیر
 بسان نقش قدم چشم بر رجم مکذار
 بہ از سخن بہ جہاں یاد بود آدم نیست
 و دست خویش دے کافذ و قلم مکذار
 ز گریہ میر ہمیں کار اور ہالا شد
 تو نیز گوشہ دامان چشم نم مکذار

۲۸۲

دے بکن تا کے ستم آخر جفاکار ہیں قدر
 یک سینہ و دھم ہیں ہمہ یک جان و آزاد ہیں قدر
 با ہیں متاع دلبری عالم مناسب ہیست
 گردیدن بے گاہ و گہ در گوسے و بازار ہیں قدر
 اسے گرد سرگرم ترا از دل چہ پا بیروں نمی
 در چشم ہم یک رہ بیا، رہ نیست دشوار ہیں قدر
 از دیدنے بفرہدم و ز گھٹنے بگھٹیدم
 من سادہ و ابلہ نہیں، او شوخ و پرکار ہیں قدر
 میر ہیں معیشت تا بہ کے، پیدا کن اندک غیرتے
 خواہش ترا ہیں مرتب، او از تو بزار ہیں قدر

تو ہاتھ میں تکی لے آیا ہے اور (اُن کے جسموں پر) سر نہیں
 محبت کے ناتواں احسان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں
 تن میں اب چند پڑیوں اور کھال کے سوا (کچھ) نہیں ہے
 میرے صاحب کو جو میں دیکھتا ہوں تمام عبرت ہیں

۲۸۱

کس نے کہا تھا کہ میری طرف بھی قدم مت رکھ
 مجھے بہت سی امیدیں ہیں، (تو) مجھے ناامید تو مت چھوڑ
 تیری تکی ناز پر مشاقوں کا نعل سہل ہے
 تو جو رکھ کر مت کر، ستم کا شیعہ مت چھوڑ
 آ، آ جا اور مجھے خاکِ ملائت سے اٹھا
 نقشِ قدم کی طرح مجھے راہ میں آنکھیں پھنائے ہوئے مت چھوڑ
 سخن سے بہتر دنیا میں انسان کی لٹکانی نہیں ہے
 اپنے ہاتھ سے دم بھر کے لیے بھی کاغذ اور قلم کو مت چھوڑ
 میرے گریہ سے دیکھ ابر کا مقام بلند ہو گیا
 تو بھی چشمِ غم کے دامن کے گوشہ کو مت چھوڑ

۲۸۲

(اے) جفاکار کچھ رحم، آخر کب تک اس قدر ستم
 ایک سینہ اور اسے دھم، ایک جان اور اس قدر آزار
 اس محتاجِ دلبری کے ساتھ ظالم تجھے مناسب نہیں ہے
 گاہ و بے گاہ کو چہ و بازار میں اس قدر پھرنا
 اے حیرے سر کے گرد گھوموں، دل سے جب پھر باہر نکھ
 آنکھوں میں بھی ایک ہار آ، راہ اتنی دشوار نہیں ہے
 دیکھنے سے مجھے فریب دیتا ہے اور باتوں سے مجھے تسلی دیتا ہے
 میں سادہ اور نادان، اتنا وہ شوخ اور پرکار اس قدر
 میرا کسی زندگی کب تک، تھوڑی غیرت پیدا کر
 تجھے اس درجہ خواہش، وہ تجھ سے اس قدر بیزار

۲۸۳

داغ	دل	شد	سیاه	آخر	کار
سوختم	بے	تو	آہ	آخر	کار
فکر	زاوے	کین	کہ تا نہ	شوی	
ہم	چہ	من	خرچ	راہ	آخر کار
شد	تلف	مفت	جان	نومیدم	
بر	امید	نگاہ	آخر	کار	
سنگ	آں	آستانہ	گم	گرید	
از	ہجوم	جہاں	آخر	کار	
برہ	از	راہ	تلف	پیش	مرا
جامہ	راہ	راہ	آخر	کار	
تیرہ	شد	روزگار	در	چشم	
بے	تو	اے	رنگ	ماہ	آخر کار
برد	آواز				فراہتم
رونی	خافہ		آخر	کار	
میر	در	بزم	ما	شراب	کشاں
شیخ	شد	دستگاہ	آخر	کار	

۲۸۴

بے	تو	دل	دردناک	شد	آخر
وز	تپش	سینہ	چاک	شد	آخر
در	غم	آں	جوان	خوش	پرکار
کشتی	بندہ	پاک	شد	آخر	
عشق	یارب	چہ	داشت	با	فرہاد
آں	پلاکش	پلاک	شد	آخر	

۲۸۳

دل کا داغ آخِر کار سیاہ ہو گیا
 تیرے بغیر آہ میں جلی کر رہ گیا
 راہِ راہ کی فکر کر کہ تو آخِر کار
 میری طرح راہ میں نہ مارا جائے
 میری نا امید جانِ مفت میں برباد ہوئی
 ایک نگاہ کی امید میں آخِر کار
 اس آستان کا ہجر گم ہو گیا
 جیٹوں کے انجم سے آخِر کار
 میرے تلک پوش کو راہ سے بھٹکا دیا
 راہِ راہ اپنا شک نے آخِر کار
 میری نظر میں دنیا اندھیر ہو گئی
 تیرے چہرے کے بغیر اے رقیبِ ماہِ آخِر کار
 میری خرابات کی شہرت نے
 خانقاہ کی رونق اڑا دی۔ آخِر کار
 میرا ہم شراب نوشوں کی بزم میں
 شمعِ آخِر کار مذاق کا نشانہ بن گیا

۲۸۴

تیرے بغیر دل آخِر درد سے بھرا آیا
 اور تجھ سے سینہ چاک ہو گیا
 اس نہایت مہنارِ جوان کے غم میں
 آخِر بندے کا کام تمام ہو گیا
 عشق کو یا رب فرما دے کیا کدھی
 وہ مصیبت اٹھانے والا آخِر ہلاک ہو گیا

جنتو پیش از ایں نمی باشد
در ریش میر خاک شد آخر

۲۸۵

نه شد شور مزاج اسال از تدبیر ہم آخر
گست از وحشت بسیار من زنجیر ہم آخر
نمی بایست ایں ساں پنجہ در غولم فرد بردن
ز آدم ی شود اے بے دلا تکبیر ہم آخر
چہ ایں وحشی غزالاں بے محابا عشق ی بازو
بیاباں مرگ خواهد شد چو مجنوں میر ہم آخر

۲۸۶

بلبلے در باغ ی تائید دار
تاگہاں افتاد آں سویم گذار
رقم و پرسیدش احوال محبت
از دلت آخر چہ شد صبر و قرار
دعای تالین نہ شد معلوم بیچ
نالہ عاشق ی کند در بھر یار
ایں زماں گل گل چمن بگلند است
میر دارد جلوة فصل بہار
شعر ہائے میر اگر داری چہ یاد
خوش بخوان و یک دو دم را خوش برآر
گفت بر گل نیست ہرگز افتاد
یاد دارم صحبت درگیر یاد
دا شدے ی داشت با من صبح و شام
لطف لطف ی کشیدم در کنار
از نظر یک دم نہ رفتے روئے او
دینی بودہ ست رنگہ اعتبار

جتنو اس سے زیادہ نہیں ہوتی
اس کی راہ میں میرا خر خاک ہو گیا

۲۸۵

اس سال طبیعت کا جنوں تدبیر سے بھی آفریں کیا
میری بہت زیادہ وحشت سے زنجیر بھی آغوش گئی
میرے خون میں اس طرح ہاتھ نہیں ڈبونا چاہیے
اے بے وقار، انسان سے آفریں میری ہو جاتی ہے
ان وحشی فزائوں سے بے کھنگے عشق بازی کرتا ہے
بھٹوں کی طرح میری آفر کار بیاہاں میں مر جائے گا

۲۸۶

ہارے میں ایک لہلہا بری طرح تالہ کر رہا تھا
اچانک میرا گزر اس کی طرف ہوا
کیا اور اس سے پوچھا کیا حال ہے
تیرے دل سے صبر و قرار کہاں گیا
رونے کی وجہ کچھ معلوم نہیں ہوئی
عاشق یار کے اجڑ میں تالہ کرتا ہے
ان دنوں چمن میں رنگ برنگ پھول کھلے ہیں
فصل بہار کا جلوہ میرے قابل ہے
اگر میرے شعر کو یاد کر لے
(تو) اچھی طرح پڑھ اور دو چار لہات اچھے گزار
کہاگل پر ہرگز اعتماد نہیں ہے
یار کی موافق صحبت کو یاد کرتا ہوں
مجھ سے صبح اور شام تپاک سے ملتا تھا
لکھ لکھ آغوش میں سمجھتا تھا
اس کا چہرہ ایک پل کے لیے نظر سے اوجھل نہیں ہوتا تھا
احمد کا رنگ دیکھنے کے لائق رہا ہے

سر پہ زبرِ بالِ بزمِ یک ہے
 صبح ہا پانچ گزیم دچار
 باد دل کش کشتہ رنجِ عاصی
 زد پہ جرأتِ مہرگاں دستے پہ کار
 شاخِ عریاں بود ہر نو بادہ اسے
 در سیدِ خواری درختِ سایہ دار
 لہجہ از چائے کہ چشکِ ی زدے
 سر بروں آورد از آں جا لوکِ خار
 از روش ہا بادگرد اچھٹے
 شد چمنِ صحرائے بے گرد و غبار
 واسطے کاو دیدہ باشد ایں چمن
 بہت در بے حاشی بے اختیار
 من نہ دارم رنگ از گلزارِ حسن
 داغ ہا بر سینہ دارم بے شمار
 ایں کیفیت و نالہ از دل برکھید
 داد ہا آں نالہ جانِ مستعار
 او ز ہم بگذشت و من رفتم ز خویش
 از ہلاک او مرگم اعتبار

۳۸۷

مشو غافل، اوقاتِ را در نظر دار
 کہ وقت است چوں سینہ قاطع، خبردار
 نہ رفتے ز جا گر ہر نوحہ شدہ ستے
 دلے داشتہم در غم او جگر دار
 پہ ہر صبح تا کے دعا ہا نہائیم
 از ایں ہا بجا شدن دست بردار

ایک رات میں نے سر پہوں میں پھپایا تھا
 (کہ) صبح کو خزاں کا سامنا ہوا
 دل خش ہوا رتخ عاصفہ! بن گئی
 خزاں نے بڑھ کر گھٹن کا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا
 ہر سنے پاؤں کی شاخ مر یاں تھی
 سایہ دار درخت غم میں گھل رہے تھے
 غنچے جس جگہ سے اشارہ کرتا تھا
 اس جگہ سے نوک خار نے سر باہر نکالا تھا
 روشوں سے گرد پاوا لہتا تھا
 چمن گرد وغیرہ سے اتا ہوا صحرائیں گیا تھا
 ایسا عاشق جس نے کہ یہ سب دیکھا ہو
 اپنی بے غم سے رونے میں بے اختیار ہے
 میں حسن کے گلزار سے بہرہ ور نہیں ہوں
 میرے سینے پر بے شمار داغ ہیں
 یہ کہا اور دل سے نالہ نکلتا
 اس نالے کے ساتھ جان مستعار دے دی
 وہ خود مر گیا اور میں اپنے آپ سے گزر گیا
 اس کے ہلاک ہونے سے میں نے عبرت پکڑ لی

۲۸۷

غافل مت رہ وقت کو نظر میں رکھ
 کہ وقت تلوار کی طرح کاٹنے والا ہے، خبردار رہ
 اپنی جگہ سے نہیں ہلا اگرچہ تمام خون ہو گیا
 میں اس کے غم میں حوصلہ مند دل رکھتا تھا
 ہر صبح کو کب تک دعا میں کرتے رہیں
 ان سب سے دست بردار ہو جانا چاہیے

تگر داغ و دل غول، دماغ پریشان
تک مفت کشتہ میں ہر سہ سردار
چناں میر لہلہ و گل کام گیر
کہ کام است مشکل و معشوق زردار

۲۸۸

سال ہا گریست ہے تو دیدہ من زار زار
دگر پیغم رگ ابر است اکنوں تار تار
کار ضائع کرو و در عالم مرا رسوا نمود
سوئے او از شوق مغرط رفتن من ہار ہار
بہ دماغ از دھوی خوبی سرو و گل مشہور
می زند از بے تھی میں یک دو ناکس چار چار
عاشق ام خواہم بجائے قول ایماں ہم ز شوق
از زبان من دم آخر بیاہد : "یار یار"
میر را تجا نہ کشتہ است اشتیاق آں مژہ
عالے ہا خود بہ زیر خاک برد میں خارخار

۲۸۹

تاتوانی ہا بتان سادہ اسے دل کار دار
بھو خوائی را دعا می گوئے چوں زار زار
دل بہ میں کافر بتاں ہر گاہ و بے گہ کار دار
بھو را باید ز دست انگند چوں زار زار
شرعہ تاسازی طبع عشق جہانی است
رو نمی آرد کسے سوئے درخت خاردار
جمع کن دل از حیات درمندان وفا
نے دوائے درمیان و نے کسے چاردار
از حکم درمان دنیا نیست حاصل جز گزند
مار می زاید اکثر میں زانیا ہاردار

جگر داغ، دل خون اور میرا داغ پریشان
یہ تینوں سردار ملت میں مارے گئے
کس طرح میرے بلبل گل سے اپنی مراد حاصل کرے
کہ زردار معشوق سے مراد حاصل کرنا دشوار ہے

۲۸۸

سالہا حیرے بغیر میری آنکھیں زار زار روئیں
میرے گریباں میں بادل کی دھاری اب بھی تار تار ہے
کام بگاڑ دیا اور دنیا میں مجھے رسوا کر دکھایا
اس کی طرف شوق کی زیادتی سے میرے بار بار جانے نے
سرد گل کی خوبی کے دعویٰ پر غصہ مت کر
کم ظرفی سے یہ دو ایک ناکس بجکی بجکی باتیں کرتے ہیں
عاشق ہوں چاہتا ہوں گلے کی جگہ بھی عشق میں
میری زبان سے دم آخر "یار یاد" نکلے
میرے ہی صرف اس مژدہ کے اشتیاق میں نہیں مارا گیا ہے
ایک دنیا اپنے ساتھ خاک میں یہ خار خار لے گئی ہے

۲۸۹

جب تک ہو سکے سادہ بتوں سے اے دل کام رکھ
جب زہار باندھ تصحیح پڑھنے کو الوداع کہہ دے
دل ان کافرجوں سے ہر گاہ دے بے گاہ کام رکھ
تصحیح کو ہاتھ سے پھینک دینا چاہیے جب زہار باندھے
نہایت کمروری طبیعت کے بگڑنے کا نتیجہ جھانکی ہے
کوئی خار دار درخت کی طرف رخ نہیں کرتا
وفا کے درمندان کی زندگی سے دل منع رکھ
شد درمیان میں کوئی دوا ہے نہ کوئی تیار دار
دنیا کے حکم داروں سے گزند کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے
یہ حاملہ عورتیں اکثر سانپ کو جہنم دیتی ہیں

میر از بولی قیامت ایں ہمہ اندیشہ چیست
رو، توکل کن، امید مرحمت از یار دار

۲۹۰

یک رو ز شوق میر رو آن سوار گیر
تا چند نام او بودت حرف پارگیر
ساز زمانہ ہم نہ بود جائے اعتماد
ہست ایں گزندہ زیر لطف طرفہ پارگیر
دیرے ست شیوہ تو دلا بے قراری است
انکوں پہ ضبط کوش و زمانے قرار گیر

۲۹۱

پہ امیدے کہ ی مای شوقی اے جس بہتر
نہ دارد اہل دل ایں کارواں، ضبط نفس بہتر
پہ گام آتلیں سری رود در راہ عشق او
اگر باور نمی داری، بیا اے بوالہوس بہتر

۲۹۲

اے کہ با تو نہ شود صحبت عاشق درگیر
لطف کن یک رہم از خاک ملائت برگیر
تا کسے تہمت آرام نہ بندد پہ دلت
سرگذشت تو پہ آخر چو رسد، از سرگیر

۲۹۳

مرد پہ راہ خرابات گر نہ ای پرکار
کہ گفتہ اند حریفان قمار و راہ قمار

۲۹۴

گر از جہ دل نمی شوی یار
بارے پہ زباں نگاہ می دار

میر قیامت کے خوف سے اتنی فکر کیوں ہے
جا، تو کھل کر، یار سے مرحت کی امید رکھ

۲۹۰

ایک بار میر عشق میں اس سوار کی راہ روک
کب تک اس کا نام حیرانگیہ کلام بنا رہے
زمانے کی موافقت بھی اعتبار کے قابل نہیں ہے
آسمان سے بیڑے والا طرفہ فریبی ہے
قدت سے اسے دل حیران شیوہ ہے قراری ہے
اب ضبط کی کوشش کر اور کچھ دن سکون سے رو

۲۹۱

کس امید پر نالہ کر رہی ہے، اسے جس خاموشی بہتر (ہے)
اس کا وہاں میں اہل دل نہیں ہیں، ضبطِ فکر بہتر (ہے)
اس کے عشق کی راہ میں پہلے قدم پر سر چلا جاتا ہے
اگر (چھے) یقین نہیں آتا بہتر ہے (کہ) اسے بھالہاں آ (کر دیکھ لے)

۲۹۲

اے کہ حیرے ساتھ عاشق کی صحت موافق نہیں آتی
مہربانی کر کے ایک بار مجھے خاکِ مذلت سے اٹھا
تاکہ کوئی میرے دل پہ آرام کی تہمت نہ لگائے
جب حیرا ماجرا آخر کو پہنچ جائے، پھر سے شروع کر

۲۹۳

خراہات کی راہ نہ لے اگر عیاں نہیں ہے
کہ حریفوں نے کہا ہے کہ قمار و راہ قمار

۲۹۴

اگر (ٹو) تو دل سے دوست نہیں بنا ہے
کم از کم (اپنی) زبان سے تو خیال رکھ

۲۹۵

نقاش	تو	خوں	کشید	آخر
کارش	بہ	جوں	کشید	آخر

۲۹۶

جاں می رود ز قرط تپش ہر شمع ہنوز
 خوں می چکد بہ گاہ سخن از لبم ہنوز
 از خاک من گذشت نسیم و سموم شد
 گردیدہ ام غبار و ہواں در صم ہنوز
 مقصود من تو ای ہمہ زیں آگہ اند ایک
 ظاہر نمی کند چہ تو کس مطمئن ہنوز
 کلراہ حرف عشق ز یک عمر می کلم
 پیری رسیدہ بر سر و در مسکلم ہنوز
 جاں رفت و میر سوگلی ہم چنان کہ بود
 پز آتش است قبر من از قابلم ہنوز

۲۹۷

بے خود شدہ چشمش ہشیار نہ شد ہرگز
 تا روز قیامت غفلت، بیدار نہ شد ہرگز
 از یاس وصال او جانے و الم دارم
 ہر چند از او مستم، او یار نہ شد ہرگز
 دایمہ آسائش یک لحد نہ گردیدم
 از بندہ چہ عشقی او ایں کار نہ شد ہرگز
 در شہر وفا ہر یک بیماری دل دارد
 از اہل ہوس کس را آزار نہ شد ہرگز
 از تصفیہ باطن میر آئینہ گردیدم
 اما بہ مراد دل دیدار نہ شد ہرگز

۲۹۵

تیرا عشق کھینچنے والے نے آ خر قصہ کھلوائی
اس کا کام آ خرا سے جنون تک لے گیا

۲۹۶

ابھی تک ہر رات فرط تپش سے میری جان جاتی ہے
ابھی تک سخن کی جگہ میرے لبوں سے خون نکلتا ہے
میری خاک پر سے نسیم گزری اور موسم بن گئی
(میں) غبار ہو گیا ہوں اور ابھی تک اسی تپش میں ہوں
میرا مقصود تو ہے، سب اس سے آ گاہ ہیں مگر
ابھی تک کسی نے تجھ پر میری خواہش کو ظاہر نہیں کیا
ایک حرف عشق کی تکرار کر رہا ہوں
بڑا چا پاسر پر آ گیا اور ابھی تک میں کتب میں ہوں
جان چلی گئی اور میرا سوزش اتنی ہی (ہے) کہ جوتھی
میرے قالب (کی وجہ) سے میری قبر ابھی تک آگ سے بھری ہے

۲۹۷

اس کی آنکھوں سے مست ہو جانے والا ہرگز ہوش میں نہیں آیا
قیامت کے دن تک سویا، ہرگز بیدار نہیں ہوا
اس کے وصال کی ناامیدی سے جان اور اہم رکھتا ہوں
کتنی ہی بار اس کی طرف سے گھبرا آیا، وہ ہرگز یار نہ بنا
آرام سے ایک لٹک بھی دابہ نہیں ہوا
مجھ سے اس کے عشق میں یہ کام ہرگز نہیں ہوا
شہر و ملا میں ہر ایک دل کی بیماری رکھتا ہے
اٹل ہوں میں سے کسی کو (یہ) آزاد نہیں ہوا
باطن کے پاک و صاف ہونے سے اسے میر (میں) آئینہ بن گیا
پھر بھی دل کی مراد کے مطابق دیدار نہیں (حاصل) ہوا

۲۹۸

در خانہ نشیں شرم کن اے خانہ برائخان
تا چند بہ بازار روی مست سراخان
در در و حرم شد سبب فتنہ و آشوب
چشم یہ تست بلاشوخ و دلائخان
ہر دیدن او موجب صد گونہ بلاے است
تا چشم سیاہ تو چہ دارد نظر اغان
بے مصلحت وقت حزن دست بہ کارے
چوں تخی جفا یار برآرد، پھر اغان
خواہم ہدف ناکب او میر جگر کرد
امروز نشان یافتہ ام زان قداخان

۲۹۹

مستحبہ از غمش ہمہ اجزائے ما گداز
چوں شمع گشتہ ایم ز سر تا بہ پا گداز
دستہ حزن بہ من کہ ز سوز دروں شدہ ست
چوں آب شستہ میوہ تنم جا بہ جا گداز
شعرے نہ خواندہ ام کہ بکای نہ کردہ میر
بسیار در غم تو شدہ ست آں گدا گداز

۳۰۰

او چہ دائرہ کہ گل داغ نہ چیدہ ست ہنوز
لغنیچہ اے ہست و ہوائش نہ رسیدہ ست ہنوز
او چہ دائرہ کہ چہ در دوری او می باشد
چند گاہے بہ رو غم نہ دیدہ ست ہنوز

۲۹۸

گھر میں بیٹھ، شرم کراے گھروں کو رہا کر دینے والے
 کہاں تک بازار میں فٹے میں جھومتا ہوا جائے گا
 ویر و حرم میں فتنہ و آشوب کا سبب بن گئی
 تیری بلا شوخ ہوو در انداز چشم سیاہ
 ہر بار اس کا فکرا اٹھانا سو طرح کی بلاؤں کا موجب ہے
 کب تک تیری چشم سیاہ (جیسے) نظر انداز کئے رکھتی ہے
 وقت کی مصلحت کے بغیر کسی کام میں ہاتھ نہ ڈال
 جب یار تجلی جفا نکالے، سپردِ اِل دے
 (اے) میرؔ میں نگر کو اس کے ناک کا ہدف بنا دوں گا
 آج میں نے اس بے چارے کو تیرا عذاب کا پتہ پایا ہے

۲۹۹

اس کے غم میں ہمارے تمام اجزا کھل گئے
 شمع کی طرح سر تا پا گداڑ ہو گئے ہیں
 مجھے نہ ملو کہ سوز و درد سے ہو گیا ہے
 میرا بدن آبِ حشرؔ میوے کی طرح ہر جگہ سے نرم
 میرؔ (کے سامنے کوئی) شعر نہیں پڑھا کہ (اس نے) آہ و فغاں نہیں (شروع) کی
 وہ گدا حیرے غم میں بہت زیادہ کھل گیا ہے

۳۰۰

وہ کیا جانے کہ (اس نے) گل داغ ابھی نہیں چٹا ہے
 غصہ ہے اور اس کو ابھی ہوا نہیں لگی ہے
 وہ کیا جانے کہ اس کا بھر کیا ہوتا ہے
 راو غم میں ابھی تک چند قدم بھی نہیں دوڑا ہے

۱ وہ طریقوں میں لڑائی کرائے والے۔

۲ پانی میں چرے چرے ٹھاپ ہونے والے۔

بر سر رگدرد از حال من او را چه خبر
 انتھارے چہ خودے را نہ کشیدہ ست ہنوز
 گوش بر قصۂ عشاق نینداختہ است
 شور ہنگامۂ دل ہم نہ شنیدہ ست ہنوز
 کہ بہ ایں چشم جگرہار منش چشم افتد
 انگ ہم از مژدۂ او نہ چکیدہ ست ہنوز
 قدر ما سینہ نگاراں چہ کند کلاں بے رقم
 چوں گل از شوق گریاں نہ دیدہ ست ہنوز
 دامن اے میر من از بکر لگا ہے کہ ز شرم
 صورت آئینہ یک چشم نہ دیدہ ست ہنوز

۳۰۱

آماج تست تربت اہل وفا ہنوز
 حیر تو گردی کند از خاک ما ہنوز
 من در میانہ میستم و در میان بارخ
 دارد بہ لب فسانہ شوق صبا ہنوز
 جانم بہ لب رسید و قریب است رقتم
 غویاں بہ آید با من مسکین شام ہنوز
 فرسودہ شد زبان انایت بہ کام و میر
 کارے نمی کند بہ دل او دعا ہنوز

۳۰۲

باقی ست بعبہ مرگ ہم آثار ما ہنوز
 دارد نشان خوں در و دیوار ما ہنوز
 از حال ماست غافل اگر جائے شکوہ نیست
 با کس وفا نہ کردہ جفاکار ما ہنوز

سر پہ گور میرے حال کی اس کو کیا خبر
 (اس نے) کسی اپنے جیسے کا ابھی انکار نہیں سمجھتا ہے
 (اس نے) عاشقوں کے قصے پر کان نہیں دھرا ہے
 دل کے بنگارے کا شور بھی ابھی تک نہیں سنا ہے
 کب میری اس جگر پر سارے والی آنکھوں پر (اس کی) نظر پڑتی ہے
 آنسو بھی اس کی چٹکوں سے ابھی تک نہیں ٹپکے ہیں
 ہم ڈلی سیدہ کہنے والوں کی وہ ہے دم کب قدر کرتا ہے
 ابھی تک عشق میں گل کی طرح گریبان چاک نہیں کیا ہے
 اے میرے کسی بکرنگا، کاظم کھاتا ہوں کہ شرم سے
 (جس نے) ایک نگاہ آئینے کی شکل ابھی تک نہیں دیکھی

۳۰۱

اہل وفا کی تربت ابھی تک تیرے حیر کا نشانہ ہے
 حیرا حیر ہماری خاک سے ابھی تک غبار اٹھاتا ہے
 میں موجود نہیں ہوں اور باغ کے اندر
 ابھی تک مہا کے لب پر میرے عشق کا افسانہ ہے
 جان ہونٹوں تک پہنچ گئی ہے اور میرے جانے کا وقت قریب ہے
 (اے) معشوق! تم ابھی بھی مجھ مسکین سے بری طرح پیش آرہے ہو
 دعا مانگتے مانگتے زبان منہ میں کس گئی اور میر
 اس کے دل پر ابھی تک دعا نے کوئی کام نہیں کیا

۳۰۲

مرنے کے بعد بھی ہماری نشانیاں ابھی تک باقی ہیں
 ہمارے در و دیوار پر ابھی تک خون کے نشان ہیں
 اگر ہمارے حال سے غافل ہے، شکوے کی گنجائش نہیں ہے
 کسی سے ابھی تک ہمارے جفا کرنے وفا نہیں کی ہے

۳۰۳

او چہ دائم کہ دلش عشق نہ ورزیدہ ہنوز
رنگِ آں غیرت گھزار نہ گردیدہ ہنوز

۳۰۴

نہ کردیم گشتِ بہن یک نفس
چہ حراماں بسر رفت اوقات و بس
بہار آمد و گل فشاں شد ولے
میخاد یک برگِ گل بر قفس
از این منزل رفتی بار بند
بیا حرف در رہ بگو چوں جرس
و شوق کلم سینہ پر داغ شد
بدیں رنگ گل کرد آخر ہوس
چہ بر غولی غولِ غولِ غزلہ ای
چہ درد دل غم کشاں ہم برس
چہاں میرِ غولای بسر کرد آہ
مزاج تو سازے نہ دارد چہ کس

۳۰۵

آزردہ دلے آہ چہ سنے را چہ کند کس
غیرت زدہ بے وطنے را چہ کند کس
بر جاست گر از صحبت من غلطی نفور است
ہنگام کنے، نعرہ زنے را چہ کند کس
از بلبلِ شوریدہ گد شتم چہ کافل
رہا شدہ ہر جگہ را چہ کند کس
سودای اے چہ من نہ بود قابلِ صحبت
ایں قسم پریشاں سخنے را چہ کند کس

۳۰۳

دہ کیا جانے کہ اس دل نے ابھی عشق اختیار نہیں کیا ہے
اس غیرتِ نگزار کا رنگ ابھی نہیں اڑا ہے

۳۰۴

ایک نفس چمن کی سیر نہیں کی
وقت بس ناامیدی میں کاٹ دیا
بہار آئی اور پھول برسائے مگر
نفس پر ایک پگھڑی بھی نہیں ڈالی
اس عارضی منزل سے اسبابِ باندھ
آ، رملہ میں جس کی طرح بات کر
گل کے شوق میں میرا سینہ داغ سے بھر گیا
جنوں آخر اس رنگ میں ظاہر ہوا
کیا تو (بس) اپنے حسن پر فریفتہ ہے
غم اٹھانے والوں کے دل کے درد تک بھی پہنچ
میر (تو) کس طرح بسر کرے گا، آہ
تیرا مزاج کسی سے موافق نہیں آتا

۳۰۵

مجھ جیسے آرزوہ دل کا کوئی کیا کرے
غربتِ زور، بے وطن کا کوئی کیا کرے
بہا ہے اگر میری صحبت سے لوگ نفرت کرتے ہیں
ہنگامہ کرنے والے، غزوہ مارنے والے کا کوئی کیا کرے
(میں) شوریدہ، ٹہل (کے پاس) سے بے اتفاقی کے ساتھ گزر گیا
کوئی ہر چمن میں رسوا ہونے والے کا کیا کرے
مجھ جیسا دیوانہ صحبت کے قابل نہیں ہوتا
اس طرح کے بھی، بھی باتیں کرنے والے کا کوئی کیا کرے

ہمیں نہ فرزند کہ حاضر نہ شود میر
پروانے ہر اچھے را چہ کند کس

۳۰۶

در دہر چوں تو ظلم شعارے نہ دید کس
ناآشنا تر از تو نگارے نہ دید کس
روشن نہ شد کہ عشق دردم چگونہ سوخت
افکار آتش و شرارے نہ دید کس
نبود دلی کہ در تہ گرد ملال نیست
زیں خاکداں بغیر غبارے نہ دید کس
خوں ہا صودہ ای و نہ دافن چہ کردہ ای
کاعد رہت نشان حزارے نہ دید کس
جانے نہ داد میر پہ ایں بے کسی کے
در مردن تو گرچہ زارے نہ دید کس

۳۰۷

ما از آں بے میر گل رخسار کہیں دیدیم و ہمیں
بر جبین ہم چہ ماہش جملہ جہیں دیدیم و ہمیں
روز و شب با دیدہ غم ناک کارے داشتیم
آں چہ ما دیدیم در عشق تو ایں دیدیم و ہمیں

۳۰۸

دل کہ ہر لحظہ داشتیم پہ برش
حالیا در می رسد خبرش
فکر بسیار کردم و لیکن
بت ہرگز نہ شد دامن سکرش
آہ در دل چہ داشت بلبل باغ
پہ پہ دل خورد نالہ سحرش

شع نہیں جلائی کہ میر حاضر نہیں ہوا
ہر انجمن کے پردائے کا کوئی کیا کرے

۳۰۶

دنیا میں کسی نے تجھ جیسا قلم شعار نہیں دیکھا
تجھ سے زیادہ نا آشنا محبوب کسی نے نہیں دیکھا
یہ روشن نہیں ہوا کہ عشق نے میرے سینے کو کیسے جلایا
آگ لگی اور کسی نے ایک پنکھاری نہیں دیکھی
کوئی دل (ایسا) نہیں ہو گا کہ گردِ ملال میں اٹا ہوا نہیں ہے
کسی نے اس خاک دان سے غبار کے سوا کچھ اور نہیں پایا
تو نے بہت خون کیے اور میں نہیں جانتا کیا کر دیا ہے
کہ تیری راہ میں کسی نے کسی مزار کا نشان نہیں پایا
میر کسی نے اس بے کسی کے ساتھ جان نہیں دی تھی
تیرے مرنے پر کسی نے آہوں کا نہیں سنی

۳۰۷

ہم نے اس گل رخسار بے مہر (کی طرف) سے کیونہ دیکھا اور بس
اس کی ماو جیسی پیشانی پر تمام ظلماتیں دیکھیں اور بس
روز و شب دیدارِ غم ناک سے کام رکھتے تھے
تیرے عشق میں ہم نے جو دیکھا یہی دیکھا اور بس

۳۰۸

دل جس کو ہر لمحہ اس کی آغوش میں رکھتے تھے
ان دنوں اس کی خبر ویر سے پہنچتی ہے
میں نے بہت فکر کی لیکن
مجھ سے اس کی کمر (کا مضمون) پاگل نہیں بندھ سکا
آہ باغ کا بلبل دل میں کیا رکھتا تھا
اس کا نالہ سحری دل کو بہت تڑپا گیا

از قیدِ چوں ستانِ آں بے دم
 نیزہ ہلاستِ نحوں چہ رنگدوش
 خوب شد دل از ایں میاں برخاست
 بود از غم قیامت چہ سرش
 داغِ غم از چشمِ شرمگین کسے
 بر نہ دارد ز پشتِ پا نظرش
 آں مقدس کسےست میر کہ خلق
 چہ جزک برمد خاکِ دوش

۳۰۹

ولا برخیز و آہے از جگر کش
 بریز اٹکے و دامانِ اثر کش
 برابر کرد با خاکِ سیاہم
 خرامِ ناز ایں سبزانِ سرکش
 تو مغروری چہ عقل و دانش خویش
 نمی دانی کہ دشوار است درکش
 ز دل آہے کش اکثر کہ ہر جا
 خندانند تیر روئے ترکش
 چہ فصلِ گل چہ در بنجر لہاسِ ای
 گردِ کن جامہ را و جامِ درکش
 چہ گلشنِ غنچہ خسی تا کجا میر
 بغلِ بکشا و آں گل را چہ برکش

۳۱۰

ہر کہ شد دیوانہ او کس نہ گردد ہمدمش
 شیرِ ناخن می گذارد در نیابانِ غمش

اس بے رحم کے سناں کی طرح قد کے سبب
اس کی رہ گزرمیں (موچ) غوں نیزے سے اوپٹی (ہو چکی) ہے
اچھا ہوا کہ دل درمیان سے چلا گیا
غم سے اس کے سر پر ایک قیامت تھی
کسی کی چشمِ شریکوں سے نہایت آزرہ ہوں
اس کی نظر پشت پا سے نہیں اٹھتی ہے
(یہ) بزرگ سیر کون ہے کہ لوگ
اس کے در کی خاک جڑک کے طور پر لے جاتے ہیں

۳۰۹

اے دل اللہ اور جگر سے ایک آہ کھینچ
آنسو بھا اور اثر کا دامن کھینچ
مجھے خاک سیاہ کے برابر کر دیا
ان سانولے رنگ والے سرکشوں کے طرام ناز نے
تو اپنی عقل و دانش پر مغرور ہے
نہیں جانتا کہ اس کو چاٹنا دشوار ہے
دل سے بہت آہ مت کھینچ کہ ہر موقع پر
حیرت دے ترشش کو نہیں چلاتے
فصل گل میں کیوں لباس کی قید میں ہے
جامد ربن رکھ اور جام کھینچ
گلشن میں غنچہ نہیں سب تک میر
ہائیں کھول اور اس گل کو آغوش میں کھینچ

۳۱۰

جو بھی اس کا ریمانہ ہوا اس کو کوئی بھی دوست نہیں بناتا
اس غم کے جیابان میں شیر (بھی) نہایت خوف زدہ ہو جاتا ہے

۱ سب سے محروم اور چٹا ہوا حیرتوں کے لیے ترشش پر الگ جگہ بنی جاتی ہے۔

۲ آتش دان، عذاب اکوڑا کر کٹ ڈالنے کی جگہ۔

۳ سحر کے سوا۔

اس بے رحم کے سناں کی طرح قد کے سبب
اس کی رہ گزرمیں (موج) خوں نیزے سے اونچی (ہونچکی) ہے
اجھا ہوا کہ دل درمیان سے چلا گیا
غم سے اس کے سر پر ایک قیامت تھی
کسی کی چشم شریکیں سے نہایت آزرده ہوں
اس کی نظر پشت پا سے نہیں اٹھتی ہے
(یہ) بزرگ میر کون ہے کہ لوگ
اس کے در کی خاک جہزک کے طور پر لے جاتے ہیں

۳۰۹

اے دل اندھ اور جگر سے ایک آہ کھینچ
آنسو بہا اور اخر کا دامن کھینچ
مجھے خاک سیاہ کے برابر کر دیا
ان سانولے رنگ والے سرکشوں کے خرام ناز نے
تو اپنی عقل و دانش پر مغرور ہے
نہیں جانتا کہ اس کو چاہتا دشوار ہے
دل سے بہت آہ مت کھینچ کہ ہر موقع پر
تیرے ترش کو نہیں چلاتے
فصل گل میں کیوں لباس کی قہد میں ہے
جامہ رابن دکھ اور جام کھینچ
گلشن میں فتنہ نہیں سب تک میر
پائیں کھول اور اس گل کو آغوش میں کھینچ

۳۱۰

جو بھی اس کا دیا نہ ہوا اس کو کوئی بھی دوست نہیں بناتا
اس غم کے بیابان میں شیر (بھی) نہایت خوف زدہ ہو جاتا ہے

۱ سب سے محمد اور چاہا میر جس کے لیے ترش پر الگ جگہ بتائی جاتی ہے۔

۲ آتش دامن عہد اکبر کثرت ڈالنے کی جگہ۔

۳ سکر کے نام۔

ابر کے گرد حریفِ فرقہ دریائے عشق
 لپٹ لپٹ ہی چمکد حسرت و مژگانِ مہش
 قیس را گر تعزیت دارے نہ باشد گو مہاش
 ہیو بھنوں موئے سر وا کردہ امد ہامش
 ایں ہمہ بر خود نکستی را سب پارسدے
 گر ملاقاتِ میرِ می شدے ہا مہش
 ہا سر زلفت سروکارے ست شاید میرِ ما
 دمِ می آید ہے اکٹوں ہہ حال درمیش

۳۱۱

نہ دارو آرزوئے دیدنِ فردوس و نگذارش
 زدہ ست آں کس کہ سر بیچ خوشے در پائے دیوارش
 اگر در باغِ می آید ہہ خوبی می نہایت
 کہ ہاں اے گل چہ کافر چہرہ اے افتادہ رخسارش
 نصرتِ بدتے خاموش و تاثیرے نہ شد ظاہر
 مگر از حالِ من نالیدنے سازد خبردارش
 کنوں در گوشہ زاہد را نہ خواہی دید اے ہم دم
 کہ چشم پہ خود سبزید اے دل بردہ از کارش
 چنیں معلوم می گردد کہ چاہے میرِ عاشق شد
 محبت می ترلود متصل از طرزِ گفتارش

۳۱۲

آں	کہ	جاں	می	رود	ہہ	قرآنش
می	سکھ	حیدر	دھم	پیکاش		
جانب	من	کے	نمی	گیرو		
ورنہ	دستے	دھم	ہہ	دماش		
آرزو مند	خویش	را		دیاب		
رہتے	میں	غیبت	از	ہانش		

بادل بحرِ عشق میں ڈوبے ہوئے کا کب حریف بن سکتا ہے
 اس کی گیلی پلکوں سے لپچ لپچا حسرت کب دھڑکی ہے
 قیاس کے لیے اگر کوئی سو گوار نہ ہو کہہ دو کہ نہ ہو
 اس کے ماتم میں بیچہ جھنوں سر کے بال بکھرائے ہوئے ہے
 اسنے ناز و فرور کرنے کا سبب پوچھوں
 اگر اس کے محرمِ راز سے مجھے ملاقات (کاموچ) میسر ہو
 شاید میسر گو اس کی ذلف سے سرد کار ہے
 اب اس کے حال پر بیٹاں پر بہت رحم آتا ہے

۳۱۱

فردوس اور اس کے گلزار کو دیکھنے کی آرزو نہیں رکھتا
 وہ جو اس کی دیوار کے نیچے جھن سے سو رہا ہے
 اگر باغ میں آیا تو بہت خوبی سے (گل کو) تجھے دکھاؤں
 کہ ہوشیار اے گل کیا کافر چہرے حیرے رشکار پر جھکا ہے
 بدلتوں خاموش بیٹھا رہا اور کوئی تاثیر نکال نہیں ہوئی
 مگر رونے نے میرے حال سے اس کو آگاہ کر دیا
 اب زباں کو اسے ہم دم غلوت میں نہیں دیکھے گا
 کہ سانولے رنگ کے نوخیز حسین کی چشم بے خود اس کا دل چھین لے گئی ہے
 اسی سے معلوم ہوا کہ کسی جگہ میسر عاشق ہو گیا ہے
 محبت ہمیشہ اس کی باتوں کے انداز سے نکلتی ہے

۳۱۲

وہ کہ جان اس پر قربان ہوئی جاتی ہے
 اس کے چپکان کا دم پھیلتا جا رہا ہے
 کوئی میری جانب نہیں لاتا
 کہ اس کے دامن پر ہاتھ! الوں
 اپنے آرزو مند کی خبر لے
 اس کی جان ایک رشت سے نریا وہ نہیں (رو گئی) ہے

تقریب خانہ است باغ جہاں
 روضہ خوان است مرغ خوش خوانش
 کردہ ادیاں چہ یک نگہ برہم
 چشم پرغشتم جاملسان
 آن سہ کاسہ است چرخ کہ میر
 غیر خونے نہ خورد مہرانش

۳۱۳

چہ گویم آہ من از غمے جور ایہادش
 نشستہ ام بہ سر پا ز دست بیدادش
 دلم بہ دست تو ماند بہ آن گرفتارے
 کہ بال بست سپارد بہ طفل صیادش
 شے بہ سخی رقیباں از او جدا گشتم
 کنوں چہ خواب فراموش رفتم از یادش
 چہ حرف می دنی از برگ برگ گشتن گل
 ہوائے دیدن روئے تو دادہ بر بادش
 کدام دشمن جاں میر را بہ شور آورد
 کہ می چکد ہمہ شب دوستی ز فریادش

۳۱۴

دوش از لعل یار جانی خویش
 یافتم لطف زندگانی خویش
 صحبت او بہ ناکساں و مرا
 انصافے ز کلمہ دانی خویش
 یک دو روزے بہ ترک او پرداز
 رحم کن میر بر جرات خویش

دنیا کا باغِ تغزیت خانہ ہے
اس کا غوشِ آواز پرندہ روضہ خوان ہے
دین و ایمان کو ایک نگہ سے تہہ بالا کر دیا ہے
اس کی شے سے بھری کافر آنکھوں نے
آسمان وہ بخیل ہے میر کہ
اس کا مہمان خون کے علاوہ کچھ نہیں چچا

۳۱۳

آہ میں اس کی جور ایجا و طبیعت کی کیا کہوں
اس کے ظلم کے ہاتھوں مرنے کے قریب ہوں
میرادل تیرے ہاتھ میں اس گرفتار (پرندے) کی طرح ہے
کہ (جسے) مسجود نے پرندہ بنا ہوا (کسی) بچے کے سپرد کر دیا ہے
ایک رات رقیبوں کی کوشش (کی وجہ) سے اس سے جدا ہوا
اب بھولے ہوئے خواب کی طرح اس کے حافظہ سے نکل گیا ہوں
بھول کے پتی پتی ہو جانے کا کیا بیان کروں
تجھے دیکھنے کی آرزو نے اسے ہوا میں بکھیر دیا
کس دشمن جان نے میر کو غل کرنے پر مجبور کیا
کہ ساری رات اس کی فریاد سے ٹپکتی رہی

۳۱۴

کل اپنے یار جانی کے لب سے
اپنی زندگی کا لطف پایا
اس کی نالایقوں سے صحبت اور مجھے
اپنی نکتہ دانی پر شرمندگی
ایک دور روز اس سے ترک اختیار کر
میر اپنی جوانی پر روم کھا

۳۱۵

می گشت باد صبح کهی کرد خانه اش
 زد آتشم به دل روشی عمرانه اش
 از هم گذشت بلبل شوریده سر سگر
 یک ناله بر نمی زند از آشیانه اش
 سیمائی پاک تر از جبین ملک نیار
 میجو هر سرے نه شود آستانه اش
 بودیم روش پیشی ستم دیده طمست
 جز داغ دل نه بود چراغی به خانه اش
 بر سر رسیده بود مرا بعد از آن
 امان داد فرصت یک دم زمانه اش
 این چند بال و پر که عبارت از بلبل است
 سوراخ می کند به جگر هر ترانه اش
 با میر دوش صحبت شعر اتفاق شد
 به خود شدیم از غزل ماستخانه اش

۳۱۶

چشم دارم ز دیده ج خوش
 که نمایم به ابر گوهر خوش
 باشم سنگ و بستم خاک است
 تکیه کرده ام به دلبر خوش
 میستم در خود و به فکر خودم
 دلم آورده ام به کشور خوش
 تا چه آئینه دیده ام دا شد
 چهره مستم به خلق بر در خوش
 خوب شد پامال ناز تو شد
 میر بسیار بود بر سر خوش

۳۱۵

ہاں صبح کا ہی اس کے گھر کے گرد گشت کرتی تھی
 اس کی مخرمانہ روش نے میرے دل میں آگ لگا دی
 بلبل شوریدہ سر شاید مرگئی
 ایک نالہ (بھی) اس کے آشیانے سے نہیں اٹھا
 فرشتوں کی جبین سے پاک تر ایک پیشانی لے آ
 اس کا آستانہ ہر سر کا سمجھو نہیں ہوتا
 ہم کل تیرے غم کے ستم دیدہ کے رو برو تھے
 اس کے گھر میں داغ دل کے سوا چراغ نہ تھا
 (وہ) لذت کے بعد میرے پاس پہنچا تھا
 لیکن زمانے نے اسے ایک دم کی (بھی) فرصت نہیں دی
 یہ چند بال و پر کہ بلبل سے عبارت ہیں
 اس کا ہر ترانہ جگر کو چھید دیتا تھا
 کل میرے صحبتِ شعر کا افاقہ ہوا
 (ہم) اس کی عاشقانہ غزل سے بے خود ہو گئے

۳۱۶

اپنے دیدہ تر سے امید رکھتا ہوں
 کہ اور کو اپنا گویہ دکھائے گا
 میری بالمش سنگ اور بستر خاک ہے
 جب سے اپنے دلبر پر ٹکیو کیا ہے
 خود میں نہیں ہوں اور اپنی تلاش میں ہوں
 اپنے ملک میں وطن آوارہ ہوں
 جب سے آئینے کی طرح میری آنکھ کھلی
 میں اپنے دروازے پر خلق کی طرف چہرہ موڑ لیا ہے
 خوب ہوا حیرے ناز کا پامال ہو گیا
 میرا بہت زیادہ خود سر تھا

۳۱۷

بود اگر جبرئیل شد رامش
 خوردہ آپے ز چشم رامش
 از هجوم نگاہ بخنجر
 شکوہ ہا بہت بر لب رامش
 دل در آغاز عاشقی خوں شد
 تا چہ خواہد شدن سرانجامش
 بادہ خواری عشق ہازی نیست
 بوئے خوں آید از لب رامش
 خود کش ہا مودہ ام کہ چہیں
 آشا گشت لب چہ دشامش
 دل کہ سرمایہ حیات من است
 از تپش نیست یک دم آرامش
 قش من ہمیش کہ بے صبرم
 چہ ضرور است بردن نامش
 یاد آن مہدی کہ مرا
 دم چہ دم ی رسید پیغامش
 اے کہ صبح چن بے دیدی
 در خزاں یک نظر ہمیں شامش
 چہ جہنم چہ میر کافر شد
 او چہ بود و چہ دین و اسلامش

۳۱۸

رزم بر رزم خورد
 داشت آپ برکہ شمشیرش

۳۱۷

اگر جبرئیل تھا اُس سے رام ہو گیا
 (اور) اس کے چشمہ رام سے پانی بھا
 مختلروں کی نگاہوں کے جھوم سے
 اس کے لبِ یام کو پر بہت سے شکوے ہیں
 دل آواز عاشقی میں خوں ہو گیا
 انہام تک اس پر کیا گزرے کی
 عشق کی بادِ خوار کی تکمیل نہیں ہے
 لبِ جام سے بوئے خوں آتی ہے
 (میں نے) سخت محنت اور کوشش کی کہ یوں
 اس کے لبِ دھام سے آفتاب ہو گئے
 دل کہ میرا سرمایہ حیات ہے
 تپش سے اُسے دم بھر آرام نہیں ہے
 میرے سامنے بھینش، کہ بے صبر ہوں
 اس کا نام لہنا کیا ضرور ہے
 اس عہد کو یاد کرتا ہوں کہ مجھے
 دم بہ دم اس کا پیغام پہنچتا تھا
 اے کہ (تو نے) صبح چن اکو دیکھی ہے
 غزاں میں ایک نظر اس کی شام (بھی) دیکھ
 میرے سا کافر جہنم (رسید) ہوا
 وہ کیا تھا اور کیا اس کا دین اور اسلام

۳۱۸

اس کا دھار دھم پر دھم کھاتا تھا
 اس کی شمشیر میں آپ برعہ تھا

تا کیا آہ استخوان شکم
 کہ چنانیم بر سر حیرش
 دل کہ شد رہ گرائے کوچہ دلف
 تنواں داشتی پہ رنجیرش
 پہ خرابی قرار دل دادم
 کہ نہ دادم دماغ تعمیرش
 کار آخر نہ کرد در دل او
 نالہ مظلوم بود و تا حیرش
 بلبل ای چمن شوش پہ است
 می چکد خون دل ز تقریرش
 میر از در قصہ کعبہ نمود
 کرد آوارگی خدا حیرش

۳۱۹

چوں پردہ برافتہ سحر از چہرہ آتش
 کویند عزیزان چمن گل پہ جہاںش
 یارب چہ ہوں بلبل شودیدہ پہ خود برد
 کاوارہ بنور احد پہ گلشن پر و ہائش
 در خواب عدم ہم دل آسودہ نہ داریم
 مردیم و ہاں است قناتے وسائش
 از جان و جہاں در غم او آہ گدھتم
 انا نہ گدھتم کیے ہم پہ خیالش
 ما حال تباہاں ہمہ نومید بردیم
 ہر کس پہ امید تو زید واسے پہ حاش
 گر حور کند جلوہ نکاسے نہ دہ آب
 حیرت زدہ چہرہ آئینہ مشائش

ہم کہاں تک آہ سخت کو شش کریں
 کہ تیرے تیرے کے سامنے آئیں
 دل کہ کوچہ زلف کا مسافر تھا
 اس کو زنجیر میں نہیں رکھا جاسکتا
 دل کی تعمیر کو دیرانی کے سپرد کر دیا
 کہ اس کو آباد کرنے کی استعداد نہیں رکھتا تھا
 اس کے دل پر آغرا نہیں کیا
 فریاد اور اس کی تاثیر معلوم ہو گئی
 اس چمن کے بلبل کا خاموش رہنا اچھا ہے
 اس کے بولنے سے خون دل پکتا ہے
 میر نے بت کہے سے کہے کا قصد کیا
 گمراہی کی، خدا سے آفت ناگہانی میں جتلا کرے

۳۱۹

جب سحر اس کے گلانی چہرے سے پروے کو ہناتی ہے
 دوستان چمن اس کے جمال کو گل کہتے ہیں
 یا رب بلبل شوریدہ نے اپنے اوپر کیا حسرت اٹھائی ہے
 کہ گلشن میں اس کے پروہال ابھی تک اڑتے پھر رہے ہیں
 غواص عدم میں بھی آسودہ دل نہیں رکھتے ہیں
 مر گئے اور وہی اس کے وصل کی قضا ہے
 آہ اس کے غم میں جان اور جہاں سے گزر گئے
 مگر ایک بار بھی اس کے خیال کو ترک نہیں کیا
 ہم تباہ حال بالکل ناامید مر گئے

جو بھی تجھ سے امید پر زندہ ہے اس کے حال پر افسوس (ہے)
 اگر حور (بھی) جلوہ دکھائے (تو وہ) تھلا رے کا لطف حاصل نہ کرے
 (جو) اس کے آئینہ مثال چہرے کا حیرت زدہ (ہے)

ہیں کن کہ بے کرد قلم سرطرازی
دفتر شدہ اے میر ز وصف خط و خال

۳۲۰

داغ ایم از ایں باغ و ہم از رنگِ شادش
بر باد فنا آہ نوحہ بر آتش
دلک است بر آں نیک سرانجام کہ عالم
تا مہد بجائے تو وفا کرد حیاتش
کنیت زد و درج میر پرید
بدتر بود از بادہ کشی صوم و صلواتش

۳۲۱

بر خود میر را خوانید و خواہاں دل بخودش
در ایں ایام دل تنگ است چہ بے نہ گویش
نہ باشد چارہ اے جز پارہ کردن دامن تر را
نہ گردد پاک برگز گر بہ آب غصہ شویش
بہ داغ سپہ من چشم را تھواں بہ کردن
گل ایں باغ دارد بوئے جاں سوزے، مہویش

۳۲۲

مست خلقت چند ہاشی ہاخبر اے یار ہاش
عمر ہم چوں نقشے سے ی رود، ہشیار ہاش
تا چنل ی گماری ایں درق برگشتہ است
وضع بے شیرازہ اے داری بہ فکر کار ہاش

۳۲۳

گر فشارم گوشے دامان خویش
غرق گردد نوح ہا طوفان خویش
دست در دامان او خواہیم زد
آتشی افشاندہ ایم از جان خویش

ہیں کہ کہ قلم نے بہت سحر طرازی کر لی
اس کے خط و خال کی تعریف سے اسے میرا ایک کتاب بن گئی

۳۲۰

(ہم) اس باغ اور اس کے ساتھ اس کے رنگ بہتات پر رنجیدہ ہیں
آہ اس کی قسمت بارخدا پر حیرت کی گئی ہے
اس اچھے اختتام والے عاشق پر خشک ہے کہ عالم
حیرے عہد جفا تک اس کی حیات نے وفا کی
میر کے زہد و ورع کی کیفیت مت پوچھیے
اس کا صوم و صلوٰۃ بادہ کشی سے بدتر تھا

۳۲۱

معشوق میر کو اپنے قریب بلائیں اور اس کی دل جوئی کریں
آج کل رنجیدہ ہے، کچھ اسے برا بھلا نہ کہیں
دامن ترک کو کھڑے نگڑے کر دینے کے سوا چارہ نہیں ہوگا
اگر اس کو آپ حیات سے (بھی) دعوئیں پاک نہیں ہوگا
میرے سینے کے داغ سے حسد نہیں کرنا چاہیے
اس باغ کا پھول جاں سود مہک رکھتا ہے اسے مت سونگیے

۳۲۲

کب تک غفلت میں مست رہے گا اسے یار باخبر ہو جا
عمر بھی شراب کے نشہ کی طرح ختم ہو رہی ہے ہشیار رہ
جتنی دیر میں تو خشک و شہید کو (دل میں) چکدے گا، یہ ورق پلٹ جائے گا
جیری و شمع بے شیرازہ ہے کام کی فکر کر

۳۲۳

اگر اپنے دامن کا کونا ٹچوڑ دوں
نوح اپنے طوفان کے ساتھ غرق ہو جائے
ہم اس کا دامن کھینچنا چاہتے ہیں
اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں

۳۲۳

خصلت من شعار من اخلاص
 راه و رسم دیار من اخلاص
 از محنت سرشته اند کلم
 شیوہ مهر است و کار من اخلاص
 دشمن جانی من است اے میر
 آن کہ دارد چہ کار من اخلاص

۳۲۵

دیدمش چہ بے وقا و خود فرض
 خود نما و خود ستا و خود فرض
 خود سر و خود راے و از بس خود پند
 خوب رو و بد بلا و خود فرض

۳۲۶

نیمت شایان تو ہا ہر نوع مردم اشتکاط
 دل ربایاں را نہ باید شد سریشم اشتکاط

۳۲۷

در دیار حسن خوبے نیست چہاں اشتکاط
 بر نمی خیزد از این جا جز پریشاں اشتکاط

۳۲۸

دلا بے رخ یار جانی چہ حکا
 بھرہ از چنیں زندگانی چہ حکا
 شوی یار اگر از تیر دل غرض است
 وگرنہ ز لطلب زبانی چہ حکا

۳۲۹

دیدن در انگار تو شب داشت سوز شمع
 آخر دمید صبح و سہ گشت روز شمع

۳۴۳

میری خلست، میرا شعار، اخلاص
میرے دیار کی رسم و راہ، اخلاص
محبت سے میری مٹی کو گندھی گئی ہے
میرا شیوہ محبت ہے، میرا کام، اخلاص
میرے میرا جانی دشمن ہے
جو بھی میرے یار سے اخلاص رکھتا ہے

۳۴۵

میں نے اسے بہت بے وفا اور خود غرض پایا ہے
خود نما اور خود ستا اور خود غرض
خود سرا، خود رائے اور حد سے زیادہ خود پسند
خوب رو اور بد بنا اور خود غرض

۳۴۶

ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ ملنا میرے شایاں نہیں ہے
دلبروں کو چپک کر رو جانے والا ملاقاتی نہیں بننا چاہیے

۳۴۷

دیار حسن میں کوئی بھی محبوب دوستی نہ اپنے والا نہیں
یہاں سے ہر ایک سے دوستی رکھنے والوں کے سوا کوئی نہیں ملتا

۳۴۸

اے دل یار جانی کے دیکھے بغیر کیا مزہ (ہے)
مر جا، اس طرح زندگی سے کیا فائدہ (ہے)
اگر تو بدل سے دوست بنے (تو) اچھا ہے
ورنہ زبانی مہربانی میں کیا مزہ (ہے)

۳۴۹

رات میرے انتظار میں صبح کا سوز دیکھنے کے لائق تھا
آخر صبح طلوع ہوئی اور صبح کا دن تاریک ہو گیا

۳۳۰

بے روئے تست آہ بہ صد سوز و ساز شع
 باب حرم است دل تو نیاز شع
 در بزم شب ز دھوی غولی نہ شد عشق
 دائم صود ہے تو زبان دراز شع
 شد صرف اشک و داغ سراپا او بہ بزم
 شکستہ کباب میر ز سوز و گداز شع

۳۳۱

من و ز کوئے تو عزم سفر، دروغ دروغ
 مرا داغ کیا ایں قدر، دروغ دروغ
 تو و خیال وفا، کذب و افترا و قلع
 من و تو نیم میر دگر، دروغ دروغ

۳۳۲

در فضائے سینہ من محبت اکٹوں جائے داغ
 دارم از سوز محبت داغ بر بالائے داغ

۳۳۳

اے بے تو چوٹ سبزہ و باغ و بہار حیف
 بلبل ترا نہ بیند و گوید ہزار حیف
 بر باد داد عشق کف خاک من تمام
 گر سر بہ آسماں نہ کشد ایں غبار حیف
 صید غمشےست میر در ایں دشت غوغاک
 از غفلت تو رفت اگر آں شکار حیف

۳۳۴

پ نہ گردد از دوا بیمار عشق
 می رود ہموارو جاں آزار عشق

۳۳۰

آہ تجھے دیکھے بغیر شمع صد سوز و ساز کے ساتھ ہے
 شمع کا نیا نیا عاشق دل خرم کے قابل ہے
 رات بزم میں دھوئی خوبی کرنے سے چپ نہیں رہی
 حیرے بغیر شمع کی زبان دراز نے مجھے غم زدہ کر دیا
 اس کا سراپا بزم میں اٹک اور داغ میں صرف ہو گیا
 میرے شمع کے سوز و گداز سے (جل کر) کباب ہو گیا

۳۳۱

میں اور تیرے کو سچے سے پلے جانے کا ارادہ، دروغ دروغ
 مجھے اتنی تاب کہاں، دروغ دروغ
 تو اور وفا کا خیال، کذب اور افسر اور غلط
 اور میں دوسری محبت کا خیال، دروغ دروغ

۳۳۲

میرے سینے کی فضا میں اب داغ کی جگہ نہیں ہے
 میں محبت کے سوز سے داغ پر داغ رکھتا ہوں

۳۳۳

حیرے بغیر ہیزے کی کثرت اور باغ و بہار پر افسوس (ہے)
 بلبل تجھے نہیں دیکھتا اور کہتا ہے، ہزار افسوس
 عشق نے میری کلف خاک کو تمام ہوا میں اڑا دیا
 اگر یہ غبار آساں تک نہ پہنچے، افسوس (ہوگا)
 اس خوفناک جنگل میں میرا ایک اچھا شکار ہے
 اگر حیرتی غفلت سے یہ شکار چھوٹ جائے، افسوس (ہوگا)

۳۳۴

دوا سے عشق کا بیمار اچھا نہیں ہوتا
 جان کے ساتھ عشق کا آزار جاتا ہے

جان خود را مفت از کف می دهند
 دل فروشان ^{مهر} باز ^{عشق}
 موجب این ^{عشق} لقم کل دانی که چیست
 گر شوی آگاه از ^{عشق} اسرار
 جان کباب کل شده است از داغ یاس
 یک سرگرم است دل در کار ^{عشق}
 من به کم عمری اگر مردم چه دور
 داشتیم در دل غم ^{عشق} بسیار
 سبز دارد سینه پر داغ ^{عشق} من
 خوش گفت این ^{عشق} تحفه گلزار
 کلیه ما ^{عشق} میر خوش واقع شده است
 بر لب دریائے فکر دار ^{عشق}

۳۳۵

می کهد آخر ^{عشق} تا کجا کار شوق
 با در و دیوار اکنون می کنم اظهار شوق
 خواستم بنویسم او را یک دو حرف از حال دار
 چون قلم آمد به دستم رقص شد طومار شوق
 کار ضائع شد ز ^{عشق} احمق افشانی هر لکھام
 کرد رسوائے جهانم گرچه بسیار شوق
 سالها بر مرگ قیس و کوکبن رفت و هنوز
 در جہاں باقی است زان لب تشنگان گفتار شوق
 رنجه دیوار ^{عشق} گلشن دیده ^{عشق} بخارگیست
 ظاہر است اے میر از انداز او آثار شوق

اپنی جان کو منت ہاتھ سے دیتے ہیں
 باز عشق کے دل فروش
 اس ظلم کل کا موجب جان لے گا کہ کیا ہے
 اگر (تو) عشق کے اسرار سے آگاہ ہو جائے
 جان مایوسی کے ظم سے کہاں کل ہو گئی
 لیکن دل عشق کے کام میں سرگرم ہے
 میں اگر کم مری میں مر گیا، قہر کیا ہے
 دل میں عشق کا بہت زیادہ ظم رکھتا تھا
 میرا داناؤں سے بھرا سینہ بزدلتا ہے
 عشق کے گھوار میں یہ کیاری اچھی کھلی (ہے)
 میرے میرا بھی اچھی جگہ پر واقع ہے
 عشق کے فکر دار سمندر کے کنارے

۳۳۵

دیکھتا ہوں کہ آخر کہاں تک شوق کا کام کھینچتا ہے
 اب درود یار سے شوق کا اٹکھا کر رہا ہوں
 چاہا تھا کہ اسے ایک دو حرف اپنے حالِ زار کا نکھوں
 جب قلم ہاتھ میں آیا تو رقتہ شوق کا طومار ہو گیا
 میری ہر وقت کی اشک افشانی سے کام چل گیا
 عشق میں بہت زیادہ رونے نے دنیا میں مجھے رسوا کر دیا
 قہیں اور کوئین کی موت کو برسوں گزر گئے اور اب بھی
 دنیا میں ان لب تشنگان (کی وجہ) سے عشق کا تذکرہ باقی ہے
 گلشن کی دیوار کا رختہ تظا رنگی کی آنکھ ہے
 اسے میرا اس کے انداز سے شوق کی علامتیں ظاہر ہیں

۳۳۶

آں ابروئے غمیدہ کہ باشد مکان پاک
ہر دم رسد خدنگ جفاکش بہ جان پاک
جائے بہ از درش نہ بود بہر سجدہ ام
شرط است از برائے عبادت مکان پاک
کل در چمن دہن بہ ہزار آب شستہ است
تا آورد بہ لب سخن زان وہان پاک
از چشم انگار کشاں چہرہ را مپوش
تا خیر باست در نظر عاشقان پاک
مژگان خود ز خاک درش میر دور دور
ایں خار و غس بروب از آں آستان پاک

۳۳۷

چوں می خیم ز بجز سحرگاہ سر بہ خاک
می ریزم ز چشم ہزاراں گہر بہ خاک
اکثر ز خاک چہرہ نو جوش می زند
یارب کہ برود است بہ خود چشم تر بہ خاک
یک شام کہ ز ناز قدم بر سرم گذار
تا کہ رخ نیاز خیم ہر سحر بہ خاک
در دور چہرہ سفلہ چہ مذکور راحت است
آسودہ بعد مرگ شود کس مگر بہ خاک
تا میر چشم کار کند خاک آدمست
باید گفتنت بہ جانتل نظر بہ خاک

۳۳۸

می برد آب از این صحرا ز چشم گریہ ناک
نظر از کف می دید دریا ز چشم گریہ ناک

۳۳۶

دو خدیوہ ابرو کہ مضبوط کمانا ہیں
جاہن پاک پر ہر وقت اس کی جٹا کے تیر نکلتے رہتے ہیں
میرے سجدے کے لیے اس کے دروازے سے بڑھ کر جگہ نہیں تھی
عہادت کے لیے پاک جگہ ضروری ہے
گل نے چمن میں ہزار آب سے دہن دھویا ہے
تاکہ اس کے پاک دہن کی بات لب پر لائے
انکھار کھینچنے والوں کی آنکھوں سے چہرہ مت چھپا
پاک عاشقوں کی نظر میں بہت تاثیریں ہیں
اپنی پلکوں کو میرا اس کے دروازے کی خاک سے دور رکھ
ان غار و خس کو اس پاک آستان سے جھاڑ دے

۳۳۷

جب صبح کے وقت غلج سے خاک پر سر دکھتا ہوں
آنکھوں سے ہزاروں گہر خاک پر نکھیر دیتا ہوں
اکثر خاک سے نیا چشمہ جوش مارتا ہے
یا رب کون اپنے ساتھ چشمہ کو خاک میں لے گیا ہے
کبھی ایک شام ناز سے میرا سر پامال کر
کب تک میں رہن نواز ہر سحر خاک پر دکھتا رہوں
چہرے سفلہ کے دور میں راحت کا کیا ذکر ہے
کوئی مرنے کے بعد مگر خاک میں آسودہ ہوگا
میرے جہاں تک آنکھ کام کرتی ہے خاک آدم ہے
خاک پر احتیاط سے نظر ڈالنی چاہیے

۳۳۸

چشم گرہ ناک (کی وجہ) سے ابرو میں بے وقار ہو جاتا ہے
چشم گرہ ناک کے سامنے دریا شرمندہ ہو جاتا ہے

ایں بھار ارض پیش از من کنار خشک داشت
رفت کار ابر تر بالا و چشم گریہ ناک
بظلمہ ایں کاسے در یازد ویدار میر
در ہر عالم شدم رسوا و چشم گریہ ناک

۳۳۹

تجا عینم و شوق من ناتواں ہلاک
خلقت است از برائے تو اے کام جاں ہلاک
دنہار روزگار موافق نہ شد پہ میر
شد آخر از جفائے فلک آن جواں ہلاک

۳۴۰

عہد کردم یا بگیرم در برت با کام دل
یا ہاں بگیرم کہ در طالع نہ بود آرام دل
چشم و دل قسم اند، خواہم شد پہ شہرے کاغذ او
کس نہ بیند روئے چشم و کس نہ گیرد نام دل
طواف دل را بر طواف کعبہ نتواں حل کرد
می دہد دستم پہ صد خون بگر احرام دل
آن کہ سرگرم محبت با ہر کس ہست و نیست
بجلی ہائش نیاید در خیال خام دل
اضطراب مفرط من نیست بے تحریک شوق
می رسد در گوشت چاقم ہر نفس پیغام دل
ہر کرا باشد تر بسیار خوش باشد کہ ہست
بادہ از خون کبوتر سرخ تر در جام دل
گر چہیدن با پہ ایں رنگ است در آغاز عشق
من نمی دانم چہ خواہد گشت میر انجام دل

دنیا کے یہ سمندر میرے سامنے خشک ساحل (کی حیثیت) رکھتے تھے
 اب تو کا کام چشم گرہ یہ ناک کی وجہ سے ترقی پا گیا
 میرا دیدار کی گدلی کا یہ کار تو زوال
 ساری دنیا میں چشم گرہ یہ ناک کی وجہ سے رسوا ہو گیا ہوں
 ۳۳۹

میں ناقواں ہی تھا نہیں آرزو میں مر گیا
 اسے کام جاں ایک خلق تیرے لیے جان دے چکی ہے
 زمانہ ہرگز میرے موافق نہیں ہوا
 آخر فلک کی جفا سے وہ جہاں ہلاک ہو گیا
 ۳۴۰

مہد کیا تھا کہ یا تجھے دل کی مراد پوری کرنے کے لیے آنکھوں میں سمجھوں گا
 یا یہی سمجھ لوں گا کہ قسمت میں دل کا بچین نہیں تھا
 آنکھ اور دل دشمن ہیں، اس شہر میں ہونا چاہیے کہ جہاں
 کوئی آنکھ کی طرف نہیں دیکھتا اور کوئی دل کا نام نہیں لیتا
 دل کے طواف کو طواف کعبہ پہ محمول نہیں کر سکتے
 احرام دل تجھے صد خونِ جگر کے بعد میسر ہوتا ہے
 وہ جو محبت میں سرگرم ہے، سب کے ساتھ ہے بھی اور نہیں بھی
 دل میں اس کی ہوشیاری کا خیال غام بھی نہیں آتا
 میرا حد سے گزرنے والا اضطراب آرزو کے اکسانے کے بغیر نہیں ہے
 میری روح کے کان میں ہر نفس دل کا پیغام پہنچتا ہے
 جو بھی تیرا ہوا ہوگا، خوش ہوگا کہ ہے
 دل کے جام میں خونِ کبوتر سے زیادہ سرخ شراب
 اگر آغاز عشق میں تڑپنے کا یہی رنگ ہے
 میں نہیں جانتا میرے دل کا انجام کیا ہوگا

۳۴۱

روئے سخن بہ وصفِ رختِ نیت سوئے گل
 آں تازی کھاست، خنجرِ روئے گل
 امروزِ عنایتِ زباں را بہ کامِ دار
 نازک تر است خوئے نگارم ز خوئے گل
 بیزار می ری ز گشتاں مگر کہ میر
 بسیار بر دماغ تو خوردہ ست بوئے گل

۳۴۲

بر لطفِ آں قیامتِ جان و بلائے دل
 صدہا کرمشِ عرضِ وہ از برائے دل
 خوں گشت و دماغ گشت و تمامی گداز گشت
 لیکن تروےست ترا در وفائے دل
 ہر چند در خطابِ الیم ام ز دل ولے
 مگر آیم بہ دستِ عظیم بہ پائے دل
 یک چند ترکِ بدیِ دل بہ ضرورتِ است
 اکنون نہ مانده در شکنِ زلفِ جائے دل
 چیزے کہ دل کھد بہ جہاں میرِ آں دل است
 جہدے نہا ، شو قدرے آشنائے دل

۳۴۳

خوہاں نگاہِ لطف نہ کروند سوئے دل
 زیں قومِ آں شکست نہ دید آرزوئے دل
 در کوچہ تو جانِ بے درمند رفت
 تا حشرِ خواہد آمد از آں خاک بوئے دل
 خواہش خوش است میر و لیکن نہ این قدر
 آخرِ ہلاک کرد ترا آرزوئے دل

۳۴۱

حیرے چہرے کی تعریف میں روئے سخن گل کی طرف نہیں ہے
 وہ تازگی کہاں ہے گل کا چہرہ دیکھیے
 عندلیب آج زبان کو منہ میں رکھ
 میرے محبوب کا مزاج گل کے مزاج سے زیادہ نازک ہے
 میر تو گلستاں سے چڑا آ رہا، ضرور
 تجھے بوئے گل بہت ناگوار لگی ہے

۳۴۲

ہر لحظہ وہ قیامتِ جان اور بلائے دل
 دل کے لیے سیکڑوں کر شے پیش کرتا ہے
 خون ہو گیا اور داغ ہو گیا اور تمام کھل گیا
 لیکن تجھے دل کی وفا پر شک ہے
 ہر چند دل کی وجہ سے سخت دردناک عذاب میں ہوں
 لیکن مجھے مل جائے تو دل کے پاؤں پر گر پڑوں
 کچھ دنوں دلوں کے اڑانے کو ترک کرنا ضروری ہے
 اب زلف کی شکن میں دل کے لیے جگہ نہیں رہ گئی ہے
 جو چیز کہ دل جہان سے کھینچتی ہے وہ دل ہے
 کوشش کر اور دل کی قدر سے واقف ہو

۳۴۳

خوہاں نے دل کی طرف مہربانی کی نگاہ نہیں کی
 اس قوم سے اس شکستہ نے دل کی مراد نہیں پائی
 حیرے کوپے میں بہت سے درو مندوں کی جان گئی ہے
 حشر تک اس (کی) خاک سے بوئے دل آئے گی
 خواہشِ اچھی (چیز) ہے مگر میرا اس قدر (بھی) نہیں
 آخر تجھے آرزوئے دل نے ہلاک کر دیا

۳۳۴

آدم تنگ ز دل جوئی و دل داری دل
 آه تا چند خود کس غم پیاری دل
 یاد باشد که به کس انس نه گیری دہار
 جان من بند گرانست گرفتاری دل
 یک نگہ بیش بهایش نہ نہام لیکن
 خود پندار نہ نمود خرداری دل
 آں چنان دل کہ منش خواست دست نہ داد
 صرف شد عمر گرای بہ طلب گاری دل
 ہر کہا پایے نمی بر سر دل می آید
 رہ بہ کوشش نہ توان برد ز بسیاری دل
 در رہ دور فراتش چہ تکیب و چہ توان
 کس از این ہر دو نیاید کہ کند یاری دل
 میر در وقت علم بازی آہ سحری
 جز جگر کیست کہ آید بہ سپرداری دل

۳۳۵

در این سختی نہ رفت اصلا ز جا دل
 الہی پارہ تنگ است یا دل
 ز دل افسانہ اے ماندہ ست باقی
 تو می خواهی ز من دل را، کہا دل
 طریق عاشقی مشکل طریقے ست
 در این رہ کار بسیار است با دل
 بہ یک بے طاقتی آدم بہ حرص
 وہ گر پای عشق او مرا دل

۳۴۳

میں دل کی دل جوئی اور دل داری (کرنے) سے تنگ آ گیا
 آہ کوئی کب تنگ دل کی تیاری کا فہم کھائے
 یاد رہے کہ ہرگز بھی کسی سے انس نہ پیدا کر
 میری جان دل کا گرفتار ہو جانا ایک مشکل قید ہے
 میں نے اس کی قیمت ایک نگاہ سے زیادہ نہیں رکھی تھی، لیکن
 خود پسند دل کی خریداری پر آمادہ نہ ہوئے
 ویسا دل جو میں اس سے چاہتا تھا میسر نہیں ہوا
 عمر گرامی دل کی طلب میں صرف ہو گئی
 جہاں بھی (تو) پاؤں رکھتا ہے دل کے اوپر آ جاتا ہے
 اس کے کوسے میں دل کی کثرت سے راستہ نہیں چل سکتے
 اس کے فراق کی دشوار راہ میں کیا صبر اور کیا طاقت
 ان دونوں میں سے کوئی نہیں آیا کہ دل کی مدد کرے
 بیزار آہ صحری کی ظلم بازی کے وقت
 جگر کے سوا کون ہے جو دل کی حفاظت کے لیے آئے

۳۴۵

اس سختی میں بھی دل (اپنی) جگہ سے ہرگز نہیں ہلا
 الٹی (یہ) پتھر کا ٹکرا ہے یا دل
 دل کا ایک افسانہ باقی رہ گیا ہے
 تو مجھ سے دل مانگتا ہے، دل کہاں ہے
 عاشقی کا راستہ مشکل راستہ ہے
 اس راہ میں دل سے بہت کام پڑتا ہے
 ایک عشق سے اس (محبوب) کو رحم کرنے پر آمادہ کر دوں
 اگر دل مجھے اس کے عشق کا واسطہ دے

رسیدی گر پہ دل در کعبہ ای میر
کہ چنواں نیست راہ از کعبہ تا دل

۳۳۶

خواہم کہ دے نظم مستانہ پہ پائے گل
بر خاک بیندازم تکلیف ہوائے گل
ما کہند مگر راں از گل چہ خبر داریم
داریم گل دانے پر سید بجائے گل
ما یہ نظر داریم دل جوئی لیلیٰ را
در باغ نمی آیم اے میر برائے گل

۳۳۷

ما خلق چہرہ مستم از آشنائی دل
شد باعث کدورت آخر صفائی دل
تا رفت از بر من شورے ست در سر من
سوزا بہم رساندم از بے وفائی دل
از درد سید ریشم، از غم پہ فکرِ غویشم
بسیار شاق آمد بر من جدائی دل
فرہاد و کوہ کندان افسانہ اے ست بشنو
یودہ ست در حقیقت زور آزمائی دل
زیر دام کہ کہ ہر جا صدا قریب دارد
دشوار می نماید ما را رہائی دل
در وادی محبت دل را دلیل نمود کن
راہے نمی نماید بے رہنمائی دل
چوں عشق برگزیدہ، روئے کسے نہ بیند
القصہ کشت ما را بے احتیائی دل
برہند چشم و نگار در جلوہ رنگ ہا را
از لطف نیست خالی سیر خدائی دل

اگر دل تک پہنچ گیا (تو اسے) میر (تو) کعبہ میں ہے
کہ کعبہ سے دل تک کچھ فاصلہ نہیں ہے

۳۴۶

چاہتا ہوں کہ کسی وقت گل کے پاؤں پر مستانہ لونوں
گل کی آرزو کی دھوٹ کو خاک پر بچھا دوں
ہم پرانے گرفتار گل کی کیا خبر رکھیں
گل کے بجائے سینہ پر ایک داغ کا گل ہے
ہم ہلہل کی دل جوئی کو مدِ نظر رکھتے ہیں
میر ہم باغ میں گل کے لیے نہیں آتے ہیں

۳۴۷

دل سے آشنائی کی وجہ سے لوگوں سے مخمض لیا
دل کی صفائی آخر کدورت کا سبب بن گئی
جب سے (وہ) پہلو سے گیا ہے، میرے سر میں سودا سا گیا ہے
دل کی بے وفائی کی وجہ میں نے دیوانگی بہم پہنچائی ہے
ورد سے سینہ چاک ہوں، غم سے اپنی فکر میں ہوں
مجھ پر دل کی جدائی بہت شاق گزری
فرہاد اور پہاڑ کا فنا، سنو ایک افسانہ ہے
درحقیقت دل کی زور آزمائی تھی
اس دام گاہ سے کہ ہر جگہ (یہاں) ہزاروں پھندے ہیں
مجھے دل کی رہائی مشکل نظر آتی ہے
محبت کی وادی میں دل کو اپنا راہبر بنا
دل کی رہ نمائی کے بغیر کوئی راستہ نظر نہیں آتا
جب عشق ابھر کر آتا ہے، کسی کا منہ نہیں دیکھتا
محضراً مجھے دل کی بے اعتنائی نے مار ڈالا
آ نکھیں بند کر اور جلوے میں رنگوں کو دیکھ
دل کی دنیا کی میر لطف سے خالی نہیں ہے

شد انگ انگ خوں مباردا چشم تو بختد میر
ایں کاسہ را نگہ دار بھر گدائی دل

۳۴۸

تا چند اضطراب کند در کنار دل
آزودہ دل، ستم زدہ دل، بے قرار دل

۳۴۹

فراموشت نہ خواہم کرد تا در جسم جاں دارم
چو مرغ دوست حرف دوست اکثر بر زباں دارم
سخن پردازیم دارد شنیدن، یک زباں بشنو
کہ از اندوہ بے پایاں بہ لب صد داستان دارم
تو اے دل در هجوم انگ تا رفیق دگم هستی
فغاں ہا یک بیاباں چوں درائے کارواں دارم
بہ کوشش ہر چہ بانا باد اشب می روم لیکن
امید مرحت یک دم نہ خواب پاساں دارم
نہ دسم حالیا جز خانہ دیرانی نمی آید
کہ من اے میر تصدیر رفتے زیں خاک داں دارم

۳۵۰

چشم بے روئے تو چوں چشم جوشاں دارم
دل در آغوش چو سیلاب خروشاں دارم
بے خودی کن چو فراموشی غم می خواہی
من چنیں یاد نہ در ہانخت ہوشاں دارم
تا کہا عمر بہ کئے گزراہم تنہا
تصدیر ہم صحبتی خانہ ہوشاں دارم

میرؔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اٹھ جنوں میری آنکھیں بہا لے جائے
اس کا سے کو دل کی گدائی کے لیے حفاظت سے رکھ

۳۴۸

دل کب تک پہلو میں اضطراب کرتا رہے
آزادہ دل، ختم زدہ دل، بے قرار دل

۳۴۹

جب تک جسم میں جان رکھتا ہوں تجھے فراوانی نہیں کروں گا
مرغ دوست کی طرح دوست کا لفظ اکثر زبان پر لاتا ہوں
میری باتیں سننے کے لائق ہیں، کسی وقت سنو
کہ لب پر بے احتیاجی کی سوادستائیں ہیں
اے دل تو بھرم اٹھک میں جب سے گیا اور کھو گیا ہے
کارواں کی چرس کی طرح ایک بیابان فضاں رکھتا ہوں
جو ہو سو ہو، آج رات اس کے کوچے میں جاؤں گا، لیکن
پاساں کی نیند سے ایک پل کی مہربانی کی امید رکھتا ہوں
میرے ہاتھوں سے اب خانہ ویرانی کے سوا کچھ (ظہور میں) نہیں آتا
کہ اے میرؔ میں اس خاک داں سے جانے کا قصد رکھتا ہوں

۳۵۰

تجھے دیکھے بغیر میری آنکھیں اٹلتے ہوئے غصے کی طرح ہیں
میرے پہلو میں دل بھرے ہوئے سیلاب کی طرح ہے
بے خودی (اعتیار) کر اگر ظم کو فراموش کرتا چاہتا ہے
میں ہوش گنوا بیٹھے والوں کی نیکی (بات) یاد رکھتا ہوں
کب تک ایک گوشے میں تنہا عمر گزاروں
خانہ بدوشوں کی ہم صحبتی کا قصد رکھتا ہوں

دل ز جانیم نہ برد پرتو ماہ و خورشید
 دھوی عاشقی باولہ پشاش دارم
 پارہ ہائے جگر و دل پہ بغل می گرم
 من پہ کویش روش دست فروشاں دارم
 کار دل بچھ ز دارنگی من نہ کشود
 خواہش بندگی حلقہ گوشاں دارم
 گر شوم کشید زباں را نہ کشایم چوں شمع
 ایس سخن میر پہ خاطر ز قشوشاں دارم

۳۵۱

چوں ابر نیست بے جا گر گرہ ہا نمودم
 عمرے در ایس گلستاں چشم آب دادہ نمودم
 با ہر کہ صبر درزم بندہ کمر پہ کیلیم
 در عشق بخت خود را صد بار آزمودم
 آں شوخ از نیازم مفرورتر شد آخر
 ہرگز نہ داد سودم ہر چند جبہ سودم
 مطلق قصہ من بسیار بود بھنوں
 چوں سرگذشت گفتیم ہوش از سرش رلودم
 ایس گل زمین دل کش یکسر نہ دیدنی بود
 من میر کاش ایس جا چھٹے نمی کشودم

۳۵۲

شب و روز در جتھوئے دلم
 من از خاک شویان کوئے دلم
 مرا حیرت حشش آئینہ کرو
 پہ سوئے کسے نیست روئے دلم

ماہ اور محمد شید کے پرتو نے میرے دل کو نہیں چھایا
 بادلہ پوشوں کے عشق کا دھوئی رکھتا ہوں
 دل اور تکر کے نگاروں کو بغل میں لیے پھرتا ہوں
 میں اس کے کوپے میں دست فروشوں کا انداز رکھتا ہوں
 دل کی مراد میری بے خودی سے کچھ بھی پوری نہیں ہوتی
 حلقہ بگوشوں کی خدمت کرنے کی خواہش رکھتا ہوں
 اگر قتل ہو چاؤں (پھر بھی) شمع کی طرح وہاں نہ کھولوں
 میر میں نے (اپنے) دل میں چپ رہنے والوں سے یہ عہد کیا ہے

۳۵۱

بے ہاشمیں ہے اگر ابر کی طرح رویا ہوں
 ذلت سے اس نکتہ ان میں آنکھوں میں آسو بھرے ہوئے رہتا تھا
 جس سے بھی محبت کرنا شروع کرتا ہوں میرے کینہ پر کربانہ لیتا ہے
 عشق میں اپنی تقدیر کو سوار آدما یا ہے
 وہ شوخ میری عاجزی سے آخراور زیادہ مغرور ہو گیا
 مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا ہر چند جہیں سائی کی
 مینوں میرے قصہ کا بہت زیادہ مشتاق تھا
 جب میں نے سرگزشت سنائی اس کے سر سے ہوش اڑا دیا
 یہ دلکش سر بیز و شاداب زمین بالکل میرے لائق نہیں تھی
 میں نے میر کا ش اس جگہ آگے نہ کھولی ہوتی

۳۵۲

شب و روز دل کی جستجو میں ہوں
 میں دل کے کوپے میں مٹی سے سونے چاندی کے ڈرے نکالنے والوں میں سے ہوں
 مجھے اس کے حسن کی حیرت نے آئینہ بنا دیا
 میرے دل کا رخ کسی اور کی طرف نہیں ہے

۱ چاندی اور سونے کے تاروں سے بنے ہوئے کپڑے پہننے والے۔

۲ بھیری کرنے والے۔

۳ گالوں۔

کہ از پشت پا چشم برداشت
 لگا ہے نہ کردی یہ سوئے ولم
 بہ فریاد او کوش دارم خدام
 چہ دارفت ہائے د ہوئے ولم
 لے بہر او میر جاں ی دہ
 تکر غوں شد از آرزوئے ولم

۳۵۲

بے خود بہ کوئے بادفرشاں قیادہ ام
 از نقاتین بے خیرم، مست بادہ ام
 ی دشت امید وصالش از ایں سبب
 جاں را بہ روزگار جدائی نہ دادہ ام
 بر من چہ کار تک شود بگذرم ز جاں
 کارم حقیقت است کہ اشرف زادہ ام
 شرم نگاہ دار خدایا کہ وقت شب
 بر آستان منہاجے رو بہادہ ام
 با صبح شہر و داحظ مسجد مرا چہ کار
 من میر دست نق جراتان سادہ ام

۳۵۳

با غم جاودانہ ساعت ام
 چہ کسم یا زمانہ ساعت ام
 کسم در ایں پردہ ی کسم ظاہر
 شاعری را بہانہ ساعت ام
 قاصدے آخر از سرکب گرم
 جانبہ او روانہ ساعت ام
 تا بہ بت خانہ ام رہے باشد
 طور خود کافرانہ ساعت ام

بھی پشت پا سے نظر اٹھا کر
میرے دل کی طرف (تو نے) ایک نگاہ (بھی) نہیں کی
اس کی فریاد کو ہمیشہ سنتا ہوں
دل کی ہاؤ ہو پر کتنا خدا ہوں
ہاں، اس کے لیے میرے جان دیتا ہے
میرے دل کی آرزو سے جگر خون ہو گیا

۳۵۳

میں ہادہ فروشوں کے گھوٹے میں بے خود پڑا ہوں
دونوں جہاں سے بے خبر ہوں، شراب میں مست ہوں
میں اس سے وصل کی امید رکھتا تھا اسی وجہ سے
(میں نے) جدائی کے دنوں میں جان نہیں دی
جب مجھ پر کام دشوار ہو گا جان سے گزر جاؤں گا
میرا کام حسرت ہے کیوں کہ (میں) اشراف زادہ ہوں
اے خدا میری شرم رکھ کہ بڑے عیالے میں
ایک بچہ کے آستان پر سر جھکا یا ہے
شیخ شہر اور داعیہ مسجد سے مجھے کیا کام
میں میرے جوانان سادہ کو یک چکا ہوں

۳۵۴

میں نے دائمی غم کے ساتھ نباہ کر لی ہے
کیا کروں زمانے کے ساتھ نباہ کر لی ہے
اس کے پردے میں غم ظاہر کرتا ہوں
شاعری کو بہانہ بنا لیا ہے
الحب گرم کا ایک قاصد آخر کار
اس کی جانب روانہ کیا ہے
تاکہ بت خانے تک میری رسائی ہو
اپنا طور کا فرانہ بنا لیا ہے

سادگی میں کہ آتھیں نفس ام
و نہ تھے خشک خانہ ساجد ام
من نہ دانم کہ وہ غمش تا حال
کار خود را چرا نہ ساجد ام
بر امید خدنگ تاز کے
جگرے را نشانہ ساجد ام
بے تو دانستہ من بہ رسوائی
غور نشین را فسانہ ساجد ام
جان و جاناں یک است و من اے میر
صد سخن در میانہ ساجد ام

۳۵۵

الحک چوں الماس می ریزد ز مژگاہں وہ برم
نہر الماس است گویا میرِ این چشمِ حرم
تخت شہ طائرِ جاں کرد پردازے و بست
یاد بودے وہ نفس تا حال از بال و پر
کار من از جوشِ نغم آخر بہ رسوائی کشید
تک چوں بسیار می آیم، گریباں می درم
اندکے دم درکش اے بلبل، دماغم می رود
تا کیا این شور بے حاصل بہ درد آمد سرم
رفت آں موسم کہ رو بہ روئے گل می داشت
حالیا از چرخ می ریزد خشک بر بہترم
بس کہ می بالہ بہ خود خواہم کہ سرو باغ را
قاصد بنایم و بر سر قیامت آدم

سادگی دیکھ کر آتھیں نفیس ہوں
اور خشک نے اسے گھر بنایا ہے
میں نہیں چاہتا کہ اس کے غم میں اب تک
میں نے خود کو کیوں ہلاک نہیں کر دیا
کسی کے باز کے تیری امید میں
جگر کو نشانہ بنایا ہے
تیرے بغیر جان بوجھ کر سوائی سے
اپنے آپ کو افسانہ بنا دیا ہے
جان اور جاناں ایک ہیں اور اسے حیرت میں نے
درمیان میں ہزاروں باتیں بتائی ہیں

۳۵۵

پلوں سے الماس جیسے آنسو میری گود میں گرتے ہیں
میرت میری یہ چشم زگو یا نہر الماس^۱ ہے
مدت ہو گئی کہ طائر جاں پر واز کر چکا ہے اور
قفص میں اب تک میرے بال و پر کی یادگار باقی ہے
میرا عشق غم کی شدت سے آخر رسوائی تک پہنچ گیا
جب بہت تنگ آ جاتا ہوں گریاں پھاڑتا ہوں
اے بلبل تھوڑا غاموش رہ، میرا دماغ اڑ جاتا ہے
کب تک یہ بے حاصل شور، میرے سر میں درد ہو گیا
وہ موسم گزر گیا کہ گل کے رخسار پر رخسار دیکھتا تھا
ان دنوں آسمان سے میرے بستر پر خش و خاشاک گرتے ہیں
خود پر بہت تاز کرتا ہے، چاہتا ہوں کہ باغ کے سرو کو
تیری قامت دکھلاؤں اور (اس کے) سر پر قیامت لاؤں

^۱ نفیس، زحل۔ ہائری۔

^۲ ایک دریا کا نام۔

مگر چہ باپ آتش ام از ارتکاب آب رز
شاد و شاداں می زیم لیکن بہ امید کرم

۳۵۶

یک دم اے کاش بہ مقصود دل آئی بہ برم
تا کہا سوئے تو از دور بہ حسرت گرم
رو بہ دل بروم و فارغ شدم از دیر و حرم
ختم گردید بر این آبلہ سیر و سفرم
جائے اتک از مژہ خونتاب رواں سائتہ ام
روئے خوب تو اگر رفت دے از نظرم
مگر بہ سر منزل ما پا بگذاری، الطاف
ور بہ پرش بدی رنج لب خویش، کرم
ہم چہ من عاشقِ طفلان بداد ضاع نہ شد
خوب گذرانہ حسناات بہ روح پدرم
از چہ راہ است نہ دالم کہ تو می پشی چشم
من بہ راہ تو ز فضل قدم افتادہ نرم
طائرے نیست کہ اسال بہ گزار نہ رفت
وائے بر حال من زار کہ بے یال و پرہم
فتہ از دیر چہ من عاشقِ صادق می خواست
کرد پیدا قلبِ سطر بہ خونِ جگرہم
من چہ دالم کہ چہ بنگارہ در این مصطبہ است
نہ شوق تو وارو ز جہاں بے خبرم
عاقبت خواہش وصل تو ولم برو بہ خاک
قدے رنج نہ کردی، نہ رسیدی بہ سرم
کار مشغوم بہ جوں کاش کشف یک دو سہ روز
کہ کلم دامن آں شوخ و بہ صرا ہرم

اگرچہ آبِ رزا کے ارتکاب کی وجہ سے سے آتش کا مستحق ہوں
لیکن امیدِ کرم پر شاوا اور شاواں زندہ رہتا ہوں

۳۵۶

پل بھر کاش دل کی مراد پہری کرنے کے لیے میری آغوش میں آ
کب تک تیری طرف دور سے حسرت کے ساتھ دیکھتا رہوں
دل کی راہ لی اور دیر و حرم سے قاصر ہو گیا
اس آہ پر میرا سیر و سفر ختم ہو گیا
آفسوس کے بجائے آنکھوں سے (میں نے) غرتاب جاری کیا ہے
اگر تیرا غولہ صورت چہرہ دم بھر کے لیے میری نظروں سے دور ہوا
اگر ہماری منزل میں قدم رکھتا ہے: الطاف
اگر پریش کے لیے اپنے ہونٹوں کو تکلیف دیتا ہے: کرم
میری طرح بد اوصاف لڑکوں کا عاشق (کوئی) نہیں تھا
میرے والد کی مدح پر خوب ثواب بھیجتے تھے
کس وجہ سے تو چہرہ چھپاتا ہے نہیں جانتا ہوں
میں تیری راہ میں نقش قدم سے بھی زیادہ بچھا ہوا ہوں
کوئی پر غم نہیں ہے کہ اس سال گلزار میں نہ گیا
مجھ تاتواں کے حال پر افسوس کہ بے بال و پر ہوں
قتندیر سے مجھ جیسا عاشق سادق چاہتا تھا
فلکِ سفلہ نے خونِ جگر سے مجھے پیدا کر دیا
میں کیا جانوں کہ اس شراب خانہ میں کیا ہنگامہ ہے
تیرے عشق کا نشہ مجھے دنیا سے بے خبر رکھتا ہے
میرا دل آفرین کار تیرے وصل کی آرزو خاک میں لے گیا
(تو نے) قدموں کو زحمت نہیں دی، میری ہالیں پر نہیں آیا
کاش میرے عشق کا کام جنوں سے دو ایک روز (اور) کہنے
کہ اس شورش کا دامن کچھنوں اور صحرا میں لے جاؤں

وہ چہ حال است کہ ناچار ز ہم اغیار
از تو چوں می گذرم، از سر جاں می گذرم
یارب اے خانہ برانداز کجا ای تو کہ من
خاک مالیدہ بہ تن شام و سحر در بہ درم
ترک کن میر بکائے دل شب را وہ سر روز
دور چشم تو ز حد پیش نمود دست و دم

۳۵۷

مردم بہ ذوق تیغ تو بخوں سیر می خورم
من سے بہ طاق ابروئے شمشیر می خورم
موشد سفید و طفل مزاجی ہاں کہ بود
چوں صبح بخیز گشتہ ام و شیر می خورم
از من کمان آں ستم آئیں نمی سکھد
چوں می شوم مقابل او حیر می خورم
از بہر من بہ قید جنوں ایں قدر بس است
ہر روز چند دانہ زنجیر می خورم
از فرط غم چو از ہنسی درد گشتہ ام
گر دست می دہد بہم اکسیر می خورم
ہست ایں جواب آں غزل آرزو کہ گفت
در ہر قدم ز آبلہ زنجیر می خورم
ہستم فقیر میر و نیم لذت آشنا
نان جواں بہ ناں خوردن چو می خورم

۳۵۸

چو اچک سختی غربت کشیدہ می آیم
چکیدہ دل ام از راہ دیدہ می آیم
ہزار حیف اگر گل بہ من نہ بخندد
ز آشیان بہ اسیدے پریدہ می آیم

یہ بھی کیا حال ہے کہ میں غیروں کے خوف سے ناچار
جب تیرے پاس سے گزرتا ہوں (گو یا) اپنی جان سے گزر جاتا ہوں
یار پ، اے گھروں کے تہاہ کرنے والے تو کہاں ہے کہ میں
ہاتھ پر خاک ملے شام و سحر در بدر ہوں
میرؔ دو تین روز آدھی رات کا رونا ترک کر
تیری آنکھوں کے گرد سے زیادہ دم آ گیا ہے

۳۵۷

ہر لحظہ تیری تیغ کے شوق میں خوب خون چیتا ہوں
میں شمشیر کے خنجر ابرو سے شراب چیتا ہوں
بال سفید ہو گئے اور ہچکا نہ مزاج وہی ہے جو کہ تھا
صبح کی طرح بوڑھا ہو گیا اور دودھ چیتا ہوں
میں اس ستم آئیں کا ہم پتہ نہیں ہو سکتا
جب اس کے مقابل ہوتا ہوں تیرے کھاتا ہوں
جنوں کی قید میں میرے لیے اتنا ہی کافی ہے
ہر روز زنجیر کی چند کڑیاں کھاتا ہوں
غم کی زیادتی سے بالکل چلا پڑ گیا ہوں
اگر ہاتھ لگ جائے اکسیر کھاؤں گا
یہ آرزو کی اس غزل کا جواب ہے کہ (جس نے) کہا تھا
ہر قدم پر آہ کی وجہ سے لڑکھڑاہا ہوں
میرؔ فقیر ہوں اور لغت سے واقف نہیں ہوں
تازہ روٹی باسی شوربے کے ساتھ کھاتا ہوں

۳۵۸

الٹک کی طرح غربت کی سخی جمیل کر آیا ہوں
دل سے ٹپکا ہوں، آنکھوں کی راہ سے آیا ہوں
خوار حیف اگر گل مجھ سے تعلق نہ رکھے
آشیاں سے ایک امید کے ساتھ اڑ کر آیا ہوں

اگر ز سایہ خود وحشے کسم بر جاست
 نگار دشت جنوں ام رسیدہ می آیم
 تو آہ گوش پہ حرفم نمی گذاری و من
 چہ ہا برائے تو اے گل شنیدہ می آیم
 ز حال میر چہ پری کہ من بہ حال خراب
 قنادہ اش بہ سر راہ دیدہ می آیم

۳۵۹

چش از این ما ہم سخن ساز گوے داشتیم
 تو خیل دل چسپ ، شعلیق گوے داشتیم
 حالیا در کشور خوبی کلب خاکسرایم
 یاد تاسے کہ چوں آئینہ روے داشتیم
 بعد ما روزے نگہ بر بید مجنونش قناد
 گفت ما ہم این چشیں ڈولیدہ موے داشتیم
 نیست آن شور مزج اکوں کہ چوں دیوانگان
 بر سر کوئے کسے شب ہائے و ہوئے داشتیم
 لحد لحد سوئے او افان و خیزاں می شدیم
 تا بہ تن جاں داشتیم اعازہ گوے داشتیم
 بھر آن سرمایہ جاں بر دے را می زدیم
 خاتے تا بود در پا جنتوے داشتیم
 یاد آن عاشق شرابی ہا کہ روز و شب بہ باغ
 چوں گل تریاک ما با خود سبوے داشتیم
 موسم دیوانگی خوش موے بودہ ست میر
 با خیال یار ہر دم گفتگوے داشتیم

اگر اپنے سائے سے وحشت کروں، بہا ہے
 دشتِ جنوں کا شکار ہوں، بھاگ کر آیا ہوں
 تو آہ بات میری نہیں سننا اور میں
 اسے گل حیرے لیے کیا کیا کچھ سننا آیا ہوں
 میر کا حال کیا پوچھتے ہو کہ میں شرابِ حال میں
 اسے راہ میں پڑا ہوا دیکھ کر آ رہا ہوں

۳۵۹

اس سے پہلے ہمارا بھی ایک عمدہ سخن ساز (دوست) تھا
 ایک دل چسپ، نوحیلہ، شعلیق گوا (دوست) تھا
 اب کشورِ خونِ بی میں (ہم) کلبِ خاکستر ہیں
 وہ دن یاد آتے ہیں کہ (جب) آکھنے کی طرح چہرہ رکھتے تھے
 ہمارے بعد ایک دن (اُس نے) اپنے ہید بھٹوں پر نگاہ ڈالی
 (اور) کہا ہم بھی ایسا ہی ڈولیدہ موس^۱ رکھتے تھے
 وہ شورِ مزاج اب نہیں ہے کہ دیا انوں کی طرح
 کسی کے کونے میں رات کو ہائے وہو کرتے تھے
 (ہم) دم بدم اس کی طرف گرتے پڑتے جاتے تھے
 جب تک جسم میں جاں رکھتے تھے گیند کا (سا) انداز رکھتے تھے
 اس سرمایہ جاں کے لیے ہر دروازے کو کھٹکھٹاتے تھے
 جب تک پاؤں میں طاقت تھی چھو کرتے تھے
 ان عاشقِ شرابیوں کی یاد کہ باغ میں روز و شب
 گلِ قریاک^۲ کی طرح ہم سبوا اپنے ساتھ رکھتے تھے
 موسمِ دیوانگی اچھا موسم رہا تھا میر
 یار کے خیال سے ہر دم کھٹکھٹا کرتے تھے

۱۔ فصیح و بلیغ سخن کر نے والا۔

۲۔ بھیرے بالوں والا۔

۳۔ دلہن کا پہلو۔

۳۶۰

پر بہ نکل ام جانب صحرا دگر روی کنم
کار خود را در جنوں میں ہر یک سویں کنم
آخر از جور تو خواہد گشت روز من سیاہ
اندک اندک با فغان ہمیشہ غویں کنم
ہوئے او بسیار می ماند بہ ہوئے یار میر
زمین سبب در پرت گل را دیر تر بوی کنم

۳۶۱

بے تو شاخ بریدہ را نام
تازہ آفت رسیدہ را نام
رستم از جا و عیسمت جاے نام
رنگے از رخ پریدہ را نام
غیبت پیش از خیال ہستی من نام
صورت ناکشیدہ را نام
شد رو آشیان فراموشم نام
طائر نور پریدہ را نام
من لب دامن بزم دہر عیسمت نام
ظفر صحبت نہ دیدہ را نام
چشم جنوں بار کرد گل رستم نام
صیدے در جنوں مجیدہ را نام
میر در نورگی موج شدم نام
میوہ خام چیدہ را نام

۳۶۲

بہ سبب نیست کہ پا بر سر دنیا زدہ ایم
نکل بودیم در این خانہ بہ صحرا زدہ ایم

۳۶۰

بہت تنگ (ہو کر) صحرا کی طرف دوبارہ رخ کرتا ہوں
 اپنا کام جنوں میں اس مرتبہ یک سو کرتا ہوں
 آخر تیرے ظلم سے میرا دل تاریک ہو جائے گا
 تھوڑی تھوڑی لفافان نیم شب کی غو ڈال رہا ہوں
 اس کی خوشبو بہت زیادہ یاد دہانہ کی خوشبو کی طرح ہے میرے
 اس سبب سے (میں) باغ میں گل کو زیادہ دیر تک سونگھتا ہوں

۳۶۱

میرے بغیر کئی ہوئی شاخ کی طرح ہوں
 تازہ آفت رسیدہ کی طرح ہوں
 جگہ سے چلا گیا اور میری جگہ نہیں ہے
 چہرے سے اڑے ہوئے رنگ کی طرح ہوں
 میری ہستی (ایک) خیال سے زیادہ نہیں
 بغیر کچھنی ہوئی تصویر کی طرح ہوں
 مجھ سے آئیں کی راہ فراموش ہو گئی ہے
 نئے اڑے ہوئے پرندے کی طرح ہوں
 میں دنیا کی بزم کے آداب جاننے والا نہیں ہوں
 اس بچے کی طرح ہوں (جسے) لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا ہے
 خوں بہانے والی آنکھوں نے مجھے گل رنگ کر دیا
 خوں میں تر پتے ہوئے شہر کی طرح ہوں
 میرے کمال تک پہنچنے سے پہلے مجھے زوال آ گیا
 کچھ توڑے ہوئے پھل کی طرح ہوں

۳۶۲

بے سبب نہیں ہے کہ ہم نے دنیا پر لات ماری ہے
 (ہم) اس گھر میں تنگ تھے صحرا کی طرف نکل گئے ہیں

بے رحمت غول شده از دیده فرور پشته است
گر چه تکلیف کسے ساغر صبا زده ایم
معتبر نیست اگر حرف پریشاں مستقیم
عذر ما را بپذیرد که سوزانده ایم
باعث رفتن سربای کساں خواهد شد
در ره عشق تو ای تیشه که بر ما زده ایم
کم نه شد سوز و درد گر چه ز بے تاباں میر
بارها مضطرب الحال چه دریا زده ایم

۳۶۳

چے قوت پیش فلک من نه نام
چه لازم که بر شیشه ناں را بهالم
ز عالم سخن با مصیبت کشے کن
چه داند آسودگاں در چه عالم
ز دنیا و عقبی چه کار است ما را
چه معشوق که هضم از هر دو عالم
جدا از تو مفت است که من بهیرم
که جاں بر لب آمد ز شوق و سالم
فلک کاهش بنده واجب شمارد
از آں رو که چوں بدر صاحب کالم
نه دلم ز بالیدن و سبز عشق
که چمره از خاک سرزد نهالم
بنالم چے آں کر میر هر دم
جز ای نگذرد هیچ اند نهالم

۳۶۴

چه می پری چها غریب شعاع غوغا کرم
ز حد بگذشت رسوائی که من ترک وطن کرم

تیرے رخ کے بغیر خون ہو کر آنکھوں سے زمین پر بہ گیا
 اگر ہم نے کسی کی درخواست پر ساغر صبا چڑھایا
 ہم نے اگر پریشان گفتگو کی (تو وہ) معتبر نہیں ہے
 ہمارا عذر قبول فرمائیے کہ (ہم) سودا زدہ ہیں
 کن کن لوگوں کے سراڑ جانے کا باعث بن جائے گا
 تیری راولو عشق میں یہ تیشہ جو ہم نے خود پر مارا ہے
 سوزِ دروں کم نہیں ہوا اگرچہ تیرے تابی سے
 بار بار پریشان (ہو کر) سسندر (بھی) پنی چکا ہوں

۳۶۳

کھانے کے لیے فلک کے سامنے میں نہیں روتا
 کیا لازم ہے کہ بے فائدہ کام کروں
 میرے حال کی بات کسی مصیبت کش سے کر
 آرام سے رہنے والے کیا جانیں (کہ میں) کس حال میں ہوں
 دنیا اور عقیقہ سے ہمارا کیا کام ہے
 اس کے عشق میں ہر وہ عالم کو ترک کر چکے ہیں
 تجھ سے جدا (ہو کر) ملت ہے اگر میں مر جاؤں
 کہ تیرے وصال کے شوق میں جان لب پر آگئی ہے
 آسماں میری کاہل کو واجب شمار کرتا ہے
 اس وجہ سے کہ (میں) بدر کی طرح صاحب کمال ہوں
 میں نشوونما پانا اور سبز ہوتا نہیں چاہتا
 کہ میرا پودا مٹی سے (ہو) مر جھایا ہوا نکلتا
 اس کمر کے لیے میرے ہر دم روتا ہوں
 اس کے سوا کچھ بھی میرے دھیان میں نہیں آتا

۳۶۴

کیا بچتے ہوں کیوں میں نے غریب الوطنی کو اپنا شعار کر لیا
 رسوائی حد سے (اتنی) گزر گئی (تھی) کہ میں نے ترک وطن کر لیا

نیامد در مشام از بچ شام گفت اے
 چہ امید وفا بسیار گفت ای چمن کردم
 چہ یادم داد از نو بے کسی یاران دیریں را
 شوم تنہا و یاد عہد قیس و کوکن کردم
 نمی بروم ترا کاش از رو دور و حرم عالم
 جفاے بے حدے بر حال شیخ و برہن کردم
 ذکرگوں گفت رنگ بزم از حرف علم انواریت
 غلط کردم ترا اے میر تکلیف سخن کردم

۳۶۵

خواہم کہ شوم ایر تر و زار بکریم
 بر رو کشم دامن و بسیار بکریم
 یارب چہ تمناست گرہ در دل زارم
 ہر گاہ کشام لب اظہار بکریم
 از چاک جگر طرح کنم خندہ کہ تا چند
 بے روئے گلے در پس دیوار بکریم
 شرط است اگر کار کند جذب محبت
 حش چہ بغل در کشم و زار بکریم
 صد رنگ سخن میر پہ لب دارم و ناچار
 دقت کہ سجدہ کار پہ گفتار بکریم

۳۶۶

چہ جانم از فرقت جلائے صد بلا مستم
 کہ افسون جدائی خواند کز جاناں جدا مستم
 شناساے نہ مانہ از آشیانم در چمن ہرگز
 کہ بعد از بدعتی از قید صیاداں رہا مستم

کسی بھی شاخ سے محبت کی بومشام میں نہیں آئی
 وفا کی امید پر اس چمن میں بہت گشت کی
 بے کسی نے پھر سے پرانے دوستوں کی یاد دلا دی
 تنہا ہو گیا اور قہیں و کوکبن کا عہد یاد کیا
 کاش اے خالم میں تجھے دیر و حرم کی راہ سے نہیں لاتا
 شیخ و برہمن کے حال پر (میں نے) بہت ظلم کیا
 تیری غم افزا باتوں سے رنگ بزم و مگرگوں ہو گیا
 غلط کیا کہ اے میرے تجھے (میں نے) دعوتِ سخن دی

۳۶۵

چاہا تھا کہ ابرتر بن جاؤں زار زار روؤں
 دامن کو منہ پر تان لوں اور بہت روؤں
 یارب میرے دل زار میں کس تمنا کی پھانس ہے
 جب بھی لب اظہار کھولتا ہوں، روتا ہوں
 چاک جبکہ سے خندہ ایجاو کرتا ہوں کہ کب تک
 اس گل کو دیکھے بغیر دیوار کے پیچھے روؤں
 شرط ہے کہ اگر جذبِ محبت کام کرے
 اس کو نعل میں سختی سے لیناؤں اور بہت روؤں
 میرے (میرے) لب پر سوطر ح کی گفتگو ہے، مگر مجبور (ہوں)
 جس وقت باتوں سے مقصد حاصل ہو سکتا ہو، رو پڑتا ہوں

۳۶۶

(میں نے) اپنی جان کو اس کے فراق میں سولہاؤں میں جٹا کر دیا ہے
 کس نے جدائی کا جاؤ کیا کہ میں جاؤں سے جدا ہو گیا
 چمن میں میرے آشیائیں کا کوئی شناسا باقی نہیں رہا
 کہ لذت کے بعد صیادوں کی قید سے رہا ہوا ہوں

بہ اخلاص دل از من سر نہ زد یک سجدہ ہم گاہے
 چہ شد چوں مقررۂ تسبیح عمرے متعذر مستم
 من از لطف بہار آگاہہ نم کز بدمانی ہا
 نہ با بلبل سخن کردم نہ در گلزار وا مستم
 کداحیں شیوہ اش باعث نہ شد نومیدی دل را
 نہ دامن میر با او بر چہ امید آفت مستم

۳۶۷

کے خون دل پہ راہ نگارے نہ رستم
 یا از سرشک رنگ بہارے نہ رستم
 شاید کہ چلے تپہ و جاں دہد ز رشک
 از احتیاط گل پہ مزارے نہ رستم
 داغ ام از ایں کہ عمر پہ سے خانہ رفت و میر
 آہے پہ دست باد و گسارے نہ رستم

۳۶۸

بہر	خون	است	چشم	چرخم
گل	بحری	ست	اکھب	گلگونم
داغ	جوش		سرکش	گلگونم
چوں	شقائق	تمام	در	خونم
خانہ	حوق	دل	خراب	شود
دیدم	آزار	ہا	و	مملونم
فقر	من	ہست	از	جنوں
تکیہ	دار		مزار	مجنونم

مجھ سے کبھی دل کے اخلاص کے ساتھ ایک سجدہ بھی اور نہیں ہوا
 کیا ہوا جو میں تعلق کے مفریٰ کی طرح ایک عمر مقلد^۱ بنا رہا
 میں لطف بہار سے آگاہ نہیں ہوں کہ بے دماغیوں (کی وجہ) سے
 نہ بلبل سے مہنگلم کی اور نہ گلزار میں گل کر گشت کی
 کب اس کا شیوہ دل کی مایوسی کا باعث نہیں بنا
 نہیں جانتا میر کہ میں اس سے کس امید پر آشنا ہوا

۳۶۷

کب میں نے معشوق کی راہ میں خوں نہیں بہایا
 یا میں نے آنسوؤں سے رنگ بہار نہیں بکھرائے
 شاید کہ بلبل تر پے اور رختک سے جان دے دے
 (میں نے) احتیاط کی وجہ سے مزار پر پھول نہیں برسائے
 اس بات کا رنج ہے کہ تمام عمر سے خانے میں گیا اور میر
 کسی بادہ گسار کی خدمت نہیں کی

۳۶۸

میری چشم پر خوں سرخوں ہے
 میرا سرخ آنسو گل بھری^۲ ہے
 میرے گلگوں اٹک کے جوش کا داغ
 لالہ کی طرح تمام میرے خون تر میں ہے
 دل کا خانہ شوق ویران ہو جائے
 جزاوں دکھ اٹھائے اور (پھر بھی) شکر گزار ہوں
 میرا فقر جنوں سے خالی نہیں ہے
 میں مجنوں کے مزار کا تکیہ دار ہوں

^۱ تعلق کا بڑا واسطہ تمام تعلق۔

^۲ مہر۔

^۳ ایک قسم کی سرخ سی۔

مگر چہ سحر است حرف من لیکن
 در تو کارے نہ کرو افسوسم
 مزد و دل ہاں تپش دارو
 با قیامت بہ خاک مدفونم
 کرد آخر مرا برابر خاک
 پامال غرام گردونم
 بستہ ام لب پہ ایں زبان دراز
 چہ کجویم کہ در طست چنم
 جوئے خوں شد رواں ز ویدۂ من
 بگذر اے بے مروت از خونم
 ماتم قہیں چند خواہم داشت
 مذتے شد کہ من پہ ہاموم
 تھوہ زیر لب بہ رنگے کرو
 کہ حقم شد پہ جان محوونم
 حیف کئی شتم نہ شد ظاہر
 کس نہ داند کہ من چہ میجوونم

۳۶۹

ی رسم از شیر دل، سودا گریم
 ہر کہ جنس درد دارو می خریم
 روز و شب خوں می خوریم از بہر دل
 دھینے را در بغل می پروریم
 آتشے بودیم چندے پیش از ایں
 ایں زماں خود تودۂ خاکستریم
 شد تنائی پچھڑ مڑگاں ز خوں
 داغ آتش دہی چشم تریم

اگرچہ میری بات (میں) جاوہ ہے لیکن
 تجھ پر میرے افسوں نے کام نہیں کیا
 مر گیا اور دل میں وہی جہش ہے
 خاک میں (ایک) قیامت کے ساتھ مدفون ہوں
 آخر مجھے خاک کے برابر کر دیا
 گردوں کے خرام کا پامال ہوں
 اس دراز زبان کے باوجود ہونٹ سی لیے ہیں
 کیا کہوں کہ حیرے غم سے کس حال میں ہوں
 میری آنکھوں سے جوئے غول رواں ہو گئی
 اسے بے مروت میرے خون سے درگزر کر
 مجھے کچھ قیس کا ماتم کرنا چاہیے
 مدت ہو گئی مجھے بیاہوں کی طرف کئے ہوئے
 غصہ و زہر لب اس رنگ سے کیا
 کہ میری جان محروم پر ختم ہو گیا
 حیف میری کتبت ظاہر نہیں ہوئی
 کسی نے نہ جانا کہ میری سرشت میں کیا ہے

۳۶۹

ہم شہر دل سے آئے ہیں، سوداگر ہیں
 جس کے پاس بھی جنس درد ہے، (ہم) خریدتے ہیں
 روز و شب دل کی خاطر خوں پیٹتے ہیں
 دشمن کو بغل میں پال رہے ہیں
 اب سے کچھ پہلے ہم آگ تھے
 آج کل (ہم) راکھ کا ڈھیر ہیں
 پلچہ خزاں خون سے جٹائی ہو گیا
 چشم ترکی آتش دہی سے داغ ہیں

وقتِ آخر ہم پہ او گفتہ نہ شد
 آں چہ در دل بود با خود می پریم
 شوقِ آں گل باعثِ آوارگیست
 چوں نسیم صبح کہ بر ہر دریم
 میر با ما آشنائی مشکل است
 در نزاکت چوں مزاجِ دلبریم

۳۷۰

سخنِ دلچاہ و عاشقِ کلام
 اور ہم کلامِ اجزا خطاب
 گفتِ مظهرِ دل دیدنی بود
 نہ بروی رہ چہ احوالِ خراب
 خدا ناکرہہ گر خیرم چہ دعوی
 چہ خواہی گفت در محشرِ جہانم
 چنان گم گشتہ ام کز من اثر نیست
 ہزارِ افسوس اگر او را نہ پیام
 دلالت می کند چشمش بر آشوب
 ز اندازِ نگہ در اضطرابم
 تپاک او چہ دشمنِ جان و دل سوخت
 من از گری بے جایش کسہام
 چہ عالمِ محبِ بگذار اکنوں
 کہ گم رفتی ہما مستِ شرابم
 چہ گویم آہِ غفلتِ راوِ دل زد
 جہانے بارِ بست و من چہ خوابم
 دمِ آخر بے پریدم از میر
 نہ کرد اکلہارِ محققش از حجابم

وقتِ آخر بھی اس سے بیان نہیں کیا
جو کچھ دل میں تھا اپنے ساتھ لیے جاتے ہیں
اس گل کا شوقِ آوارگی کا باعث ہے
(ہم) نیم صبح کی طرح صبح کو ہر دور پر ہوتے ہیں
میر ہم سے آشنائی مشکل ہے
ہم خواہش میں دلبر کے حراج کی طرح ہیں

۳۷۰

سخن کا دیوانہ اور کتاب کا عاشق ہوں
میں گفتگو کی تمام لطافت کو جاننے والا ہوں
دل کے نوٹنے کا منظر قابلِ دید تھا
(تو) میرے طرابِ حال (کو دیکھنے) کے لیے نہیں آیا
خدا نہ کرے اگر میں دھوئی کے لیے کھڑا ہوا
محشر میں مجھے جواب میں کیا کہے گا
اس طرح گم ہوں کہ میرا نشان نہیں ہے
ہزار افسوس اگر (پھر بھی) اسے نہ پاسکوں
اس کی آنکھیں آشوب پر دلالت کرتی ہیں
اس کی نگاہ کے انداز سے اضطراب میں ہوں
دُشمن سے اس کا تپاک جان اور دل کو جلا گیا
میں اس کے بے جا جوشِ محبت سے (جل کر) کہاب ہوں
(مجھے) میرے حال پر (اے) مختصِب اس وقت چھوڑ دے
کہ (تو) بہت بار مجھ مستِ شراب کو گرفتار کر چکا ہے
آہ کیا کہیں غفلت نے دل کو لوٹ لیا
دنیا نے اسبابِ باندھ لیا ہے اور میں خیمہ میں ہوں
دمِ آخر میرے (میں نے) بہت پوچھا
میری شرم سے اس کے عشق کا اٹکھا نہیں کیا

۳۷۱

مکن الفت کز ایں آزار مردم
 نہ دیدم چارہ اسے ناچار مردم
 سپاریدم چہ ز بیم خاک در راہ
 کہ من از رفتن آں یار غروم
 جنت ایں زماں بر نقش من چیست
 ز عمرے بودہ ام بچار غروم
 چہ زندان جہان چہ در چہ
 چہ تک آمد ولم بسیار غروم
 نہ دیدم آفتاب روئے او را
 ز غم در سایہ دیوار غروم
 ز تن جاں رفت و ی کرم تماشا
 چہ چشم بسیلے بیدار غروم
 نہ دادم دل کدایں آرزو داشت
 کہ وقت جاں دہی دشوار غروم
 چہ گویم آہ از آں آئینہ رو میر
 محبت در حسرت دیدار مردم

۳۷۲

دل ز جان بندہ شایستہ کہ من ی دلم
 باہل طرف کلائےست کہ من ی دلم
 ایں کہ در آتش غم دل ہمہ شب ی سوزو
 داغ از دوری ماہست کہ من ی دلم
 طور رعناہ او را تو نمی دانی آہ
 میر آں خانہ سیاہست کہ من ی دلم

۳۷۱

القت مت کر کہ اس آزار سے (میں) مر گیا
 کوئی چارہ نہیں دیکھا ناچار مر گیا
 مجھے شاہراہ عام پر سپرد خاک کیا گیا
 کہ میں اس یار کی چال پر مرنا تھا
 اس وقت میرے چناڑے پر کیوں افسوس ہے
 مدت سے بیمار تھا، مر گیا
 جہاں سچ در سچ کے زنداں میں
 میرا بہت دل شک آ گیا تھا، مر گیا
 اس کے چہرے کے آداب کو نہیں دیکھا
 غم سے سایہ دیوار میں مر گیا
 تن سے جان چلی گئی اور میں دیکھتا رہا
 کسی ہسل کی طرح کھلی آنکھوں کے ساتھ مر گیا
 نہیں جانتا کہ دل کیا آرزو رکھتا تھا
 کہ (میں) جان دینے کے وقت دشواری سے مرا
 میر آہ اس آئینہ رو کی کیا کہوں
 حسرت دیدار میں عیث مر گیا

۳۷۲

دل جان سے ایک شاہ کا بندہ ہے کہ میں جانتا ہوں
 ایک طرف کلاہ کا مالک ہے کہ میں جانتا ہوں
 یہ جو آتشِ غم سے دل تمام رات جلتا ہے
 ایک ماہ سے دوری کا داغ ہے کہ میں جانتا ہوں
 آہ تو اس کا رعدانہ طور نہیں جانتا
 میر وہ بد بخت ہے کہ میں جانتا ہوں

۳۷۳

مہینائے سفر ہم چوں فریایاں در جہاں ماندم
 در این محنت سرا یک چند من ہم سہماں ماندم
 کسم فریاد رس جز ہے کسی نمود در این داوی
 کہ چوں صوت جس بسیار دور از کارواں ماندم
 غموم صرف ضعف دل دماغ ہرزہ گردی را
 بہ ہر جا پا نہادم، چوں غبار ناتواں ماندم
 چو صیدے زخم کاری خوردہ رفتم از سر کوشش
 کہ بر ہر یک قدم از قطرۂ خونے نشاں ماندم
 چہاں بر شمع مجلس میر زد پروانہ از جرأت
 کہ من تا صبح دم حیران آں آتش بہ جاں ماندم

۳۷۴

غم در دل بر لب آہ دارم
 من حال بے تباہ دارم
 گلزاریم کہ در چندم
 دشت ام کہ ہزار راہ دارم
 شد موے سفید و کار نکلشود
 چوں نافہ دل سیاہ دارم
 بر خاک رو کسے ست رویم
 یعنی من رو بہ راہ دارم
 مقصود من آں قید بلند است
 دیرے ست کہ حب چاہ دارم
 یارب چہ کنم چگونہ دل را
 ز آں چشم سہ نگاہ دارم

۳۷۳

میں دنیا میں مسافروں کی طرح چلنے کو تیار رہا
 اس تکلیف کے گھر میں کچھ دن میں بھی مہماں رہا
 بے کسی کے سوا اس داوی میں کوئی میری فریاد سننے والا نہیں ہے
 کہ آواز جس کی طرح کارواں سے بہت دور رہ گیا ہوں
 (میں نے) دل کی رہی سہی توانائی آوارہ گردی کی فکر میں صرف کر دی
 (سو) جہاں بھی پاؤں رکھا غبارِ ناتواں کی طرح رہ گیا
 (میں) کاریِ زخم کھائے ہوئے شکار کی طرح اس کے کوچے سے گیا
 کہ ہر ایک قدم پر خون کے قطرے سے نشان چھوڑتا گیا
 پروانہ صبح مجلس پر جرأت سے اس طرح لپکا
 کہ میں صبح تک (اس) آتش پہ جاں پر حیراں رہا

۳۷۴

دل میں غم، لب پر آہ رکھتا ہوں
 میں بہت تباہ حال رکھتا ہوں
 (میں) گلزارِ نہیں کہ دروازہ بند کر دوں
 (میں تو) دشت ہوں کہ (میرے) ہزار راستے ہیں
 بالِ سفید ہو گئے اور کام نہیں بنا
 میرے پاس تافے کی طرح سیاہ دل ہے
 میرا چہرہ کسی کی راہ کی خاک پر ہے
 یعنی کہ میں رو بہ راہ ہوں
 میرا مقصود وہ بلند قدم ہے
 قدرت سے شبِ جاہ رکھتا ہوں
 یا رب کیا کروں، کس طرح دل کو
 اُن سیاہ آنکھوں سے بچاؤں

نے معتمد فقیر گرم
 کارے نہ پادشاہ دارم
 ترک سر غولش می کسم میر
 من مژدہ بارگاہ دارم

۳۷۵

خیال دے و حرم را ز سر پہ در کردم
 بہ سجدہ اے در سے خانہ سر پہ سر کردم
 مرا ز دے و حرم مطلبے نہ بود اے شوخ
 ز فرط شوق طعانی تو در پہ در کردم
 تمام عمر دوم سر پہ سنگ دور از تو
 حقں کہ عمر گرامی چہاں ہر کردم
 من از بہار چہ آپ رواں چہ می دانم
 کہ سرگندہ پہ زبے از چہن گذر کردم
 رو وفا و محبت، رہے ست دور و دواز
 در این دو مرحلہ بسیار من سحر کردم
 بہاے اشک ہمہ نگوں گریستم یعنی
 شب فراق پہ صد نگوں دل سحر کردم
 چہار ساں ہمہ در من قناد و پاک ہوش
 ز دست سودن خود آتشے کہ بر کردم
 ترا چہ جرم کہ طبلہ نمود نہ شد مقدور
 رسید نام تو در گوش و چشم تر کردم
 ز طرز دیدن از میر نقد می بارو
 میاش این ہمہ فاعل، منت خیر کردم

نہ میں فقیر کا معتقد ہوا ہوں
نہ (مجھے) بادشاہ سے کوئی کام ہے
میر میں اپنے سر کا ترک کرتا ہوں
(مجھے اُس) بارگاہ سے مڑوہ آیا ہے

۳۷۵

(میں نے) دیر و حرم کے خیال کو سر سے نکال باہر کیا
میں نے سجدے سے در سے خانہ برابر کر دیا
مجھے اے شوخ دیر و حرم سے مطلب نہیں تھا
فرہ شوق میں تجھے در پہ در تلاش کیا ہے
تجھ سے دور (رہ کر) تمام عمر سر کو ہاتھ پہ مارا
دیکھ کہ میں نے عمر عزیز کس طرح بسر کی
میں آپ روہ کی طرح بہار کو کیا جانتا ہوں
کہ سر جھکا کر باجن کے پیچے سے گزرا ہوں
وقا اور محبت کی راہ، دور و دراز کی راہ ہے
ان دو مرحلوں میں میں نے بہت سفر کیا ہے
اشک کے بجائے تمام خون روپا ہوں یعنی
شب فراق کو صدف خون دل سے سحر کیا ہے

چنار کی چنگاریوں طرح ساری (کی ساری) مجھ پر پڑی اور بانگل جلا دیا
اپنے ہاتھ ملنے سے جو آگ میں نے جلائی تھی
حیرا کیا قصور کہ (میرے پاس) اپنے آپ پر قابو رکھنے کی طاقت نہیں تھی
حیرا نام کانوں میں پڑا اور (میں نے) چٹم کر کر دی
اس کے دیکھنے کی طرز سے میرے فتنہ برستا ہے
اتنا ناقص مت رہ، میں نے تجھے خیر و دار کر دیا

۳۷۶

زلف پا دستار می بچد، ادا را بنده ام
 شرم از آئینه می دارد، حیا را بنده ام
 کجش زلفش نه امروزے ست پا جانم وے
 ہر گم و بے گاہ تھریکو صبا را بنده ام
 در غریب دلبران بے مروت نصیحت
 می کنم حکم دل خود، من وفا را بنده ام
 می کند احیا ز لطف و می کشد از تاز و ششم
 کشد آں التفات ام، ایں جفا را بنده ام
 گریہ پا در گوشے خراب دارم روز و شب
 پا بتاتم صیحت روئے دل، خدا را بنده ام
 غرق کوتاہ دامن کے ہر دل می چسبم
 من کہ چسپاں جامد و چاکب قبا را بنده ام
 در امید یک نگاہے لطف جان میر رفت
 دلبران پوشیدل چشم شام را بنده ام

۳۷۷

بنده	و	تراپ	گردیدم
دزد		آفتاب	گردیدم
ایں	چمن	صیحت	جائے آسائش
ہر	طرف	ہم	چو آب گردیدم
نصیحت	شد	چہ	زلف او چہ درست
جملہ	تن	پنج	و تاب گردیدم
او	مئے	تاب	خورده با دشمن
من	ز	غیرت	کباب گردیدم
عاقبت	بر	کنائہ	پای وفا
قابل	صد	عقاب	گردیدم

۳۷۶

زلف کو دستار میں لپیٹتا ہے، (اس کی) ادا کا غلام ہوں
 آنکھیں سے شرماتا ہے، (اس کی) حیا کا غلام ہوں
 اس کی زلف کا بیچ و خم جان پر صرف آج ہی نہیں ہے، لیکن
 ہر گاہ و بے گاہ صبا کا (اس کی زلفوں کو) چھیڑنے (کی حرکت) کا غلام ہوں
 بے مروت و لبروں کا زور خرید نہیں ہوں
 اپنے دل کا حکم بجالاتا ہوں، وفا کا غلام ہوں
 لطف سے زندہ کرتا ہے اور ناز و عشق سے مار دیتا ہے
 اس القامت کا کشتہ ہوں، اس جفا کا غلام ہوں
 گوشے محراب میں روز و شب روتا رہتا ہوں
 میرا روئے دل تجوی کی طرف نہیں ہے، خدا کا بندہ ہوں
 کوتاہ دامن مگر تے کو کب دل سے لگاتا ہوں
 میں (جو) کہ تلک پوشاک اور چاک تھا کا غلام ہوں
 ایک عنایت کی نگاہ کی امید میں میر کی جان چلی گئی
 دلیر و تمھاری بے انتہائی کا غلام ہوں

۳۷۷

بندۂ بختراب بن گیا
 آفتاب کا ذرہ بن گیا
 یہ چمن راحت کی جگہ نہیں ہے
 (میں نے) ہر طرف پانی کی طرح گشت کی
 میرا تعلق اس کی زلف سے جب قائم ہو گیا
 (میں) بھلے تن بیچ و تاب ہو گیا
 اس نے سے تاب دشمن کے ساتھ لی
 میں خیرت سے (بھل کر) کہاب ہو گیا
 آخر کار پاس وفا کے گناہ پر
 صد عتاب کا مستحق ہو گیا

بزم	امکاں	ند	داشت	کجیت
من	چہ	چام	شراب	گردیدم
بودہ	ام	میر	شیر	آبادے
رفتہ	رفتہ	غراب	گردیدم	

۳۷۸

غبارِ محترم و سودائے جستجو دارم
 چہ بادِ رقتم و در سر ہوائے او دارم
 چہ دردِ دل کنم از من سخن نمی آید
 زماں زماں ز غمش گریہ در گلو دارم
 کتنوں کہ وصل میجر شدہ ست و می کریم
 در ایں غم ام کہ نہ دامن چہ آرزو دارم
 چہ نکسِ شخص سخن کوئے روئے آئینہ
 ز خویش رقتم و با خویش گفتگو دارم
 چہ شد کہ مبتذل ام، اعتبار من باقی ست
 مثال آئینہ در چشم ہر کہ رو دارم
 بجا کہ شوق چہ دیوانگی کشید آخر
 ز دیر بہ سر کوئے تو ہائے و ہو دارم
 بغیر حوصلہ یک جرد میر نتواں خورد
 از آن شرابِ محبت کہ در سبہ دارم

۳۷۹

ز جوشِ شوق چہ مستِ شراب می گردم
 مریدِ احمد جام ام، غراب می گردم
 چہ غم ز مردنِ خویشم کہ روزِ حشرے بہت
 اگرچہ می روم انا شباب می گردم

بزم اسکاں کی کیفیت نہیں رکھتی تھی
میں ایک جام شراب کی طرح پھرا
میر میں ایک آہاد شہر ہوا کرتا تھا
(مگر) رفتہ رفتہ اجڑ گیا

۳۷۸

غبار ہو گیا ہوں اور جستجو کا جنون رکھتا ہوں
ہوا میں بکھر گیا ہوں سر میں اس کا سودا رکھتا ہوں
کیا درد دل بیان کروں مجھ سے بات نہیں کی جاتی
کبھی کبھی اس کے غم میں خاموشی سے روتا ہوں
اب جب کہ وصل بے خبر ہو گیا ہے اور (میں) روتا ہوں
اس غم میں ہوں کہ نہیں جانتا کہ کیا آرزو رکھتا ہوں
آہینے کے سامنے ہاتھ کرنے والے شخص کے عکس کی طرح
خود سے گزر گیا ہوں اور خود سے ہاتھیں کرتا ہوں
کیا ہوا کہ میں مبتذل ہوں، میرا اعتبار باقی ہے
اس کی آنکھوں میں، آہینے کی طرح جس کے مقابل ہوتا ہوں
آ کر شوقی آخروں کی تک پہنچ گیا ہے
دیر سے حیرے کوپے میں ہاؤ وہو کر رہا ہوں
حوصلے کے بغیر میرا ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتے
اس شراب محبت کا، جو (میرے) سپو میں ہے

۳۷۹

شوق کے جوش سے مست شراب کی طرح ہو رہا ہوں
احمد جام کا مرید ہوں، شراب ہو رہا ہوں
اپنے مرنے کا کیا غم کہ روز حشر (سلامت) ہے
اگرچہ (میں) جا رہا ہوں لیکن جلد لوٹ آؤں گا

چہ سیر باغ ام و دارفہ فکائے خود ام
 ہے ز خویش گذشتن چہ آب می گرم
 نہ بہر خاطر غیر این خطاب امروزے ست
 ہمیشہ مورد قسطن و حباب می گرم
 ز ضعف ہر قسم چشم بست می گرم
 ترا خیال کہ باکل چہ خواب می گرم
 مجھے بر آتش دل گریہ ام نہ زد آہے
 خام داغ ام و ہر دم کباب می گرم
 تک شراب چناں ام کہ شرح تھوں دار
 چہ یک پیالہ سے ہے حباب می گرم
 گریز نیست مرا از حلاش او ہرگز
 چہ سایہ در ہے آں آفتاب می گرم
 ثبات من نہ بود یک نفس فزوں تر میر
 در این محیط چہ شد، چوں حباب می گرم

۳۸۰

مرد ز دیدہ کہ من خاطر غمیں دارم
 لگاؤ حسرت ام و گریہ در سکین دارم
 بیا کہ سوز و زور آتش چہ دل زدہ است
 چہ رنگہ طبع سحر جاں در آتشی دارم
 اوائے کینہ او را چہ من کہ می لہد
 کہ زلم می خورم و بر لب آفریں دارم
 امید بہت کہ این باتواں قبول افتد
 کہ من فقیر تک مایہ ام، ہمیں دارم
 چہ این امید کہ یک صبح رو چہ من آری
 سر نیاز چہ ہر شام بر زمیں دارم

باغ کی سیر کر رہا ہوں اور اپنی ناک پر فدا ہوں
 اپنے آپ سے گزر جانے کے لیے پانی کی طرح پھر رہا ہوں
 یہ خطاب آج غیر کی طرف داری میں نہیں
 (میں تو) ہمیشہ خشم و عتاب کا موردِ ظہر رہا ہوں
 ضعف سے ہر دم میری آنکھ بند ہوئی جاتی ہے
 (اور) تجھے خیال ہے کہ میں ماگل پہ خواب ہو رہا ہوں
 کبھی دل کی آگ پر میرے آنسوؤں نے پانی نہیں چھڑکا
 ہمیشہ داغ (رہا) ہوں اور ہر دم (جل کر) کباب ہوتا ہوں
 جیسا میں خشک شراب ہوں اس کی شرح نہیں کر سکتے
 ایک پیالہ سے بے تکلف ہو جاتا ہوں
 مجھے اس کی تلاش سے ہرگز گریز نہیں ہے
 سائے کی طرح اس آفتاب کے لیے گردش کرتا ہوں
 میراثات ایک نفس بھی زیادہ نہیں ہو سکتا حیر
 اس بحر میں کیا ہوا جو حباب کی طرح پھرتا ہوں

۳۸۰

آنکھوں سے نہ جاؤ کہ میں خاطرِ فحشیں رکھتا ہوں
 (میں) نگاہِ حسرت ہوں اور گریہ کہیں میں رکھتا ہوں
 آ کہ سوزِ دہوں نے دل کو آگ لگا دی ہے
 طبعِ سحر کی طرح جانِ آستین میں رکھتا ہوں
 اس کے کیلئے کی ادا میری طرح کون کبھی سکتا ہے
 کہ دھم کھاتا ہوں اور لب پر آفریں رکھتا ہوں
 امید ہے کہ یہ باتوں قبول ہوگا
 کہ میں خشک مایہ فقیر ہوں، بچی رکھتا ہوں
 اس امید پر کہ ایک صبح (خوش) میری جانب رخ کرے
 سرِ نیاز ہر شام زمین پر رکھتا ہوں

شوم غبار کہ تقریب نیست بہتر از این
کہ قصد کوئے تو از دیر دل نہیں دارم
ز رنگِ شبنمِ او میرِ داغ شد دلِ من
دلِ روشنِ این آو آہیں دارم

۳۸۱

چشم از گریہ برے دارم
کہ ہمیں دیدۂ بے دارم
تو بسر بر چہ خاطر شاوے
من دلے دارم و طے دارم
ی روم چشم گرم ناکرہ
چوں شرر فرستہ کے دارم
گر چہ ہاست عالمے بے من
بے تو من نیز عالمے دارم
چوں نیم محبتہ دلِ زارے
ی کسم نالہ تا دے دارم
سادگی ہائے من ہمیں کہ ہنوز
چشم لعلے از او ہے دارم
دل چہ آں زلف میرِ خواہم بست
چہ کسم حال در ہے دارم

۳۸۲

بزم برہم زدۂ عالم امکانِ دیدم
تا چہ گویم کہ عجب خواب پریشاں دیدم
غالب است این کہ ز طوفانِ قیامت نہ شو
آں چہ بدوئے تو از دیدۂ گریاں دیدم
یادگارے ز اسیرانِ چمن آخر کار
مشتہ پر در پس دیوارِ گلستاں دیدم

ظہار ہو جاؤں کہ اس سے بہتر صورت نہیں ہے
 کہ دیر سے تیرے کوپے کا قصد دل میں رکھتا ہوں
 اس کے شمع رنگ سے میرے سیرا دل داغ ہو گیا
 اس (بات) کی روشنی دلیل (کے لیے) آؤ آتشیں رکھتا ہوں

۳۸۱

آنکھوں کو میں رونے سے روک نہیں پاتا
 کہ میرے پاس یہی نم آنکھیں ہیں
 تو خاطرِ شاد کے ساتھ زندگی کر
 میں دل رکھتا ہوں اور غم رکھتا ہوں
 کسی (نظارے) کو رحمت سے دیکھے بغیر جا رہا ہوں
 شر کی طرح فرصت کم رکھتا ہوں
 گرچہ تیرے ساتھ میرے بغیر ایک عالم ہے
 تیرے بغیر میں بھی ایک عالم رکھتا ہوں
 مجھ سا کوئی دل زار کا ستا یا ہوا نہیں
 نالہ کھینچتا رہوں گا جب تک سانس ہے
 میری سادگی دیکھ کر ابھی تک
 اس سے صہر پائی کی ساری امیدیں رکھتا ہوں
 دل کو میرا اس زلف سے ہانکوں گا
 کیا کروں حال میرا پریشان ہے

۳۸۲

میں نے عالم و مکاں کی برہم ہوئی بزم کو دیکھا
 کہاں تک کہوں کہ مجھ پر خواب پریشان دیکھا
 یہ یقین ہے کہ طوفانِ قیامت سے (مٹی وہ) نہیں ہوگا
 جو کہ تیرے ہجر میں دیدہ گریاں سے دیکھا
 جہنم کے اسیروں سے یادگار، آخر کار
 میں نے مشہور پر دیوارِ گلستاں کے پیچھے دیکھے

دل کہ در سینہ من قطره خونے بود دست
چوں بہ چشم آمد از او شیوہ طوقاں دیدم
در گلستان جہاں رنگ نہ دارم کہ چہ گل
من ہمیں دہم دل و چاک گریباں دیدم
چوں تسلی شوم از دلدی غم خواراں
من کہ شب لخت چکر بر سر مژگاں دیدم
بر کسے گل بہ گریباں ز گلستان تو رفت
میر را لختہ دل خویش بہ داماں دیدم

۳۸۳

از ہم حیران کار دل بہ دنیا آدم
شکل تصویر ایم از خود رفت پینا آدم
جملہ تن مصروف دل جوئی چہ تار سبہ شد
ما بہ چشم مردماں از راو دل ہا آدم
رفت خویش ایم ورت منزل ما دور بود
شوق ما دامن کش ما شد کہ این جا آدم
عائے لبرچ ما و پنجم ما بر راو ماست
اقلارے می کشیم از خویش و ہر جا آدم
غرقہ دہم ایم دریا خویش را فہیدہ ایم
ورت چوں موج از پئے رفتن میرا آدم
جلوہ ہا داریم و از ہر جلوہ بے خود گشتہ ایم
خود تماشا ایم و خود بہر تماشا آدم
ہر نفس گم گشتہ ما را چہ ی پری کہ میر
چتوئے خویش می داریم ما تا آدم

۳۸۴

بہ روئے تو چہاں نظر داشتم
بالائے جب زبیر سر داشتم

دل کہ میرے سینے میں ایک قطرہ خوں تھا
 جب آنکھ تک آیا اس میں طوقاں کا انداز پایا
 (میں) دنیا کے گلستان سے بہرہ ور نہ ہوا کہ گل کی طرح
 میں نے بھی زخمِ دل اور چاک گریاں دیکھا
 غم خواہوں کی ولد ہی سے کس طرح تسلی پاؤں
 کہ میں نے رات کو تختہ جگر کو مڑگاں کے اوپر دیکھا ہے
 حیرے گلستان سے ہر ایک گریاں میں پھول لے کر گیا
 میرا کو اپنے دل کے ٹکڑے دامن میں (لیے جاتے) دیکھا

۳۸۳

ہم کاہل سے حیران عدم سے دنیا میں آئے
 شکلِ تصویر ہیں، از خود دولتِ ظاہر ہوئے ہیں
 سارا بدن دل جوئی میں تسبیح کے دھاکے کی طرح صرف ہو گیا
 ہم لوگوں کی آنکھ میں دلوں کی رمل سے آئے
 خود سے گزر گئے ہیں ورنہ ہماری منزل دور تھی
 ہمارے شوق نے ہمارا دامن کھینچا جو (ہم) یہاں آئے
 عالم ہم سے لبریز (ہے) اور ہماری آنکھ ہمارے راستے پر لگی ہے
 ہم اپنا (ہی) انتظار کھینچتے ہیں اور ہر جگہ پہنچتے ہوئے ہیں
 (ہم) وہم میں غرق ہیں، خود کو سمندر سمجھا ہے
 ورنہ موج کی طرح جانے کے لیے تیار آئے تھے
 ہم بہت سے جلوے رکھتے ہیں اور ہر جلوے سے بے خود ہو گئے ہیں
 خود تماشا ہیں اور خود بھر تماشا آئے تھے
 ہمارے ہر گم گشتِ نفس کو کیا پچھتے ہو کہ میر
 ہم اپنی جستجو رکھتے ہیں اس لیے آئے تھے

۳۸۴

(میں) حیرے چہرے پر چھپ کر نظر کرتا تھا
 جھپ بلا (میں) سر میں رکھتا تھا

تو با کام دل زندگانی کہن
 من از جان خود دست برداشتم
 سرخسے پہ صد درد و غم ی چکد
 تمام آن کہ من ہم جگر داشتم
 نہ بود ایں چنین بے خودی بخش از ایں
 ز احوال خود ہم خبر داشتم
 خراشدها جبہ چوں من نہ بود
 در ایں کار دست دگر داشتم
 نہ گردش پہ دل پچ تاثر آہ
 نگاہ پہ آو سحر داشتم
 پہ ہر شاخ گل کردہ ام نالہ اے
 گئے میر من ہال و پہ داشتم

۳۸۵

چہ شد مگر فقر وار و خاک راہم
 خلیج ہست در طرف کلاہم
 بہائے خون من یک دیدن اوست
 حنا کشیہ ذوق نکاہم
 من و ابرے کہ بر می خیزد از دشت
 دو ہم درد ایم ی کریم باہم
 نمی دانم کہ اے دل بر چہ امید
 برابر کردہ ای با خاک راہم
 ہمیں بر جرم دیدن کشیہ مستحکم
 دگر ثابت نمی گردد گناہم
 ستم آخر پہ ہر کس ی نمانی
 شانے، نجرے، تینے، پہ ما ہم

تو دل کی مراد کے ساتھ ذمہ گانی کر
 میں اپنی جان سے دست بردار ہو چکا ہوں
 سیکڑوں درد و غم کے ساتھ آنسو ٹپک رہے ہیں
 (وہ وقت) نہیں رہا کہ جب مجھے بھی (برداشت کرنے کا) مقدور تھا
 اس سے پہلے (کبھی) اس طرح بے خودی نہیں تھی
 (میں) اپنے حال کی بھی خبر رکھتا تھا
 پیشانی کو نوچنے والا کوئی مجھ سے نہیں تھا
 اس کام میں انتہائی مہارت رکھتا تھا
 آہ (اس نے) اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کیا
 (میں) آہ سحر سے اُمید رکھتا تھا
 ہر شاخ گل پر سے نالہ کر چکا ہوں
 کبھی میرے میں (بھی) ہال و پر رکھتا تھا

۳۸۵

کیا ہوا اگر فخر دار اور خاک راہ ہوں
 میری نگاہ کا گوشہ مڑا ہوا ہے
 میرا غم بہا اس کا ایک (نظر) دیکھتا ہے
 ذوقِ نگاہ کی تمنا کا مارا ہوا ہوں
 میں اور (وہ) ابر کو دشت سے اٹھتا ہے
 ہم دو ہمدرد ہیں، ایک ساتھ (مل کر) روتے ہیں
 نہیں جانتا کہ اسے دل کس امید پر
 (تو نے) مجھے خاک راہ کے برابر کر دیا
 (بس) اسی دیکھنے کے جرم پر قتل ہو گیا ہوں
 میرا اور (کوئی) گناہ ثابت نہیں ہو سکا
 (تو) آخر ہر ایک پر ستم کرتا ہے
 (کوئی) سناں، فخر، تجلہ ہم پر بھی

چہ یک سنبلی سرے دارم در این باغ
 کہ من زنجیری دلب سیاهم
 چہ درد آہ دل آخر بھماں را
 ز آواز حزین آہ آہم
 اگر ایں بار مانم زندہ اے میر
 کسے را بعد از ایں ہرگز نہ خواہم

۳۸۶

چند آرزوئے وصل تو در سینہ خوں کسم
 تاکے معاش ہے تو چہ حال دیوں کسم
 در خاک دان دہر نہ شد کس انجس من
 تا یک نفس غبار ز خاطر بروں کسم
 کل ی زند مرا ز جہ برگ چشمے
 یعنی ز جاے خیزم و فکر جنوں کسم
 یارب چہ روز خواہم آہ چہ چش آہ
 فریاد ہر شب از شب دیگر فزون کسم
 دارم چہ خود قرار کہ ہر صبح گاہ میر
 از خونی دیدہ چہرہ خود لالہ گوں کسم

۳۸۷

دارد اگر چہ طور زمانہ مشوقم
 ہر صورتے کہ روئے دہد راضی ام، غم
 آیم چرا ز نقد نہ در وجد کز ازل
 از خاک برگزین آواز دل کشم
 من شکستہ کام وادی شوق ام عجب عار
 سیلاب اگر نہ کرد کفایت چہ لب چشم

اس باغ میں ایک سنبل سے تعلق رکھتا ہوں
 کہ میں زلفِ سیاہ کا زنجیری ہوں
 ہمدون کا دل آخر پریشان ہو گیا
 میری آہ کی غم زدہ آواز سے
 اگر اس پار زندہ رہ گیا اے میرے
 کسی کو اس کے بعد ہرگز نہیں چاہوں گا

۳۸۶

کب تک تیرے وصل کی آرزو کو سینے میں خوں کروں
 کب تک تیرے بغیر تہاہِ حال میں زندہ رہوں
 دنیا کے خاکدایں میں کوئی میرا دوست نہیں تھا
 کہ ایک قسمِ دل کا غبار نکال سکوں
 گل پتوں کی آڑ سے مجھے آنکھ سے اشارہ کر رہا ہے
 یعنی کہ یہاں سے اٹھوں اور جنوں کی لڑکھروں
 یارب آہ میرے سانسے کیا دن آئے گا
 (میں) ہر رات پچھلی رات سے زیادہ فریاد کرتا ہوں
 خود سے وعدہ کیا ہے کہ ہر صبح کے وقت میرے
 آنکھوں کے خون سے اپنا چہرہ لالہ گوں کروں گا

۳۸۷

اگرچہ زمانے کا انداز مجھے پریشان رکھتا ہے
 جو صورت بھی پیش آئے، راضی ہوں، خوش ہوں
 (میں) نغمے سے دھند میں کیوں نہ آؤں کہ ازل سے
 دل کش آواز نے خاک سے مجھے پروان چڑھایا ہے
 میں داوی شوق کا نقشہ کام ہوں جب مت کچھ
 سیلاب اگر میری لب چشما کے لیے کافی نہیں ہوا

یک لکھ بر مراد خودم زمین نہ شد
 بارے ست زندگی کہ چہ ناچار می کشم
 از گریہ میر سوزِ دروں کم نمی شود
 دریا ز دیدہ ی رود و من در آتشم

۳۸۸

چمن پروردہ طیرام ایک رو سوئے نفس دارم
 چہ زاری می کشم عادت، گرفتاری ہوں دارم
 نہ دامن منزل مقصود من یارب کہا باشد
 بے ایں کارواں ہر کام شود چوں جبر دارم
 بے گزشت و برنگزشت کس از خاک صحرایم
 چو نفس پاے چشم لطف از بسیار کس دارم
 تو دشمن گل چہ دامن داری و من بر سر کوبش
 بے آتش فروزی چوں فقیراں خار و عس دارم
 چہ کاش بیکرِ دردم تھای رفت و تالاں ام
 چو نے از من نمی آید شوخی تا نفس دارم
 نہ دارم بچہ پاک از مستی بازار و برزن ہا
 کہ مربوط ام چہ شیخ شہر و یاری با عس دارم
 ہر اے میر از انداز چشم نیم باز او
 قیامت نقشہ زان جام شراب نیم رس دارم

۳۸۹

خفت در کار خویش حیرانم
 چہ دل خورد من نمی دامنم

ایک لکھ (بھی) اپنی مراد پر زندہ رہتا (میسٹر) نہیں ہے
 زندگی ایک بار ہے کہ مجبوراً کھینچ رہا ہوں
 میٹر رونے سے سوئی دروں کم نہیں ہوتا
 آنکھوں سے دریا بہہ رہا ہے اور میں آگ میں (جہل رہا) ہوں

۳۸۸

جہن میں پلا ہوا پرندہ ہوں لیکن رخِ قفس کی طرف ہے
 تالے کی ٹوڑا ہوں گرفتاری کی ہوس رکھتا ہوں
 (میں) نہیں جانتا یہ رب میری منزل مقصود کہاں ہوگی
 اس کارواں کے لیے ہر گام پر (میں) جرس کی طرح شور کرتا ہوں
 بہت سے (لوگ) گزر گئے اور کسی نے مجھے صحرا کی خاک سے نہیں اٹھایا
 (میں) نقشِ پا کی طرح ہر ایک سے صریائی کی امید رکھتا ہوں
 (اے) دشمن حیرے دامن میں پھول ہیں اور اس کے کوپے میں
 میرے پاس آگ جلانے کے لیے فقیروں کی طرح خار و خش ہیں
 کھل کر میرا پیلا جسم تمام ختم ہو گیا ہے اور (میں) فریاد کرتا ہوں
 جب تک سانس ہے بالبری کی طرح مجھ سے خاموش نہیں ہوا جاتا
 بازار و ہرزن امیں مستی سے کوئی شرف نہیں کھاتا
 کہ شیخِ شہر سے مربوط ہوں اور مس ۲ سے دوستی رکھتا ہوں
 میرا اس کی چشمِ نیم باز کے انداز کا مست پوچھ
 اس نیم رس ۳ جامِ شراب سے قیامت نشر رکھتا ہوں

۳۸۹

اپنے معاملے میں سخت حیراں ہوں
 دل پر کیا (دھم) کھایا ہے نہیں جانتا ہوں

۱ گلی کرچہ۔

۲ کوتاہی و شرکاء کا فرقہ۔

۳ اوردہ پکائی۔

من کہ گلچینِ ایں نکلتا
 پر ز لختِ دل است دامن
 ہر زلفِ ی زند حرفے
 او چہ داند کہ من پریشاںم
 من ز پہلوئے او چہ ہا دیم
 دل سحرِ یو دشمنِ جانم
 ہر زماں ہے تو آفتِ تازہ
 سرِ برداں آرد از گریبانم
 ترکِ ساغرِ مرقعِ د ہے سے
 ود بہارِاں ہے پشیمانم
 رسمِ دینِ کہن چہ ی پری
 من چہ دامن کہ نو مسلمانم
 شوقِ فہیدنِ دل است مرا
 غیرِ ایں نسو من نمی خواہم
 غالباً میرِ شب ہ خاک افتاد
 جگرِ از راو چشمِ گریبانم

۳۹۰

من کہ از خود خبرے یافتاں
 از فقیراں نظرے یافتاں
 گر ہ درد شوی دریاں
 آں چہ از چشمِ ترے یافتاں
 با کس الفت نہ کنی کن بلبل
 در جمنِ مشتِ پرے یافتاں
 دل چہاں زآں گل تر بردارم
 کش ہ خونِ جگرے یافتاں

میں کہ اس گلستان کا گلچین ہوں
 میرا دامن دل کے نکلوں سے بھرا ہے
 اشاروں کنیوں میں باتیں کر رہا ہے
 وہ کیا جانتے کہ میں پریشان ہوں
 میں نے اس کی طرف سے کیا کیا دیکھا
 دل مگر جان کا دشمن تھا
 تیرے بلیر ہر وقت تازہ آفت
 میرے گریبان سے سر نکالتی ہے
 میں نے ساغر کو ترک کیا (ہے) اور شراب کے بغیر
 بہار میں بہت پشیمان ہوں
 دین کہن کی رسم کیا پوچھتے ہو
 میں کیا جانوں کہ فوسلم ہوں
 مجھے دل کو بھینے کا شوق ہے
 اس کتاب کے سوا میں کچھ نہیں پڑھتا
 غالباً میرا رات کو خاک پر گر گیا
 جگر میری گریاں چشم کی راہ سے
 ۳۹۰

میں جس نے اپنی خبر پائی ہے
 (میں نے) فقیروں سے نظر پائی ہے
 اگر قدام درد ہو جائے، (تو) پا جائے گا
 جو کہ میں نے چشم تر سے پایا ہے
 کسی سے الفت مت کر کہ بلبل کی نشانی
 چمن میں (میں نے) شست پر پائے ہیں
 دل کس طرح اس گل تر سے اٹھالوں
 کہ اسے خون جگر کے عوض پایا ہے

خاطرم میرؔ و مردن جمع است
چوں غمش چارہ گرے باقدام

۳۹۱

ز شستہ صافست اے ایوگماں از بس غطر دارم
تو ی بچی بہ سوئے حیر و من فکرِ جگر دارم
سراسر گردِ این صحرا دلِ وحشتِ اثر دارم
بسانِ چشمہ در ہر گوشہ او چشم تر دارم
نہ دائمِ راحتِ دلِ جوسہ، خوابِ خوشِ چہ ی باشد
کہ من از عشقِ غوشِ چشماں بلائے زہرِ سر دارم
دے اے جامہ زیبای گرمی اے ہامن توآنِ کرون
کہ ہاں در آئیں از شوقِ چوں شمعِ سحر دارم
نہ پنداری جہانِ رفتنی منزلِ گہ من شد
ہیں از آسائشِ یک چند قصدِ پیش تر دارم
شنیدم ہر کراہی ہوش و دیدم سخت بے ہوش
ز حالِ مردم آگاہ و عہدِ خود خبر دارم
بیا انصاف اگر داری بہ دستم بوسہ وہ دشمن
کہ من در فنِ شعر و شاعری دستِ دگر دارم
نہ دائمِ با غم اے میرؔ گردوں خوش چرا دارد
نہ دارم غیر از این جیسے کہ من اندک ہنر دارم

۳۹۲

با دلبران ہندی تا میرؔ کار دارم
دل چاک چاک وہ بر ہم چوں اتار دارم
یک رہ مگر از آن سو گردے کندِ خبارے
چوں نقشِ پایے بخشے بر رہ گزار دارم
افراطِ اشتیاقم در وصلِ ہم تھاں است
او در بر من است و من انتظار دارم

میر سیری خاطر مرنے سے جمع ہے
(میں نے) غم جیسا چارہ گر پایا ہے

۳۹۱

اے ابرو کماں حیرے صحیح نشانے سے بہت زیادہ خطرے میں ہوں
تو تیری طرف دیکھتا ہے اور میں جگر کی فکر کرتا ہوں
سراسر اس صحرا کے گرد لبِ وحشت اثر رکھتا ہوں
چشمے کی طرح اس کے ہر گوشے میں چشم تر رکھتا ہوں
نہیں چاند دل کی راحت کیا ہے، بیٹھی خند کیا ہوتی ہے
کہ میں اچھی آنکھوں والوں سے عشق کر کے سر میں ایک ہلا رکھتا ہوں
تھوڑی دیر اے جامہ زیب مجھ سے جوشِ محبت کا اظہار کر سکتے ہو
کہ شوق سے شمعِ سحر کی طرح جانِ آستین میں رکھتا ہوں
یہ نہ گمان کر کہ (یہ) عارضی دنیا میری منزل ہوگئی ہے
تھوڑے آرام کے بعد کچھ اور آگے کا قصد رکھتا ہوں
جس کو سنا کہ ڈی ہوش (ہے) اسے سخت بے ہوش دیکھا
اپنے زمانے کے آگاہ لوگوں کے حال کی خبر رکھتا ہوں
آگر انصاف رکھتا ہے میرے ہاتھ پر (اے) دشمن بوسہ دے
کہ میں شعر و شاعری کے فن میں نہایت مہارت رکھتا ہوں
نہیں جانتا کہ میرے غم پر اے میر آساں کیوں خوش ہوتا ہے
مجھ میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں کہ میں کچھ ہنر رکھتا ہوں

۳۹۲

جب تک میر ہندوستان کے دلہروں سے معاملہ رہے گا
پہلو میں اتار کی طرح چاک چاک دل رکھتا رہوں گا
ایک بار مگر اس طرف سے فہار بلند ہو
نقشِ قدم کی طرح رہکوار پر آنکھیں (بچھائے) رکھتا ہوں
میرے شوق کی فراوانی وصل میں بھی وہی ہے
وہ میرے پہلو میں ہے اور میں انتھار کر رہا ہوں

در عشق طرف صحبت افتاد افتادم
 نے یار رحم داروں نے من قرار دارم
 دل پر سطر تہدام زآن کو جہیں غراشاں
 چائے پہ راہ دارم، دستے پہ کار دارم
 از کوفہ جوانی درد سراست با من
 زآن سے کہ مست بودم، اکٹوں غبار دارم

۳۹۳

دعویٰ شدہ مست قطع پہ سوئے تو آدمیم
 راضی پہ مرگ بودہ پہ روئے تو آدمیم
 ما را دماغ دیدن گل ہا نہ بودہ است
 در گلشن زمانہ ز بوئے تو آدمیم
 تسکین نہ یافتم پس از مرگ زیر خاک
 آخر غبار کشیدہ پہ کوئے تو آدمیم

۳۹۴

چند روز سے شد کہ میں جا باش و بودے می کنم
 در حقیقت میستم انا بودے می کنم
 بندگی کیستم تم زہار در بندہ جہت
 رو پہ ہر چاہ کہ می آرم، بچوے می کنم

۳۹۵

عہد کردم کہ اگر جاں روو آہے نہ کنم
 بعد از میں خواہی ہر چہم چاہے نہ کنم
 می دہ یاد ز تابندہ رخ او ہر شب
 من ہاں پہ کہ سوئے ما نکاہے نہ کنم

۳۹۶

چنان صبح داو فقاں می دہم
 کہ مرغ چمن را دہاں می دہم

اتفاق سے عشق میں طرف صحبت میں گم کیا ہوں
 نہ یار دم کھاتا ہے اور نہ مجھے قرار آتا ہے
 (میں نے) پیشانی نوچتے ہوئے دل کو اس کو سچے سے سفر پر آمادہ کیا ہے
 (میرا) پیر راستے میں ہے، ہاتھ کام میں (مصروف) ہے
 جوانی کے نئے سے میرے سر میں درد ہے
 وہ شراب جس سے (ک) مست تھا، اب (اس کا) خمیازہ کھینچ رہا ہوں

۳۹۳

جھگڑا ختم ہو گیا تیری طرف آ گئے
 اپنی موت پر راضی ہو کر تیرے سامنے آ گئے
 ہمیں گلوں کو دیکھنے کا دماغ نہیں رہ گیا ہے
 زمانے کے گلشن میں تیری خوشبو کے لیے آئے تھے
 ہم نے مرنے کے بعد ذریعہ خاک تمکین نہیں پاکی
 آخر غبار ہو کر تیرے کونے میں آ گئے

۳۹۴

کچھ دن ہوئے تھا کہ اس جگہ بود و باش کر رہا ہوں
 حقیقت میں نہیں ہوں لیکن ظاہر میں نظر آ رہا ہوں
 میں بندگی کی خور کھینے والا ہوں کبھی بھی سمت کی پابندی میں نہیں ہوں
 جس طرف بھی چہرہ لے آتا ہوں، سجدہ کرتا ہوں

۳۹۵

میں نے مہد کیا کہ اگر جان (بھی) چلی جائے آہ نہیں کروں گا
 اس کے بعد ہر چشم سیاہ کی خواہش نہیں کروں گا
 ہر شب (وہ) اس کے تابندہ چہرے کی یاد دلا دیتا ہے
 میرے لیے یہی بہتر ہے چاند کی طرف نگاہ نہ کروں

۳۹۶

صبح کو اس طرح داد و فغاں دیتا ہوں
 کہ مرغ چمن کو (تار) سکھاتا ہوں

چنانچہ ز جا رفتی او کہ میر
پہر جائے آں شوخ جاں می رہم

۳۹۷

میر بر صد گونہ جور آں جہا جو می سلم
نہم جانے دارم، اکٹوں غلم بر او می سلم
بر امید آں کہ شاید آید آں جہاں مسل
خانہ را از اٹک و مڑگاں آب و جارد می سلم

۳۹۸

یاد آں عہدے کہ من ہم میرانے داشتیم
کینہ درزے، ^{تھکینے} ہڈیاں داشتیم
ہم نفس از حال میر من پہ پری ہر نفس
درومندے، بے کسے، بے خانانے داشتیم

۳۹۹

برائے کریمے غوٹیں تگر تراشیدم
چو دلم تازہ کے چشم تر تراشیدم
ز تازہ کاری من در خزاں عجب مکشید
ز چوب خشک گل تر اگر تراشیدم

۴۰۰

کد پہ ابر دن از جام صبح گاہ خودام
دماغ من چو شود خست، بادشاہ خودام

۴۰۱

از دلی داغ کشید بے مزہ ام
زیں کہاب گذشتہ بے مزہ ام

۴۰۲

تا کے ز دست بادل صد چاک درآئیم
میسر کہ آزدہ از ایں شہر برآئیم

میں میرے اس کا یوں ایسا ہوش سے گزرا ہوا عاشق ہوں
کہ اس شوخ کے ہر عضو پر جان دیتا ہوں

۳۹۷

اس جفا جو کے سو گنا عظم پر میر کرتا ہوں
نعم جان رکھتا ہوں، اب اس پر عظم کرتا ہوں
اس امید پر کہ شاید وہ بچان توڑنے والا آئے
گھر کی آنسو اور پلکوں سے بھرا زپہ چھ کر رہا ہوں

۳۹۸

اس وقت کی یاد کہ میرا بھی ایک مہربان (دوست) تھا
ایک کینہ ور، غصہ ور بد زبان (دوست) تھا
ہم شمس ہر وقت میرے میر کا حال کیا ہی چیتے ہو
(وہ) ایک درو مند، بے کس، بے خالماں (دوست) تھا

۳۹۹

(میں نے) گر یہ غومیں کے لیے جگر تراشا ہے
تازہ دھم کی طرح ایک نم آلود آنکھ تراشی ہے
غزاں میں میرے نئے ہنر پر تھپ نہ کریں
اگر (میں نے) چوب خشک سے گل تراشا ہے

۴۰۰

میں اپنا صبح کے وقت کا جام چڑھا کر اور کولات مارتا ہوں
جب میں نشے میں مست ہوتا ہوں، خود آپ بادشاہ ہوتا ہوں

۴۰۱

داغ ہوئے دل سے بے مزہ ہوں
اس چلے ہوئے کہاں سے بے مزہ ہوں

۴۰۲

کب تک تیرے دروازے سے دل صد چاک لیے آؤں
یہ مت چاہ کہ (میں) اس شہر سے رنجیدہ چلا جاؤں

۳۰۳

من آن بود یامش آتش به جانم
کہ یک لحظہ بے شعلہ خویاں نہ مانم

۳۰۴

روزِی خود را بہ رنج از درد دعاں می خورم
تاں بہ خوں تری شود تا پارہاں می خورم

۳۰۵

چہ دل داری تو اں کروں علاجم
کہ من دیوانہ عاشق مزاجم

۳۰۶

من کہ در روئے تو می لایم و کاہش دارم
چشم لطف از تو بہ اندازہ خواہش دارم

۳۰۷

در فکر خویش آخر اے دلبر اوقنام
تا نگیہ بر تو کریم بر بہتر اوقنام

۳۰۸

در سے کدہ جہانم بسیار گرو کریم
ایں مرتبہ چوں رقم دستار گرو کریم

۳۰۹

در ایں درں کہ نیست جز صحت و ہم
تو اے مغز خردورہ اندک انہم

۳۱۰

پائے سرو چمن وطن کریم
فکر بر اصل خوشن کریم
شور و ہنگامہ اے حجب روداد
از لب یار تا سخن کریم

۳۰۳

میں وہ بھر پاپوش آتش پہ جاں ہوں
کہ ایک لفظ بھی شعلہ غمخیز کے بغیر نہیں رکھتا

۳۰۴

اپنا رزق دانتوں کے درو کی وجہ سے تکلیف سے کھاتا ہوں
جتنی دیر میں ایک ٹکڑا روٹی کھاتا ہوں روٹی خوں میں بھیگ جاتی ہے

۳۰۵

غم خواری سے میرا علاج کر سکتے ہیں
کہ میں عاشق مزاج دیوانہ ہوں

۳۰۶

میں کہ حیرے چہرے کو دیکھتا ہوں اور گھٹتا رہتا ہوں
خواہش کے مطابق تجھ سے لطف کی امید رکھتا ہوں

۳۰۷

اے دلبر میں آخر اپنی فکر میں پڑ گیا ہوں
جب سے تجھ پر نگلیے کیا ہے، ہسٹر پر پڑ گیا ہوں

۳۰۸

میں نے سہ کدے میں بہت جواکن رہا مگر رکے تھے
اس بار جب گیا دستار رہا مگر رکھ دی

۳۰۹

اس درس گاہ میں وہم کی بحث کے سوا کچھ نہیں ہے
تُو (بجی) اے کوڑھ مغز کچھ بھ

۳۱۰

جمن کے سرو کے تلے اپنا وطن بنا لیا ہے
(اور) اپنی حقیقت پر غور کیا ہے
ایک شور اور ہنگامہ (کی) جُجب کسیت (کے ذریعہ)
میں لب لباب کو سخن تک لایا

دل پہ او بستم آں چناں کہ چینی
عاشق آزار و دل شکن کرم
رفتہ رفتہ ز گرہِ خویش
ہمہ آں کوچہ را چن کرم
ہر دماں دیش نہی بایست
ظلم ہر خویش میر من کرم

۳۱۱

از فضاں بلبل سخن ہر لفظ آزار دلم
بر نہی تابد دماغ من کہ تبار دلم

۳۱۲

آخر از بکوتا زہد و تقوا یم
بادہ پالا شدہ مصلایم

۳۱۳

شور عشق دلیرے از دیر در سر داشتیم
”یا جنوں“ کہلیم و ایں بار گراں برداشتیم

۳۱۴

بجا و میر غم از دل پہ بارش ہیروں کن
در ایں گفت زبیں یک دو شعر موزوں کن
دلا پہ شہر چہ سودا یناد می گردی
ہرد پہ دشت و طواف مزہر بہتوں کن
دماغ رنجش بے جاے ہر زمانہ نیست
پہ دلم تلخ سرم سرفراز و ممنوں کن
پہ ملک عشق دل شاد را نہی پرستہ
حلاش خاطر عشقیں و جان محروں کن

اس سے اس طرح دل لگا یا کہ (اے) اتنا
عاشق آزار اور دل شکن بنا دیا
رفتہ رفتہ گریہ غمیں سے
(میں نے) اس کو بچے کو تمام جمن بنا دیا
ہر وقت اسے دیکھنا نہیں چاہیے ہے
میر میں نے اپنے پر لطم کیا ہے

۳۱۱

اے بلبل فغاں سے ہر لحظہ میرے دل کو آزار مت پہنچا
میرا دماغ برداشت نہیں کر سکتا کہ (میں) دل کا بیمار ہوں

۳۱۲

آخر میرے زہد و تقویٰ کی سعادت سے
میرا مصلیٰ پاؤں پالا ہو گیا

۳۱۳

(ہم) مدت سے سر میں ایک دلیر کے عشق کا جنوں رکھتے تھے
'یا جنوں' کہتے اور اس بار گراں کو اٹھاتے تھے

۳۱۴

آ اور اے میری باغ میں دل سے غم باہر نکال
اس ثقافت زمیں ایک دو شعر موزوں کر
اے دل کیوں شہر میں سوداچیوں کی طرح گھوم رہا ہے
دشت میں جا اور جنوں کے حزار کا طواف کر
مجھے ہر وقت رنجش ہے جا کا دماغ نہیں ہے
میرے سر کو زخمِ تلخ سے سرفراز فرما اور ممنوں کر
ملکِ عشق میں شاد دل کو نہیں پوچھتے
خاطرِ شکمیں اور جانِ محزوں حلاش کر

چہ ہر لباس کہ باقی، بلندست باش
گرت چہ خاک پوشیدہ، قصہ گردوں کن
اگر چہ حسن قبول است میل خاطر تو
دامخ سوز و نگر چاک ساز و دل خوں کن
چہ کج شہر چہ ہر لکھ می خروش میر
ہسان سیل بزن جوش و قصہ ہاموں کن

۳۱۵

شد عشق برق طاقت و تاب و توان من
رد شعلہ اے کہ درزودہ آتش بہ جان من
خامش از آن شدم کہ تلب سوزش دروں
ماندہ شمع سوخت سخن بر زبان من
اغلام ہم دگر بہ جہاں رسم کہند بود
چیچہ شدہ ست عشق ہمیں در زبان من
ہستار استخوان شکنی کردہ ام چہ دور
گردو اگر نکند حیر استخوان من
مرفانہ باغ از دل شب تا دم سحر
ذکور می کنند ہم داستان من
چوں شمع گرم رہ چو شوم خامش توین
گم می شوم چنان کہ نہ یابی نشان من
با موج بحر نور طرف شد بلال عید
ہر چند یک کنارہ رسیدش ز خوان من
من آن مقدس ام کہ از این رہ چو بگذرد
ہوسد قدسیاں بہ نیاز آستان من
آن صیغہ کہ تاب جہانے تو داشتہ
انکوں مہاش این ہمہ در استخوان من

جس لباس میں (بھی) رہا، بلند ہمت رہا
 اگر تجھے خاک (کا لباس بھی) پہنا دیں، آسمان کا ارادہ کر
 اگر تیری طبیعت کو حسن قبول کی خواہش ہے
 دماغ جلا، ہنجر چاک کر اور دل غلوں کر
 شہر کے کونے میں ہر لحظہ کیا نالہ کرتا ہے میر
 سیلاب کی طرح جوش مار اور بیاباں کا قصد کر

۳۱۵

عشق میری طاقت اور تاب و توان کے لیے برق (طاقت) ہوا
 ایک شعلہ ہلکا یا کہ میری جان میں آگ لگا دی
 اس وجہ سے خاموش ہو گیا کہ سوز وروں کی حرارت لے
 شمع کے مانند سخن کو میرے زہان پر جلا دیا تھا
 ایک دوسرے سے اخلاص دنیا میں پرانی رسم تھی
 میرے ہی زمانے میں عشق ایک عیب بن گیا ہے
 بہت استخوان شکنی کر چکا ہوں، کیا دور (ہے)
 اگر میرا استخوان حیر کا نشانہ بن جائے
 باغ کے پرندے آدمی رات سے لے کر صبح کے وقت تک
 مل کر میری داستان بیان کرتے ہیں
 شمع کی مانند خاموشی اختیار کر کے جب روانہ ہو جاؤں گا
 میں اس طرح گم ہو جاؤں گا کہ میرا نشان (بھی) نہیں پائے گا
 بحر نور کی موج کے ساتھ ہلال عید مقابل تھا
 حالانکہ بہت تھوڑا سا حصہ میرے غلوں سے اس تک پہنچا تھا
 میں اتنا مقدس ہوں کہ اس راہ سے گزرتے ہوئے
 فرشتے مجھ کے ساتھ میرے آستان کو چومتے ہیں
 میں وہ نہیں رہ گیا جو تیری جفا کی تاب رکھتا تھا
 اب میرے استخوان (کی فکر) میں اس قدر مت رہا

با این قد کشیده پلائے زمانہ ام
 امروز در جہاں نہ کشد کس کمان من
 ہر چند تن بہ خواری خود دادہ ام ولے
 سوگند می خورد عزیزاں بہ جان من
 پروائے کج پایا گروں نمی کنم
 ارفع بود بہ فقر از این سفلہ شان من
 آں قدر ناشناس پئے خاطر رقیب
 آخر کشید پردہ ز راز تہان من
 در عشق میر خوردہ فروشی گزیدہ ام
 لختہ دل است جملہ خارجہ دکان من

۳۱۶

یک رو بہ سر نیامد از لطف دلبر من
 دورام ز خاک پائش اے خاک بر سر من
 باید کہ پاس دل را چندے نگاہ داری
 نادیدہ روزگار است آغوش پردہ من
 تا رفت ای ز چشم، اے خوب تر ز یوسف
 بگرامن است آبی چوں نیل در بر من
 از بوستان بہت دارد دلم نرا من
 قد تو طوئی من، لعل تو کوثر من
 دیدم ز دستبردش بیدین و دل بے را
 جز بد نہ باعث با کس خوب ستم گر من
 آئینہ وار این جا تا چشم باز کروم
 خلقہ نجوم دارد ہر صبح بر در من
 آخر ز گریہ ناکی رسوائے خلق مستم
 شد میر کار خالق از دیدہ تر من

اس قہرِ فہیدہ کے ساتھ بلائے زمانہ ہوں
 آج (بھی) دنیا میں کوئی میرا ہم پہلے نہیں ہے
 ہر چند اپنی رسوائی کی (پہری) کوشش کر چکا ہوں، لیکن
 دوست (اب بھی) میری جان کی قسم کھاتے ہیں
 (میں) آسمان کی بد معاہدگی کی پروا نہیں کرتا
 فخر کی وجہ میری شان اس رذیل سے اونچی ہو گئی ہے
 اس قدر ناشائس نے رقیب کی طرفداری میں
 آخر میرے پیچھے ہوئے راز سے پردہ اٹھا دیا
 عشق میں میرے غمخوار و فرادش اختیار کی ہے
 میری دکان کی جملہ متاعِ لبتِ دل ہے

۳۱۶

ایک بار بھی میرا دلبر میرانی سے پیش نہیں آیا
 اس کے پیروں کی خاک سے دور ہوں، میرے سر پہ خاک ہو
 میرے دل کی حفاظت کی کچھ فکر کرنی چاہیے
 میرے آغوشِ پرور نے زمانے کو نہیں دیکھا ہے
 اے یوسف سے خوب تر جب سے تو میری آنکھوں سے دور ہوا ہے
 میرے جسم پر نیل کی طرح آبی حیرا من 'ا' ہے
 جنت کے باغ سے میرا دل فراغت رکھتا ہے
 حیرا قہ میرا طوطی (ہے) تیرے لب میرا کوثر (ہیں)
 اس کی ٹوٹ سے بہتوں کو بے دین اور دل (ہوتے ہوئے) دیکھا ہے
 میرے غمِ بصورتِ سنکڑے کسی کے ساتھ بھی بدی کے سوا کچھ نہیں کیا
 اس جگہ آئینے کی طرح جب سے میں نے آنکھیں کھولی ہیں
 لوگ (ہر) صبح میرے دروازے پر مجمع لگا دیتے ہیں
 آخر دوتے رہنے سے خلق میں رسوا ہو گیا
 میرے ویدہ تار نے کام لگا ڈیا

۳۱۷

تنگ شد حوصلہ آخر چہ قدر خون غمزدن
بہر ایں ہستی موبہوم و بہ حسرت مردن
خودکشی کن کہ تہ چلی کسے چشمن
تنگ عشق است ولا جاں بہ سلامت بردن
تگر ایں حسن مگر در پئے ایذا شدن است
اے جہاں، یمن نہ دارد دل کس آزدن
بے نیازی فقیراں و رعوت مشا
مصلحت نیست قرا بر سر تاز آردن
یک ریش میر بہر گیر و تیغدار بہ کام
چند خود را ز رو ذوق بہم افشردن

۳۱۸

شد گستا از خیالی دلہراں زندان من
پستھاں گشت آخر کلبہ ازان من
دل کہ از من می بری ہارے چنے شکس یکو
پنج می دانی روہ و رسم ولا را جان من
بس کہ کار گریہ ام اے میر ہالا رفت است
فرقہ دارد ابر ہم از دیدہ گریان من

۳۱۹

آتش بہ دل زند نفس آتھین من
سوراخ در جگر کند آو حزین من
من سخت شیشہ جان ام و آں غیرت پری
سرگرم کینہ تنگ بہ کف در کین من
شبہا بہ وقت گریہ چہ بر چشم تر کشم
چوں برق روئے ابر بود آتھین من

۳۱۷

حوصلہ تنگ ہو گیا آخر کتنا غم بیٹا
 اس مودوم ہستی اور حسرت کے ساتھ مرنے کے لیے
 خودکشی کر کہ کسی کی تیغ کے تلے بیٹھا ہے
 اے دل جان سلامت لے جانا عشق کی رسوائی ہے
 اس حسن کا شکر پہ مگر (یہ) آزار پہنچانے کی فکر میں ہے
 اے جواں، کسی کے دل کو رنجیدہ کرنے میں کوئی سعادت نہیں ہے
 فقیروں کی بے نیازی کو دعوت میں شامت کر
 تجھے برسر ناز لے آنے میں مصلحت نہیں ہے
 ایک بار اے میر آغوش میں کھینچ اور مراد (پوری کرنے) کے لیے بھیج
 کب تک خود کو عشق کی راہ میں بچھوانا

۳۱۸

دلبروں کے خیال سے میرا زنداں گلستاں بن گیا
 میرا کلپہ اخراں آخر یہ سفحان بن گیا
 تو مجھ سے دل لے جا رہا ہے، آخر تنکین کے لیے یہ تو ہوتا
 جان من و لقا کی راہ و رسم کا کچھ پتہ بھی ہے
 بلکہ میرے رونے کا کام اے میر بہت ترقی حاصل کر چکا ہے
 اب رہی میرے دیدہ گریاں کا مرید ہو گیا ہے

۳۱۹

میری آتشیں سانس دل میں آگ لگا دیتی ہے
 میری آہ حزیں جگر میں چھید کر دیتی ہے
 میں بہت شیشہ ہاں ہوں اور وہ غیرت پری
 ہاتھ میں تنک لیے میری تاک میں سرگرم کینہ ہے
 راتوں کو جب روتے ہوئے چشم تر پر دکھتا ہوں
 میری آستیں باہل میں بجلی کی طرح ہوتی ہے

در حضرت تو برده ام از بس کہ سجدہ ہا
 سائیدہ شد بیان میر تو جبین من
 ابرو ترش نمودہ بہ مرغم نشست و رفت
 یعنی کہ ہر نہ داشتہ دل را نہ کینا من
 خوارم نہ من کہ از نگہ کافر کسے
 از راہ رفت اند عزیزان دین من
 خوب است ضیلہ نالہ کنم یک دور روز میر
 آزرده خاطر است ز من ہم نظین من

۳۳۰

یا یا خلیج او گوارا کن
 یا بد ترک ایں حق کن
 ہم چو من گر سر جنوں داری
 اول اے صبح عقل پیدا کن
 آں کمر چچہ بود و بگرہم
 دستہ غیب مرا تماشا کن
 واجب است آب گیری شمشیر
 رحم بر جان غم سزا کن
 چنے طوطی حرم چہ ی گردی
 سخی کن میر و در دے جا کن

۳۳۱

نہ پنداری کہ آسان است با کینش طرف مشتق
 جگر می خواہد اے دل نادرک او را ہدف مشتق
 چو سیلابے کہ ی اقلد بہ رنگستاں گذار او
 بہ ہر گام در ایں رہ عشق ی آید کف مشتق
 گدایم میر لیکن دستہ خواہش زیر سر دارم
 نمی آید ز من در کوچہ ہا کشتی بہ کف مشتق

تیرے حضور اپنی بیٹھانی لایا ہوں جو کہ ماہو کی طرح
 سجدوں سے بہت زیادہ گھس چکی ہے
 میرے مرنے پر تیری چڑھائے آیا، بیٹھا اور چلا گیا
 یعنی کہ دل سے میرے کہنے کو نہیں مٹایا
 میں (ہی) کسی کی کافر نگاہ سے رسوا نہیں ہوا
 میرے ہم مذہب دوست بھی راستے سے ہٹک گئے ہیں
 میرے بھتر ہے کہ وہ ایک دن نالے کو روکے رہوں
 میرا ہم نشین مجھ سے آذر وہ خاطر ہے

۳۲۰

یا آ (اور) اس کی تلخی کو گوارا کر
 یا جا، یہ قنٹا چھوڑ دے
 اگر میری طرح جنوں کی خواہش رکھتا ہے
 پہلے اسے شیخ عقل پیدا کر
 وہ کمر (موجود) نہیں تھی اور (میں نے) پکڑ لی
 میرے دستِ غیب کو دیکھو
 تلواریں پر دھار رکھنا ضروری ہے؟
 میری غم کش جان پر دم کر
 طوفِ حرم کے لیے کیا گھوم رہا ہے
 میرے سہی کر اور کسی دل میں جگہ (پیدا) کر

۳۲۱

یہ گمان مت کر کہ اس کے کہنے کا سامنا کرنا آسان ہے
 اسے دل اس کے حیر کا نشانہ بننے کے لیے جگر چاہیے
 اس سیلاب کے طرح جس کا گزر دریاؤں سے ہو
 مجھے ہر کام پر اس راہ میں تلف ہونا پیش آتا ہے
 میرے گدا ہوں لیکن دستِ خواہش سر کے تلے رکھتا ہوں
 مجھے گلیوں میں کاسے گدا کی لیے پھرنا نہیں آتا

۳۲۲

نہ دارم بخش از این تاج جفا من
 حرم کن کہ آخر تا کہا من
 رو دشمن الہی بہت باشد
 بنور آں ہڈیاں خوب است با من
 سخن کوتاہ شد تا جاں سپردم
 قزاق کشتگو بودہ ست با من
 کشی ہر دم صغیرم از چنے سر
 تو بلبل نیستی یک روز با من
 منہ دل بر خراب آباو عالم
 خطرگاہ است این صحرا نہ ما من
 بساں گرد پاؤ از وحشت اے میر
 بیاہد بدشت بر چہدہ دامن

۳۲۳

خواہم چہ ابر ہے تو بہ صحرا گریستن
 دامن بہ رو کشیدن و دریا گریستن
 بر چشم ما کس نہ کشید آہیں ز لطف
 ما ایم و کلمہ غم و تنہا گریستن
 فرصت نیست است اگر یک نفس بود
 اے صبح نمنہ از تو و از ما گریستن
 یک جا مگر اتفاق شود گریہ خوشتر است
 داری تو ہم تاج سرے با گریستن
 دوش از چہ بود دیدہ نول بہت تو میر
 چوں دلم تازہ بہتہ سراپا گریستن

۳۲۲

میں اس سے زیادہ جفا کی تاب نہیں رکھتا
 رحم کھا کر آخر میں کہاں تک (بچوں گا)
 الٹی دشمن کی دلو بند ہو جائے
 ابھی تک وہ بد زبان میرے ساتھ خوب (نبھار رہا) ہے
 بات مختصر ہو گئی جب جان غار گردی
 ساری گفتگو میرے ہی ساتھ رہی ہے
 ہر وقت (تو) میرا نالہ سر کرنے کے لیے کھینچتی ہے
 (اے) بلبل ایک دن یا تو نہیں یا میں (نہیں)
 دنیا کے غراب آباو سے دل نہ لگا
 یہ صحرا خطرے کی جگہ ہے، امن کی جگہ نہیں (ہے)
 گرد باد کی طرح اے میرا دشت سے
 تجھے دامن سمیٹے ہوئے رہنا چاہیے

۳۲۳

میں تیرے دھڑ میں ابر کی طرح صحرا میں رونا چاہتا ہوں
 دامن منہ پر تانا اور دریا (دریا) رونا
 ہماری آنکھ پر کسی نے مہربانی سے آستین نہیں رکھی
 ہم ہیں اور غم کا حجرہ اور تنہا رونا
 فرصت غیبت ہے اگر ایک نفس ہو
 اے صبح تجھ سے خندہ اور ہم سے رونا
 اگر اتفاق ہو ایک ساتھ رونا اچھا ہے
 تو بھی اے بادل رونے کا خیال رکھتا ہے
 کل تیری نگوں بست آنکھیں میرے کس بات پر
 تازہ کپے ہوئے دھم کی طرح بہت زیادہ رویں تھیں

۳۲۳

ہر لحظہ نہاں سوئے تو باشد نظر من
 از عشق بلائے ست عجب زید سر من
 از فرط تپش دوش چہ گویم کہ چہ دہم
 حد مرچہ برگشت ز مزگاں جگر من
 در لکڑ سرافتم غلبہ خویش مسوزید
 عمرے ست کہ گم گشت عزیزاں خبر من
 من جاں بکنم خوب و جگر خوب خراش
 بر سنگ زدن تیشہ نہ باشد ہنر من
 چوں نقش قدم بہت کہ امروز نمودم
 فرداشت کہ اے میر نہ یابی اثر من

۳۲۵

رفتن ضرورت است ولا اضطراب کن
 فرصت کم است دور فلک را شاپ کن
 دارم بچہ بلا چہ سر عالم آدرے
 جوہ زمانہ در حتم خود حساب کن
 دارد فلک فرودہ دولت تا کجا چہ موم
 آہے بخش ز سوز و دل سنگ آب کن
 آرام و عشق میر کجا جمع ی شوند
 داری اگر خیال کسے ترک خواب کن

۳۲۶

محبت پیشہ ام دارم جگر غوں
 دل من ی چہ بسیار در غوں
 شد آں عہدے کہ مزگاں نم نمی شد
 کنونم ی چکہ از چشم تر غوں

۳۲۳

ہر لحظہ حیرتی طرف میری نظر چپ کر لگی رہتی ہے
 عشق سے میرے سر میں گہب ہلا ہے
 فرط پیش سے کل کیا کیوں کیا دیکھا
 سو بار مڑگان تک آ کر میرا جگر لوٹ گیا
 میری تلاش میں اپنا نفس مت جلائے
 مدت ہوئی دوستو کہ میری خبر کم ہو چکی ہے
 میں جان کو خوب اذیت دیتا ہوں اور جگر کو خوب نوچتا ہوں
 پتھر پر قیشہ مارنا میرا ہنر نہیں ہے
 نقش قدم کی طرح ہے اگر آج میں نظر آ رہا ہوں
 کل ہے کہاے میرے (تو) میرا نشان نہیں پاسے کا
 ۳۲۵

جانا ضروری ہے اے دل بے تابی دکھا
 دور فلک کو فرصت کم ہے جلدی کر
 ایک عالم کے سر پر ہلا لانے والا محبوب رکھتا ہوں
 زمانے کے ظلم کو (بھی) اپنے قسم میں شمار کرنے والا
 فلک تجھے کب تک موسم کی طرح افسردہ دل ارکھے
 سوز سے ایک آدھ بھینچ اور پتھر کا دل پانی کر دے
 آرام اور عشق میرے کہاں جمع ہوتے ہیں
 اگر کسی سے عشق کرتا ہے سونا چھوڑ دے
 ۳۲۶

محبت پیشہ ہوں خون کیا ہوا جگر رکھتا ہوں
 میرا دل غون میں بہت ترپتا ہے
 وہ وقت گزر گیا کہ میری پلکیں نم نہیں تھیں
 اب میری چشم تر سے خون نکلتا ہے

از آں روزے کہ بستی بر کمر تن
 بہ کویت مانده عالم تا کمر خوں
 بہ تن از گریہ ام رنگے نہ مانده ست
 کمر را بستہ ای با حق تو بر خوں
 بہ گل بنھستہ دشمن تا بہ گردن
 مرا بگذشتہ در بزمش ز سر خوں
 بیا مانع زخم تازه تا چند
 رود از دیدن من ہر سحر خوں
 دے صد بار چشم خوں ببارد
 بیاید از کجا میرِ ایں قد خوں

۳۴۷

کہ سگ زدن بر سر، گم پارہ جگر کردن
 چندی بہ سر کوشش ہر نوع بسر کردن
 می گریم و می نالم لیکن ہمہ تن یاسم
 کز اہک سرایت شد و ز نالہ اثر کردن
 دیدم ہمہ می آید ز آں چشم و لعلی آید
 بر حال وفاداران از لطف نظر کردن
 از مضطرب الحالی صد بار بہ لب آید
 التماس مگر جانم در فکر سفر کردن
 اے میرِ مشو قافل از وقتِ عزیز خود
 ایں بے خبری تا کہ شرط است خبر کردن

۳۴۸

از خلفِ وعدہِ نوباہ تا کہ حیا نہ کردن
 ہر روز وعدہ کردن یک نہ وفا نہ کردن
 زیں سیدِ پیشہ ترکان ایں طور یادگارے ست
 مرگِ امیر دیدن لیکن رہا نہ کردن

جس روز سے کہ تو نے کمر میں تیغ باندھی
 ظالم تیرے کوپے میں کمر تک خون کھڑا ہوا ہے
 میرے بدن میں روتے رہنے سے خون باقی نہیں رہا ہے
 تو نے ناحق خون پر کمر باندھی ہے
 دشمن گردن تک پھولوں میں بیٹھا ہے
 مجھ پر اس کی بزم میں سر سے خون گزر گیا
 آ کہ کب تک دھم تازہ کی طرح
 میری آنکھ سے ہر صبح خون بہتا رہے
 ایک دم میں سو بار تیری جہنم خون روتی ہے
 میرا اتنا خون کہاں سے آتا ہے

۳۲۷

کبھی سر پر پتھر مارنا کبھی چکر کے کھڑے کرنا
 کچھ دن اس کے کوپے میں ہر طرح بسر کرنا
 روتا ہوں اور نالہ کرتا ہوں لیکن بالکل ناامید ہوں
 اٹک سے کہ سرایت کرے اور نالہ سے کہ اثر کرے
 (میں نے) دیکھا کہ اس جہنم کو سب کچھ آتا ہے اور نہیں آتا (تو)
 وقاداروں کے حال پر مہربانی کے ساتھ نظر کرنا
 پریشانی سے سو مرتبہ ہونٹوں پر آتی ہے
 ضرور میری جان سفر کرنے کی فکر میں پڑی ہے
 میرا اپنے وقت عزیز سے غافل مت رہ
 یہ بے خبری کب تک، آگاہ کرنا شرط ہے

۳۲۸

(اے) خواباں وعدہ خلافی پر کہاں تک شرم نہ کرنا
 ہر روز وعدہ کرنا ایک بار (کبھی) وفادار کرنا
 ان شکاری ترکوں کا یہ طور یادگار ہے
 اسیر کا مرنا دیکھنا لیکن رہا نہ کرنا

عادت پذیر لطف اے شوخ دیگران اند
 ظلمے ست بے نہایت بر من جفا نہ کردن
 از غم کشائی او مانده امی رسم در زمانه
 کز فرط درد مردن هرگز روا نہ کردن
 چری رسید و آمد نزدیک وقت رفتن
 تا چند میر صاحب ترک ہوا نہ کردن

۳۲۹

نیامد یک تپش از ہل من
 کہ شد حیران حسن قاعل من
 دے استلوم امی جا و گد شتم
 کہ بود آں سوئے عالم منزل من
 دلم ی گوید آں ہر بلا ام
 کہ پیدا نیست ہر گز ساحل من
 در غم سوختی اے بہت ز سختی
 کہاب سنگ شد آخر دل من
 بیا بعد از نماز جمعہ بشنو
 خواص من ز ہر کمال من
 تو مستغنی و دل را اضطراب است
 خدا آساں نماید مشکل من
 ہ آں مقصود رہ بردن دلیل است
 کہ حق بودہ ست سنی باطل من
 ہ امی کھلی پنے خونم قیادہ ست
 چہ شیرین است اے ہدم گلہ من
 در امی فن گر چہ کم گو بودہ ام میر
 و لیکن حالے شد قاعل من

اے شمع تیری مہربانی کے عادی دوسرے ہیں
مجھ پر جھانڈ کرنا بے انتہا ظلم ہے
اس کے غم کشوں (کی وجہ) سے زمانے میں یہ رسم باقی ہے
کہ درد کے حد سے گزرنے سے مر جانا، ہرگز دوانہ کرنا
بڑھاپا آ پہنچا اور جانے کا وقت نزدیک آ گیا
کب تک میرے صاحب خواہش کو ترک نہ کرنا

۳۲۹

مجھے ہنس میں کوئی بھی تڑپ نہیں پیدا ہوئی
میرے قاتل کا حسن حیران ہو گیا
چند گھنٹی (میں) یہاں کھڑا تھا اور (پھر) چلا گیا
کہ اس دنیا کی طرف میری منزل تھی
میرا دل کہتا ہے کہ میں وہ بھر جلا ہوں
کہ میرا ساحل بالکل نظر نہیں آتا ہے
اے بت تو نے سنگ دلی سے میرا سینہ جلا دیا
میرا دل آخر کہاں تک آہو گیا
نماز جمعہ کے بعد آ اور سن
میرے بچے کا دل سے میرے خواص
تو بے پردہ اور دل کو اضطراب ہے
خدا میری مشکل کو آسان بنائے
اس مقصود کے ساتھ راہ طے کرنا دلیل ہے
کہ میری سعی باطل حق تھی
اس تپنی کے ساتھ میرے خون کے چھپے پڑا ہے
اے اہم میری خاک کتنی شیریں ہے
اس فن میں اگرچہ کم گورہا ہوں میرے
لیکن ایک عالم میرا قاتل ہو گیا

۳۳۰

سر رفت و گشت باعث راحت برائے من
 مردن بہ راو عشق تو آمد بہ پائے من
 مجنوں گذشت و بندہ نصیبم بہ جائے او
 تا بعدِ مردم کہ نصیب بہ جائے من
 در عیش گاہِ رحل اقامت نیلگد
 عادت پذیر بودن ماتم سرائے من
 کے گفتہ ام کہ ترک مرڈت کن ولے
 یک چند شرم دار ز روئے وفائے من
 ہا غیر بادہ خورد و مرا تلخ ہم نہ گفت
 بسیار آب ی برو ایں ماجرائے من
 خواہم کہ میر یار شود عاشق کسے
 تا ہم غمش نہ شود کس سوائے من

۳۳۱

از ہر کسے نباید صرف نیازِ عشق
 ایں جا چہ موسم باید یکسر گدازِ عشق
 ایں جمعِ رفتی ما در یاب و مفتسمِ داں
 چوں عمر کس نہ دارد اسیدِ بازِ عشق
 تقریبِ راحتِ دل بہر از ایں نہ دیدم
 ہر چند فتح دارد بے اختیارِ عشق
 جنھیں دے و بگر احوالِ جاں گدازاں
 مغرورِ حسن و خوبی تا کے بہ نازِ عشق
 آگنِ بساطِ عشرت چوں سبزہ میر تا کے
 در سایہ درختاں بے برگ و سادِ عشق

۳۳۰

سرا ڈگیا اور میرے لیے راحت کا باعث ہو گیا
 تیری راہ میں مرنا میرے کام آیا
 بھٹوں گزر گیا اور میں اس کی جگہ بیٹھا
 میرے مرنے کے بعد میری جگہ کون بیٹھے گا
 تیش گاہ میں ڈیرہ نہیں ڈالنا
 میری ماتم سرا میں رہنے کی عادت رکھنے والا
 میں نے کب کہا کہ مر ذات کو نہ چھوڑا مگر
 میری وفا کے سامنے کچھ (تو) شرم کر
 غیر کے ساتھ شراب پی اور مجھے برا (بھی) نہیں کہا
 میرے ساتھ (پہ) واقعہ بہت قوی انگیز ہے
 میرے چاہتا ہوں کہ یار کسی کا عاشق ہو جائے
 تاکہ اس کے غم کا میرے سوا کوئی بھرم نہ ہو

۳۳۱

ہر ایک کو صرف نیاز ہونا نہیں آتا
 اس جگہ موم کی طرح تمام تکمیل جانا پڑتا ہے
 ان گزرنے والوں کے مجمع کا کھوج لگا اور فیضیت جان
 کیوں کہ عمر کی طرح (ان میں سے) کسی کے پائے آنے کی امید نہیں
 میں نے دل کی راحت کی صورت اس سے بہتر نہیں دیکھی
 ہر چند کہ بے مقصد گھومنا قیامت رکھتا ہے
 کچھ دیر بیٹھ اور جان دینے والوں کا حال دیکھ
 (اے) حسن اور خوبی کا غرور کرنے والے کب تک تاز سے نکلت کر تار ہے گا
 بڑے کی طرح میرے بسا ادا عشرت بچھا، کب تک
 درختوں کے سائے میں ہے برگ و ساز اچھڑنا

۳۳۲

سرم بہاست اگر رفت در سر خوبان
علاقہ داشت دل من چہ صخرِ خوبان
ہمیشہ سرخ چہ غولِ شکار می باشد
خندگاہِ سیرِ جفا دلم پرورِ خوبان
از این حدیقہ کہ سرسبز تا قیامت باد
خوشم فادِ قیامت گلِ ترِ خوبان
چہ زلف و کاکل و خطِ می کشد دلم ہر دم
چہ خوش سوارِ فادہ مست کشورِ خوبان
چہا و میرِ سراپا جامِ عشق ہیں کاغذ
گلونے خویش بریدیم بر درِ خوبان

۳۳۳

رقم و خویش آخر از فرطِ دل سپیدن
دشوار می نماید آنکوں چہ خود رسیدن
اے کاش دل و چشم یک ہارگی بیخند
تا چند قطرہ قطرہ غول از مژہ چکیدن
من خود فقط نہ بردم با خویش ناامیدی
پاشید چشمِ خلق در آرزوئے دیدن
ہر چند از ای بیاباں بوئے فقیلہ آمد
در خاطرِ نیاید اندیشہ رسیدن
ایں گونہ دلبرے را دامن کہ می گذارد
اے گلِ فروش باید دستِ ترا بردن
از جوشِ احمقِ خونیں سطرے نوشتہ ام من
رنگیں حکایت است ایں، یک دم توں کشیدن
کس نیست بابِ صحت، دل ہا کہ انس گیرد
غوب است میرِ چندے در دا چہ رو کشیدن

۳۴۲

اگر میرا سرخوہاں کے خیال میں کٹ گیا، ٹھیک ہوا
 میرا دل خوہاں کے ٹخّر سے رہا رکھتا تھا
 ہمیشہ دیکھ کے خون سے سرخ رہتا ہے
 حسینوں کا ظلم سے بھرپور دھم کا پالنے والا حیر
 اس باغ میں کہ (جو) قیامت تک سرسبز رہے
 مجھ پر خوہاں کے گل تر نے ابھی قیامت برپا کی ہے
 زلف اور کاگل اور خط سے ہر دم میرا دل کھینچا ہے
 خوہاں کا ملک کیا خوش سوا ہے
 آ اور (اے) میرے عشق کا انہام دیکھ کہ آخر کار
 (ہم) اپنا گھا خوہاں کے در پر کاٹ رہے ہیں

۳۴۳

میں دل کے تڑپنے کی زیادتی سے آخر خود سے گزر گیا
 اب خود تک پہنچنا دشوار نظر آ رہا ہے
 اے کاش دل آنکھوں سے یک بارگی گر جاتا
 کب تک قطرہ قطرہ پنکھوں سے ٹپکتے رہتا
 میں نے خود اکیلے نامیدی اپنے ساتھ لے کر نہیں گیا
 خلق نے (بھی) دیکھنے کی آرزو میں آنکھیں بند کر لیں
 ہر چند اس بیاباں سے خطرے کی بو آئی
 (مگر) میرے دل میں بھاگنے کا خیال نہیں آیا
 اس طرح کے دلیر کا دامن کون چھوڑتا ہے
 اے کافر دشمن میرا ہاتھ قطع کر دینا چاہیے
 میں نے اٹکب خویش کے جوش سے ایک سطر کھینچی ہے
 یہ رنگیں حکایت ہے، کسی وقت سننا چاہیے
 کوئی صحبت کے قابل نہیں ہے دل کس سے انس رکھے
 میرے کچھ دل ڈرے پر دروازے کو بند رکھنا اچھا ہے

۳۳۴

دوغزل

بر باد شد چه راه تو مشت غبار من
 یک ره نیامدی ز وفا بر هزار من
 رسوائے عشق آخر کارم قرار داد
 بر هر سخن گریستن زار زار من
 با سرکشی چه نقش قدم نیست نسیم
 افتادگی ست شیوہ اہل دیار من
 گامے ہزار انگ کہ ابرم ز دیدہ ریخت
 دشوار شد ز داری مجنوں گذار من
 کشتی سگر روانہ شود در شط شراب
 غم خانہ خود نہ گشت حریف خمار من
 طفل است و روزگار محنت نہ دیدہ است
 مهر و وفا مدار توقع ز یار من
 آوازہ ام گرفت چو حقا تمام شہر
 شد گوشہ گیر یکم سبب اشجار من
 یارے کہ پامال غم بھر او شدم
 از دست رفت کار نیامد بہ کار من
 کنگونی سرکش و دل داغ داغ میر
 رنگ بہار ریخت بہ جیب و کنار من
 خرام کہ فکر یک دو سه بیت دگر کنم
 تا ماند این غزل بہ جہاں یادگار من
 مطلع دوم

عزت تمام رفت و نماند اعتبار من
 در کوسے تو ز آمدن ہار ہار من

۳۳۳

دو غزل

میری مشتِ غبار تیری راہ میں برہاد ہو گئی
 تو ایک بار بھی وفا (کے خیال) سے میرے حزار پر نہ آیا
 آخر کار (مجھے) رسوائے عشق قرار دے دیا
 میرے ہر بات پر زار زار رونے نے
 سرکشی سے نقشِ قدم کی طرح مجھے (بھی) نسبت نہیں ہے
 میرے دیار کے لوگوں کا شیوہ اکسار ہے
 ہر گام پر ابر کی طرح میرے ہزار آنسو آنکھوں سے بہے
 وادی بھٹوں سے میرا گزرتا دشوار (ہو گیا) تھا
 کشتی شاید شراب کے دریا میں روانہ ہو گئی
 خم خانہ خود میرے غبار کا حریف نہیں ہوا
 (وہ) غفل ہے اور (اس نے) روزگار محبت کو نہیں دیکھا ہے
 مہر و وفا کی توقع میرے یار سے مت رکھ
 میری شہرت نے عفا کی طرح تمام شہر کو گرفت میں لے لیا
 گوشہ گیری میری شہرت کا سبب بن گئی
 ایک دوست کہ جس کے ہجر کے خم سے پاہل تھا
 کام ہاتھ سے نکل گیا (اور) میری مراد پوری کرنے نہیں آیا
 آنسوؤں کی ٹھکونی اور داغ داغ دل میرے
 میری جیب و کنار پر بہار کا رنگ بکھرا گئے
 چاہتا ہوں کہ ایک دو اور شعروں کی لکڑی کروں
 تاکہ یہ غزل دنیا میں میری یادگار رہ جائے
 مطلع دوم
 تمام عزت چلی گئی اور میرا اعتبار نہیں رہا
 تیرے کوچے میں میرے بار بار آنے سے

با آں کہ شش بہت ز تو لبریز گشتہ بود
مردم در انتظار و نہ عشقی و چارہ من
قامت ز داغ ہر بن سو گشت کلیم
حیف از غرور حسن نہ عشقی بہار من
در صحبت نکست بہ تاراج غمزہ داد
ایمان و دین و ہوش و حواس و قرار من
از داغ تا بہ داغ بود فرق اسے نسیم
جہا بہ لالہ ایں جگر داغ دار من
یارب کہا ز بے خودی عشق رفتہ ام
چشم سفید شد بہ رہ انتظار من
سد حیف در محبت آں ترک شوخ چشم
شد با ہزار رنج بسر روزگار من
پہاں ز ناکسی اگرش از نظر حرم
گوید کہ حقت رفت درینا شکار من
ایں حرف گفتنی ست بہ دیوار و در کہ میر
رفتہ ست کار چشم تر از قطار من

۳۳۵

ہر شب نشینم از غم او تا کمر بہ خوں
دست و دہان خویش کشم ہر سحر بہ خوں
مسکین کبوترے کہ بر او بود نامہام
آغشتہ یافتہ از او بال و پر بہ خوں
چنداں لقب کشید و مہ مسلم کہ یار
ہر گز کمر نہ بست کسے را دگر بہ خوں

۳۳۶

دل نگر مروی ز جور آسمان داوے کین
دست زن در دامن صحرا و قریاے کین

اس کے باوجود کہ شش بہت تھوڑے لمبر پر تھی
میں خیرے انتکار میں سر گیا اور تھوڑے ڈچا رہ نہیں ہوا
ہر بن سو کے داغ سے میری قامت ٹکٹن ' بن گئی تھی
حیف کہ تو نے غور حسن سے میری بہار کی سیر نہیں کی
پہلی ہی ملاقات میں غم سے لٹ لپے
میرے ایماں اور دس اور ہوش اور حواس اور قرار
اے نسیم ایک داغ سے دوسرے داغ میں فرق ہوتا ہے
لالہ کو یہ میرا داغ دار جگر دکھا

یارب عشق کی بے خودی میں کہاں چلا گیا ہوں
میری آنکھیں میرے انتکار کی راہ میں بے نور ہو گئیں ہیں
صد حیف اس شوخ چشم ترک کی محبت میں
میرے دن ہزاروں رنج کے ساتھ بسر ہوئے
اگر بے کسی کی وجہ اس کی نظر میں نہ آؤں
کہتا ہے افسوس میرا انتکار مفت چلا گیا
یہ بات دیا رو دور سے کہتا ہے کہ میرے
چشم ترک کا کام میرے اختیار سے نکل گیا ہے
۳۳۵

ہر شب اس کے غم میں تاسر خون میں بیٹھا ہوں
ہر صبح اپنے دست و دامن خون میں کھینچتا ہوں
بے چارہ کیونکہ جس کے پاس میرا خط تھا
اس کے بال و پر خون میں غلطیدہ پائے گئے
مجھے داغ کرتے وقت اتنی حکان اٹھائی کے یار نے
پھر کسی دوسرے کے خون پر کمر نہیں ہاندھی
۳۳۶

اے دل شاید تو آہں کے ظلم سے مرچکا ہے، فریاد کر
دامن صبرا کو تھام اور فریاد کر

خاکم از کوئے کسے بسیار دور افتاده است
 اندک اندک اے صبا ہر روز اداوے کن
 می برد از بزم عیش طالع برگشتہ ام
 جرد اے بر خاک اگر ریزی ز من یاوے کن

۳۳۷

بر ہر کہ چند گریم ز عذاب درد ونداں
 نہ خورم بہ بزم چیزے، نہ شوم ز شرم ننداں
 دل آئینہ مثالم شدہ دیدنی و لیکن
 نہ شد آں کہ رو دینش دم چند خود پنداں

۳۳۸

تا سوز عشق روئے خود آورد سوئے من
 چوں شمع الگ متصل آید بہ روئے من
 گم شد مرا چو جان عزیز آہ یوسے
 سودے نہ داد در رو او جتھوئے من

۳۳۹

غیر ہر چند دہ یار فراموشی من
 خواہد آمد بہ سخن یار ز خاموشی من
 عید تقریب خوشے بود و لیکن صد حیف
 ماند بر عید دگر از تو ہم آغوشی من

۳۴۰

مگر ز تیر عشق جاں قربان او خواہد شدن
 استخوانم کرسی چکان او خواہد شدن

۳۴۱

بہ رہش گذار می کن ولے اے صبا نہ چنداں
 کہ رود بہ باد یکسر کلبہ خاک و درمنداں

میری خاک کسی کے کوچے سے بہت دور پڑی ہے
 قسوی قسوی اے صبا ہر روز ہر
 میری بزمِ بیش سے میری ہوئی قسمت مجھے لیے جاتی ہے
 اگر خاک پر شراب کا جڑ گرائے (تو) مجھے یاد کر

۳۳۷

دانتوں کے درد کے عذاب سے ہر کسی کے پہلو میں کہاں تک روکوں
 نہ بزم میں کوئی چیز کھاتا ہوں، نہ شرم سے ہنس سکتا ہوں
 میرا آئینہ مثالِ دل دیکھنے کے لائق تھا لیکن
 یہ نہ ہوا کہ خود پسند گھڑی بھر کے لیے اسے اپنا چہرہ دکھاتے

۳۳۸

تاکہ سوئے عشق اپنا رخ میری طرف کرے
 طبع کی طرح آنسو بغیر کے میرے چہرے پر بہہ رہے ہیں
 جان عزیز کی طرح کا میرا ایک یوسف آہ کم ہو گیا ہے
 اس کی راہ میں میری جستجو سے کچھ حاصل نہیں ہوا

۳۳۹

اگرچہ غیر (اسے) مجھے فراموش کرنا یاد دلانا رہتا ہے
 یاد میرے چپ رہنے سے بولنے پر آمادہ ہو جائے گا
 عیدِ اچھی تقریب تھی لیکن صد حیف
 تجھ سے میری ہم آغوشی دوسری عید پر چلی گئی

۳۴۰

اگر عشق کے تیرے جان اس پر قربان ہو جائے
 میرا اتھو اس کے پیکان کی کرسی 'ہو جائے گا

۳۴۱

اس کی رہ سے اے سب گزر کر لیکن اتنا نہیں
 کہ ہوا کے ساتھ درد مندوں کی کعبِ خاک تمام اڑی جاتی ہے

۳۴۲

چہاں قصد رفتن کنم از در او
 خم پائے ایں سوہ رود اشک آں سوہ
 بہ دل داشتہ چہاں کماں زہ نماید
 جگر را ہدف سازم انا جگر کو
 تو چہاں غسل خط برآوردی و من
 تجاوز نہ کردم ز چہاں سر سوہ
 بہ قدغن نماید قطع رہائش
 کند ہر کہ مذکور جنت در آں کو
 بلائے سیاہست اے میر ہر یک
 چہ رلف و چہ کاکل چہ چشم و چہ ابرو

۳۴۳

کے بے اشارت نگہ شوخ و شگب تو
 شمشیر می کند مرء پیش جنگ تو
 اے عشق ناخوش از تو فقط کوہکن نہ رفت
 پائے چو او ہزار کس آمد بہ سنگ تو
 دست ستم بہ خونے کہ بردی فرو در
 رنگیں بہ رنگ پنچہ گل گشت چنگ تو
 ایمائے ابروئے تو بہ ہر جاے کار کرد
 گاہے نہ دیدہ ام در کمانہ خدنگ تو
 شمشاد الف بہ پیش قدرت می کند بہ خاک
 گل می شود عرق عرق از شرم رنگ تو
 طفل ای کہ از حلاوت علفت خبر نہ ای
 شہد است در مذاق عزیزاں شریک تو

۳۴۲

جب اس کے در سے جانے کا قصد کرتا ہوں
ادھر پاؤں رکھتا ہوں، ادھر آسٹوٹلنا شروع ہو جاتے ہیں
دل میں تھا کہ جب کمان کا چلہ نظر آئے
تھر کو چلف بناؤں مگر جگر کہاں
اے بیان تو ڈرنے والے تیرے خطا نکل آئے اور میں نے
بیان سے سر موٹھا دڑ نہیں کیا
عکم جاری کیا گیا ہے کہ اس کی زبان کاٹی جائے
جو بھی اس کو پے میں جھٹکا ذکر کرتا ہے
اے میر ہر ایک بلائے سیاہ ہے
کیا دلف، کیا کاکل، کیا چشم، کیا ابرو

۳۴۳

کب تیری شورش و خشک لکاو کے اشارے کے بغیر
تیری عیش جنگ اسڑ، شمشیر کھینچتی ہے
اے عشق تجھ سے فقط کو کمن (ہی) ناراض نہیں گیا
اس جیسے ہزاروں کا در تیرے ہنجر کے نیچے آیا ہے
دست ستم پھر کس کے خوں میں ڈوبا ہے
ہانچہ گل کی طرح تیرا ہاتھ رنگین ہو گیا ہے
تیرے ابروؤں کے اشارے نے ہر جگہ کام کیا
کبھی میں نے تیرے تیر کو اپنٹے ہوئے نہیں دیکھا
شمشاد تیری قامت کے سامنے خاک پر الف کھینچتا ہے
گل تیرے رنگ سے فجل ہو کر عرق عرق ہو جاتا ہے
تو لڑکا ہے تجھے اپنی تلخی کی عداوت کی خبر نہیں ہے
دوستوں کے لیے ڈانکے میں تیرا کڑوا پھل شہد (کی طرح) ہے

تا کے سخن و سبز خطِ ہماں کنی
شعر است میرِ ایں کہ خیالات بنگ تو

۳۳۳

پہ آنے دل و صدہا ی بری تو
ہلا ای، فتنہ ای، جادوگری تو
پہ خوابان گشتانت چہ نسبت
و گل صد بچہ من نازک تری تو
پہ ہر کام ایں بیاباں گریہ ی خواست
گذشتی ہم چہ صرصر سرری تو
پہ ایں خوش صورتی آدم نہ دیم
گرد بروی یہ خوبی از پری تو
بود لافش دردغ پیروئے
و نہ صد شہر نورانی تری تو
و چشم رفت خوں سیلاب سیلاب
چہ دور از خون من گر بگذری تو
خیال کعبہ و دیرت ہماں است
ولا از ملتے ہر دری تو
اگر برہم شود سودا جب نیست
متاع من دل است و مشتری تو
جواب ایں جفا و جور و بیداد
چہ خواہی گفت رونو داوری تو
کمانت میرِ خواہم کشیدن
پہ ایں قم و دوتا زور آوری تو

کب تک مجھوں کے سزا خط کی بات کرے گا
میرے شعر ہے یا تیرے عیالات بنگ (ہیں)

۳۳۳

ہر آن تو سینکڑوں کا دل چاہتا ہے
تو بلا ہے، فتنہ ہے، جہاد گر ہے
گلستان کے خوابوں سے تجھ کو کیا نسبت
تو گل سے صد جہنم نازک تر ہے
اس بیاباں میں ہر قدم پر گریہ (کرتا) چاہیے
تو صحر کی طرح سرسری گزر گیا
میں نے اس خوب صورتی کو آدی میں نہیں دیکھا
حسن سے تو نے پی کو گروی رکھ لیا
چاند کا دعویٰ ہے فروغ " بھوٹ تھا
تو اس سے صد شیر زیادہ متور ہے
میری آنکھ سے غول سیلاب سیلاب نکلا
کیا دور ہے اگر تو میرے خون کو معاف کر دے
تیرا دیر و کعب کا خیال ویسا ہی (پریشان) ہے
اے دل مدت سے تو جرد پر ہے
اگر سودا بگڑ جائے تو توجب نہیں ہے
میری متاع دل ہے اور خریدار تو ہے
اس جفا اور جور اور بیداد کے جواب میں
قیامت کے دن تو کیا کہے گا
میر میں تیرا مقابلہ نہیں کر سکتا
اس دور ہرے قند کے ساتھ تو زور آور ہے

۱. ہاٹ پناک عیالات، جیسے بنگ کے نقشے میں پیدا ہوتے ہیں۔

۲. بے روشی۔

۳۳۵

ہرگز ز من نیامد ترک ہوائے او
 آخر شدم بہ خاک برابر برائے او
 قائل مشو ز کافلہ عمر رفتی
 کم می رسد بہ گوش صدائے درائے او
 دروےست درد عشق کہ جز مرگ در جہاں
 ہرگز نہ یافتہ مناسب دوائے او
 چوں مو ضعیف کشتہ ام افشائے راز کرد
 بر سر نکست کاسہ مرا از جھائے او
 ہر مظهرے کہ می گرم عین ظاہر است
 ہرگز نیامد بہ نظر ماسوائے او
 رو می رود چہاں کہ بہ ہر گام می شود
 بیدار خونِ غلط ز آوازِ پائے او
 کسے چشِ معصیان جہاں می شود دراز
 بالینِ زہر سر شدہ دست گدائے او
 داغِ ام ز اشتیاق پریشان جلوہ اش
 نبود ولے کہ نیست در او گرم جائے او
 دیدم کہ رفت رفت بہ بستر قنار و مرد
 میرِ آں کہ تکیہ کرد بہ عہد وفائے او

۳۳۶

وہ داد و داشت تو تخییر تو
 کہ برداشت رنگ از دلش تیر تو
 من اسے گریہ چشم از تو ی واشتم
 نہ دیدم ولے تھکا تا شیر تو

۳۴۵

ہرگز مجھے اس کی آرزو کو ترک کرنا نہیں آیا
 آخر کار اس کے لیے میں خاک کے برابر ہو گیا
 گزرتی ہوئی عمر کے قافلے سے غافل مست رہ
 کانوں تک اس کی جرس کی صدا کم (ہی) پہنچتی ہے
 درد عشق وہ درد ہے کہ موت کے سوا دنیا میں
 ہرگز اس کی مناسب دوا نہیں پاتے
 میرے بال کی طرح کزور ہو جانے نے اٹھائے راز کر دیا
 اس کی جھانے مجھے رسوا کر دیا
 ہر مظہر کہ میں دیکھتا ہوں، جین کاہر ہے
 میری نظر میں اس کے سوا ہرگز کوئی اور نہیں آیا
 اس طرح راستہ چلتا ہے کہ ہر قدم پر
 خونِ غصہ اس کی آواز پا سے بیدار ہوتا چاتا ہے
 کب دنیا کے معصوموں کے سامنے پھیل سکتا ہے
 اس کے گدا کا سر کے پیچھے بالیں بنا ہوا ہاتھ
 اس کے جلوے کے ہر ایک کے سامنے آنے سے رنجیدہ ہوں
 کوئی دل نہیں ہو گا کہ جس میں وہ جاگزیں نہیں ہے
 میں نے دیکھا کہ رفتہ رفتہ بستر پر پڑا اور مر گیا
 میر جس نے کہ اس کے عہد وفا پر نگلیے کیا

۳۴۶

تیرا شکار حیرے نشانے کی داد دیتا ہے
 کہ اس کے دل سے خون تیرے حیر نے اڑا دیا
 میں اے گریہ تجھ سے امید رکھتا تھا
 مگر حیرنی کوئی تا حیر نہیں دیکھی

چہ صد رنگ گل جلو گر شد وے
 مرا در نظر بود تصویر تو
 من از طور خود گشتہ گردیدہ ام
 چہ خوں ریز من نیست تصویر تو
 کدایش جراحات جراحات نہ شد
 مگر زہر بود آب ششیر تو
 چہ حدے غراب ای تو اے شہر دل
 کہ مقتدر من نیست تصویر تو
 چہ خوف ام ز شور مزاج تو میر
 مہادا شود پارہ زنجیر تو

۳۳۷

ہر گز نمی شود کہ نیایم بہ سوئے تو
 یا چشم من ز شوق میخند بہ روئے تو
 از کار رفتن دل من نیست بے سبب
 می آیدم ز ہر گل این باغ بوئے تو
 طوقم نہ داد دست و ز حرے ست در برم
 از خاک راہ جامہ احرام کوئے تو
 گر در بغل بہ کام من آئی چہ می شود
 دارم وے کہ خوں شدہ در آرزوئے تو
 پیدا نہ گشت ہر کہ قدم در رہت گذاشت
 تنہا نہ میر گم شدہ در جستجوئے تو

۳۳۸

تاج جنوں زیادہ شد آخر ز پند تو
 نقیہ نہ کرد داروئے ناسودمند تو

گل سورتنگ سے جلوہ گر ہوا، لیکن
میری نظر میں تیری تصویر تھی
میں اپنے طور کی وجہ سے مارا گیا ہوں
میرے خون میں تیرا تصویر نہیں ہے
کون تھا جو زخم زخم نہیں تھا
شاید تیری شمشیر کی آب زہر تھی
اے شہر دل تو اس حد تک اجڑ گیا ہے
کہ مجھے تیری تصویر کا مقدر نہیں رہا
حیرے مزاج کے شور اے میرے مجھے خوف ہے
کہ کہیں تیری زنجیر نکلوے نکلوے نہ ہو جائے

۳۴۷

ہرگز بھی ایسا نہیں ہوا کہ میری طرف نہ آؤں
یا میری آنکھ محبت کے ساتھ تیرے پیرے پر نہیں پڑے
میرے دل کا بے غور ہو جانا بے سبب نہیں ہے
مجھے اس بارش کے ہر گل سے تیری بو آ رہی ہے
خواف کا موقع نہیں ملا اور مدت سے میرے جسم پر ہے
تیرے کوچے کی خاک راہ کا جامہ حرام
(اب) اگر آغوش میں میری مراد پر آیا تو کیا
وہ دل رکھتا ہوں جو تیری آرزو میں خون ہو چکا ہے
جس نے بھی تیری راہ میں قدم رکھا (پھر) نظر نہیں آیا
تھا میری تیری جستجو میں گم نہیں ہوا ہے

۳۴۸

نامح آفر تیری نصیحتوں سے جنوں بڑھ گیا
تیری ناموافق دوا سے فائدہ نہیں ہوا

در کشت و خون اہل نظر اے زباں دراز
 کوتاہی اے نہ کرد نگاہ کھنجر تو
 خوش فاشے چہ یار بہ پر نگہ می کشی
 اے جامد رنک ہاست بہ بخت بانہ تو
 دہنار از نزول ملائک رضا عظیم
 بر خاک من بس است گزار سنبہ تو
 دل جمع کردہ ام ز رہائی غریشتن
 کافرادہ ام بساں گرہ در کشید تو
 دشوار مرہم اگر آساں شمرہ ای
 افسوس از طبیعت مشکل پسند تو
 شاید کہ میر محتسب بے حد کشیدہ ای
 نحوں می تراود از سخن درویش تو

۳۴۹

اے صبر برق جلوہ دل من فدائے تو
 گرم از برم گذشتی و گرم است جانے تو
 یک رہ نقاب بر لکن اے مایہ حیات
 در فکر مرون است جہانے برائے تو
 آنکوں ہاں سرام کہ بھیرم بہ ذوق اگر
 دہم دید گذشتن سر بہ پائے تو
 دہنار من بہ باغ نمی بستم آہیاں
 معلوم کردے اگر اے گل وفائے تو
 ہر کس کہ دید طور تو ہا من بہ طرز گفت
 گر میر آشنائے تو اسی است، دائے تو

اٹلی نظر کے کشت و خوں میں اسے زباں دراز
 حیرتی قاتل نگاہ نے کوئی کوجاہی نہیں کی
 یار کی طرح خوش قامت کو آغوش میں تھک کھینچتا ہے
 اسے پھر اہن حیرے بلند بخت پر رشتک ہے
 کبھی بھی فرشتوں کے اترنے سے خوش نہیں ہوں
 میری خاک پر حیرے سندا کا گزرتا کافی ہے
 میں اپنی رہائی سے (ماپس ہو کر) بے فکر ہو چکا ہوں
 کہ گرو کی طرح حیرتی کند میں پھنسا ہوں
 اگر میرے دشوار مرنے کو تو نے آسان شمار کیا ہے
 حیرتی مشکل پسند طبیعت پر افسوس ہے
 شاید کہ میرے تونے بے حد تکلیف اٹھائی ہے
 حیرتی ٹنگین باتوں سے خون لپک رہا ہے

۳۳۹

اسے برق جلوہ عمر میرا دل تجھ پر فدا
 (تو) میری آغوش سے جھڑی سے چلی گئی اور حیرتی جبکہ گرم ہے
 ایک بار نقاب الٹ دے اسے سراپے حیات
 دنیا حیرے لیے مرنے کی فکر میں ہے
 اب اس ہوس میں ہوں کہ اگر عشق میں جان دوں
 مجھے حیرے قدموں پر سرفار کرنا نصیب ہو
 میں کبھی باغ میں آسپاں نہ باغ حیات
 اگر اسے گل مجھے حیرتی وفا معلوم ہوتی
 جس نے بھی حیرا طور دیکھا مجھ سے طنز سے کہا
 میرے حیرا آٹنا اگر یہ ہے (تو) داغے تو

۳۵۰

خوش است آن گوهر و خوش آبی او
 دله خون شد دل از نایابی او
 تر آمد مدد چه از برق برآمد
 شای گداز چهره سبزه ای او
 به دل می چسبم بسیار اسال
 قطائے دشت و خوش سیلابی او
 غم بے انتهای دیشب من
 شد آخر باعث بے خوابی او
 چه گویم آه از دریائے آبی
 که آتش زد به دل کم آبی او
 جگر خون کرد لعل بے بها را
 ز خوش رنگی لب عجبائی او
 مهرش از جان صاحب مرده من
 چه با می کنم از بے تابی او
 فریب است افکائے شیخ در باب
 چه حقاچه محرابی او
 نه دارد میر غیر از آفتاب
 همه داغ ام ز بے اسالی او

۳۵۱

سے در عرق افتاده است از نرگس شهلای تو
 گل برگ سرخ و زرد شد از خوبی لب هائے تو
 اے گرد سرگردم ترا بسیار می چسبی به دل
 صد داغ دارد سیدم از خوبی هرچائے تو
 تا قید ناز افراستی هرگز نماند آفت
 دارد نگر در دل بلا اندیش از بالائے تو

۳۵۰

وہ گھبرا چھا ہے اور اس کی چٹک (بھی)
 لیکن دل خون ہو گیا اس کے نہ ملنے سے
 چاند شرمندہ ہو گیا جب برقع سے باہر نکلا
 رات کو اس کا مہتابی چہرہ
 اس سال میرے دل سے بہت لپٹ رہی ہے
 دشت کی فضا اور اس کی خوش سیلائی
 میری کل رات کا بے انتہا غم
 آخر اس کی بے خوابی کا باعث ہو گیا
 دریا ئے ہستی کا کیا کہیں
 کہ دل میں اس کی کم آبی نے آگ لگا دی
 لعل بے بہا کا جگر ٹون کر دیا
 اس کے مہتابی ہونٹوں نے (اپنی) خوش رنگی سے
 میری (اس) جان کے بارے میں جس کا مالک مرچکا ہے، مت پوچھو
 میں اس کی بے تابی (کی وجہ) سے کیا کیا دیکھتا ہوں
 شیخ کے اٹھا کا فریب پیچان لے
 اس کے محرابی حجاد کے نیچے
 میرا یک آفتاب کے سوا کچھ نہیں رکھتا
 اس کی بے سرو سامانی سے تمام داغ ہوں

۳۵۱

حیرتی فرس شہلا سے شراب پانی پانی ہو گئی
 تیرے لبوں کی خوبصورتی کے آگے پھول کی پنکھڑی شرمندہ ہو گئی
 تیرے سر کے پھیرے لیتا ہوں (تو) دل میں بہت زیادہ غم ہوتا ہے
 تیرے (سراپا میں) ہر جگہ کی خوبی سے میرا سینہ سوداغ رکھتا ہے
 جب تک تو قیدِ ناد کے ساتھ نہیں کھڑا ہوتا، ہرگز کوئی آفت نہیں آتی
 مگر حیرتی قامت کا خیال دل کے لیے بلا ہو جاتا ہے

افقار و خلق بر دست غوغا اگر سر می کشد
 یک روز خوں خواهد شدن بر خاک زیر پائے تو
 یک چند ترک عشق کن بسیار تا آخر گشتہ ای
 اے میر نصیحت ہم نہ ماند از جسم غم فرمائے تو

۳۵۲

در دے صد بار خوں گر چند بیمارانی تو
 قابل سیرامد عالم زور و خسارانی تو
 با الم دست و بفل رقص آخر زیر خاک
 چه نہ شد ظلم شک بند دل افکارانی تو
 من نمی گفتیم که با ایں بے جہاں صحبت مدار
 عاقبت سے خود رشت ظاہر شد از یاران تو
 چشم را کشتوی از باز آمدن اے مغرور حسن
 دیدنی بودند مردم در گرفتارانی تو
 بر حراز میر شب رفتم، غائب جلوه داشت
 ایں جواں شاید کہ بود از ناز بردارانی تو

۳۵۳

یارب چه روز بود کہ دل محبت یار او
 تا زندگی دگر نہ شدم من ذیچار او
 در عین جوش داغ جگر رفتم از جہاں
 پائے رسامه عشق و نہ دیدم بہار او
 شمشیر جوہ یار نہ دادم چه ذوق داشت
 ہرگز نہ شد ظلم تسلی شکار او
 شد بعد خاک آتشنی بھوں چه گردباد
 آوارہ گرد باد یہ مشت غبار او
 چشم چه نقش پای بہ سفیدی رسیدہ است
 گردے سرے نمی کشد از رہگذار او

تیرے در پر پڑی ہوئی خلقت اگر شور کرنا شروع کرے
ایک روز تیرے پاؤں کے نیچے کی خاک کے لیے غوں ریزی ہو جائے گی
کچھ دن مشق کرنا چھوڑ، بہت زیادہ لاغر ہو گیا ہے
اسے میرؔ تیرا غم تھیلنے والا بدن آدھا بھی نہیں رہ گیا

۳۵۲

ایک ٹل میں سو بار تیرے بیمار خون روتے ہیں
عالم تیرے زور و خسار والے دیکھنے کے قابل ہیں
الم کے ساتھ ہم آغوش ہو کر آخر خاک میں چلے گئے
تیرے دل انگاروں کے ٹھک بند اذہم اچھے نہ ہوئے
میں نے نہیں کہا تھا ان کم ظرفوں سے نہ طا کر
آخر تیرا شراب پیتا تیرے (ان) یاروں (کی وجہ) سے ظاہر ہو گیا
(تو نے) تاز سے آنکھ نہیں کھولی ورنہ اسے حسن پر مغرور
تیرے گرفتاروں میں دیکھنے کے لائق لوگ تھے
رات میرؔ کے حزار پر گیا، عجیب جلوہ تھا
یہ جہان کہ شاید تیرے تاز برداروں میں سے تھا

۳۵۳

یارب کون سا دن تھا کہ دل اس یار کا بنا
(میں) ساری زندگی دوسری یار اس سے نہیں ملا
میں عین داغ بگر کے جوش میں دنیا سے چلا گیا
عشق نے ایک ہاں ہم پہنچایا اور میں نے اس کی بیمار نہیں دیکھی
یار کے ظلم کی شمشیر نہیں جانتا کیا چاشنی رکھتی ہے
اس کا شکار دغم سے کبھی مطمئن نہیں ہوا
مہموں کے خاک ہو جانے کے بعد گرد ہادی طرح
اس کی مشت غبار صحرا میں آوارہ گرد ہو گئی
میری آنکھیں نقش پا کی طرح سفیدی کو پہنچ چکی ہیں
(مگر) اس کی رنگوار سے گرد بلند نہیں ہوتی

تھاواں ہ چائے آبلہ رفتن ہ دشت شوق
کز شیشہ ریزہ شوق تر افتادہ خار او
بر خاک میر صبح گلدازم افتادہ بود
ہنگامہ شد ز شور ملک بر مزار او

۳۵۳

ہمیں گلستانِ دل نیست کارِ افسردہ او
ہزار خانہ غرابی ست در محبت او
اگر قمر کندت روشنی، سید بخت است
در آفتاب شود چہرہ با تو، شامت او
ز فرط شوق چہ سختی کہ کوکب نہ کشید
دلے دریغ کہ بر باد رفت محبت او
نگار من ہ چمن رفت با کہ ہنشمید
گلِ گلشن نہ دارد دہان محبت او
ہ باغِ بوشر از آفتاب ی آئی
اگر ہ صبح چمن مائل ای، سعادت او
و بس کہ بر سر تابوت میر کثرت شد
نہ داد دست ہے را نماز میت او

۳۵۵

تا چند سر ہ سنگ زند کس ز قہر تو
مطمعِ زودست آن کہ بدر زد و شہر تو
جاں داد میر و زندگی جاواں یافت
اے فائے بر کساں کہ نہ مردہ بہر تو

۳۵۶

صبح بر خیز و پے باد گدایانہ برو
ہیٰ اللہ زماں ہ در سے خانہ برو

بیروں میں آجوں (کی وجہ) سے دشتِ شوق میں نہیں چل سکے
 کہ شیشہ کے ٹکروں سے زیادہ تیز اس کے کانٹے بکھرے ہیں
 میر کی خاک پر سے صبح میرا گزرتا ہوا تھا
 فرشتوں کے شور سے اس کے حزار پر ہنگامہ تھا

۳۵۳

(صرف) یہی دل کا توڑنا اس کی محبت کا کام نہیں
 اس کی محبت میں ہزار خانہ خرابی ہے
 اگر چاند تیرے مقابل آتا ہے، سید بخت ہے
 اور اگر سورج تیری طرف رخ کرتا ہے، اس کی شامت (ہے)
 کوکھن نے فرطِ شوق میں کیا سختی نہیں سمجھی
 لیکن افسوس اس کی محنت پر باد گئی
 میرا محبوب جہن میں جا کر کس کے ساتھ بیٹھے
 کھلا ہوا پھول اس کی صحبت کے لائق منہ نہیں رکھتا
 تو باغ میں آفتاب سے پہلے آ جاتا ہے
 اگر تو صبح جہن پر نکل ہے، اس کی خوش قسمتی ہے
 جہایت میر کے تابوت کے اوپر کھڑت تھی
 بہتوں کو اس کی مینت کی نماز حاصل نہیں ہوئی

۳۵۵

تیرے قبر سے کب تک کوئی سر ہجر سے گمراہ
 جسے تیرے شہر سے نکال دیا گیا، اسے منت میں نہات مل گئی
 میر نے جان دی اور زندگی جاوید پائی
 ان پر افسوس ہے جو تیرے لیے نہیں مرے

۳۵۶

صبح اٹھ اور شراب کے لیے گواہانہ نکل
 مٹی لٹھ پکارتے ہوئے در سے خانہ پر جا

یا منہ پاسے بہ میدان محبت یا میر
ترک سر گیر و در آں معرکہ مردانہ برو

۳۵۷

رو در جہاں قنار چو با جان سوخت
دیدیم حمد باد و بیابانی سوخت
عیشے ز سید سونچگان وفا بکو
گر برخوری صبا بہ جوانان سوخت
گرم تلاش صحبت آسودہ اسے مہاش
دستے بزن چہ گوشے دامان سوخت
داغ ایں چنیں ز منت دوتاں نمی شدیم
می ساختیم گر چہ لب نان سوخت
اے باد صبح کہ شرم در کنار ریز
شانہ نیست گل چہ گریبان سوخت
حالے از آں عمارت خوش طریح دل پریں
افتادہ اند یک دو سد ایوان سوخت
از شعر میر روش چہ جاں آتشم قنار
بود آں عزیز طرفہ سخن دان سوخت

۳۵۸

یک دست ہیزہ تر از خاک من و میدہ
وقت است اگر بناید آں آہوئے رمیدہ
بارے فراق خواباں گذرانده شد چہ خوبی
کس ایں چنیں بلا را ایں گونہ بر نہ چیدہ
ہر گام چشم عاشق پناہاں چہ زیر خاک است
در کوئے غوغا پا را بگذار دیدہ دیدہ
آزاد سبز بخت کاو در بنی درختے
دامن چہ روکشیدہ چوں سایہ واکشیدہ

یا محبت کے میدان میں قدم نہ رکھ میر یا
سرزدک کر اور اس معرکہ میں مردانہ وار جا

۳۵۷

(اس) چاہ سوختہ کے ساتھ جب جہاں میں (ہم) اپنی راہ لگے
ہم نے تند ہوا اور جلا ہوا بیاباں دیکھا
سینے سوختگان وفا کی طرف سے مرہبا کہنا
اے صبا اگر سوختہ جوانوں سے ملاقات ہو
کسی آسودہ کی دوستی کی تلاش میں مصروف مت رہ
کسی جلے ہوئے کے دامن کے گوشہ کو سمجھ
(ہم) کم ظرفوں کا احسان (اٹھا کر) اتنے رنجیدہ نہیں ہوتے
اگر جلی ہوئی روٹی کے ٹکڑے پر گزارا کر لیجئے
اے صبح کی ہوا میرے دامن میں پتنگاریاں ڈال
جلے ہوئے گریبان میں پھول مناسب نہیں ہوتے
اب دل کی اس خوش نما عمارت کا مت پوچھ
دو تھن جلے ہوئے ایمان گر پچکے ہیں
کل میر کے شعر سے جان میں آگ لگ گئی
وہ عزیز طرفہ سوختہ شاعر تھا

۳۵۸

باشت بھر سزا قریبی خاک سے اُگا ہے
(مناسب) وقت ہے اگر وہ آہوئے رمیدہ آجائے
بارے خواباں کا فراق اچھی طرح گزر گیا ہے
کسی نے اس مصیبت کو اس طرح نہیں جھیلنا تھا
ہر کام پر کسی عاشق کی آنکھ خاک کے نیچے چھپی ہے
اپنے کوسپے میں قدم دیکھ دیکھ کے رکھ
وہ آزاد خوش نصیب (ہے) کہ جس نے درخت کے نیچے
دامن ملے پر تانا اور سائے کی طرح لیٹ گیا

در نقل گاہ از دل آواز بر نیامد
 شاید ز تنج جوش زخم رسا رسیده
 پروانه دوش خود را در بزم زد بر آتش
 لیکن نہ گفت چیزے شمع زباں بریدہ
 برگز نہ شد در ایی عہد تغییر حالت او
 بود ست میر آخر مرد زمانہ دیدہ

۳۵۹

شد گوش زد طور توام از رو بہ بزمست ہر دو
 رنجش ز من فہیدہ کن، دارم دل آزدو
 خواہم دلے پیدا کنم کفر آشا، دیں دھنے
 از کسہ سر چیدہ، با دیہ رو آزدو
 اے شمع با جہ مغاں یک لحظ صحبت گرم کن
 تا چند تنہا زیستن با خاطر اسردو
 بس آزمائش کردہ ام، بے ایی قضا یا دیدہ ام
 در یک نفس جاں می دہد بر دل جراحت خوردو
 از میر واقف مصمم لیکن چہ شب می آمد
 دیدم جوان تازہ در رو بہ حسرت مردو

۳۶۰

مرا دلے ست بہ بر چاک چاک چوں شانہ
 ز اختلاط پریشان زلف جاناہ
 چہ بر دو کام بود در رو غمش با ما
 چہ دیدہ اشک و چہ لب نالہ غریبانہ
 چہ بزم پیش جہاں صبح کہ عیا و عین
 کہ صبح دودے و خاکسترے ست پروانہ
 دے کہ نالہ کشم حسیب دم درکش
 کہ دم کشی نہ توانی چہ ایی چک و چانہ

قل گاہ میں دل سے آواز باہر نہیں نکلی
 شاید تیری ظلم کی تلخ سے دھم کاہل لگا
 بزم میں پروانے نے کل خود کو آگ میں جلا دیا
 پھر بھی زبان کنی ہوئی شمع نے ایک حرف نہیں کہا
 اس عہد میں اس کی حالت میں بالکل تغیر نہیں تھا
 میرا غر زمانہ دیدہ مخض تھا

۳۵۹

تیری بزم میں راہ پانے سے حیرے اطوار میرے سنے میں آ گئے
 مجھ سے دلچسپ سمجھ کر کہ دکھا ہوا دل دکھتا ہوں
 چاہتا ہوں ایک دل بناؤں، کلہرا شتا، دین و دشمن
 کعبہ سے مٹھرف، بیت کدے کی طرف سر جھکا کے ہوئے
 اسے تلخ حیر مغاں کے ساتھ ایک لٹخ صحبت گرم کر
 کب تک افسردہ دل کے ساتھ تجھا زندہ رہتا
 بہت آڑا چکا ہوں، ایسے بہت سے جھگڑے دیکھے ہیں
 دل پر زخم کھایا ہوا ایک نفس میں جان دیتا ہے
 میرے واقف نہیں ہوں لیکن رات کو جب آ رہا تھا
 راستے میں حسرت سے مرے ہوئے ایک نوجوان کو دیکھا تھا

۳۶۰

میرے پہلو میں نکلیں کی طرح چاک چاک دل ہے
 زلف جاناں سے اعتکاف پر پیشاں کی وجہ سے
 ہر دو گام پر اس کے ظم کی راہ میں ہماری
 آنکھوں میں آنسو (ہیں) اور ہونٹوں پر غریبانہ فریاد (ہے)
 جہاں کی بزم ہمیش میں صبح کے وقت جا اور دیکھ
 کہ شمع دھواں اور پروانہ خاکستر ہے
 جب (میں) نالہ کچھنوں، عندلیب (تو) چپ رہا کر
 کہ (تو اپنی) اس استعداد کے ساتھ (میری) ہم نوائی نہیں کر سکتی

نہ تابد از بحر آں آفتاب طالع من
 کہ چشم دوختہ ام من بہ روزن خانہ
 برید کشیدہ ما را و دوستاں جیشید
 کہ او ہم از نعم ما رنجہ می شود یا نہ
 چہ گویم آہ کہ احوال ما نمی گیرد
 در این دیار کس از آشنا و بیگانہ
 بہ این غروش کہ داریم شیر خگی کرد
 نہادہ ایم چہ سیلاب سر بہ ویرانہ
 بہ میر لالہ و گل می برد ہر عمرے
 مگر کہ میر برد سبز گلستانہ

۳۶۱

اے کہ می پری کہ ای، ہستم سپاہی زادہ
 زخم بر دل خورده اے، در خاک و خون افتادہ
 ہاز گشت خود نمی لایم بہ روز حشر ہم
 رفتہ ہم از خویش بر طرز خرام سادہ
 این نہ دایم کہست لیکن بر سر رہ دیدہ ام
 دست از جاں حصہ آزدودہ، دل دادہ
 یادگار شیخ بسیار است در سہ خانہ ہا
 چہ اے، چہ اسنے، تمامہ اے، چادہ
 میر با اہل جہاں ربطے نہ دارد مطلقاً
 کے فرود آید سرش، مردے ست او آزادہ

۳۶۲

نکاحش آں چناں بے خود ز بادہ
 کہ تا بر من نقد صد جا قبادہ
 تجسم گوئے آں لالہ رخسار
 در فردوس بر ردہ کشادہ

صبح سے میری قسمت کا وہ آفتاب نہیں جگر کا تا
 کہ میں نے گھر کے روزن سے آنکھ جھار کی ہے
 میری فحش لے آؤ اور دوست دیکھ لیں
 کہ وہ بھی میرے غم میں اداس ہوتا ہے یا نہیں
 آؤ کیا کہیں کہ ہمارا حال نہیں پوچھتا
 اس شہر میں کوئی کسی آشنا اور بیگانے سے
 اس شور و خروش سے جو ہم کیا کرتے تھے شہر پریشان ہو گیا تھا
 سیلاب کی طرح (ہم نے) سرور لانے میں چھپا دیا ہے
 (اپنی) زندگی لالہ دگل کی سیر میں بسر کر رہا ہے
 شاید میرا گھٹانہ کا سید ہے

۳۶۱

اسے جو پوچھ رہا کہ تو کون ہے، سپاہی زادہ ہوں
 دل پر دھم کھائے ہوئے، خاک و خوں میں پڑا ہوا
 حشر کے دن بھی اپنا پھر کر آتا نہیں دیکھتا
 ایک سادہ کے طرزِ خرام پر خود سے گزرو کیا ہوا ہوں
 یہ نہیں جانتا کون ہے لیکن سر راہ دیکھا ہے
 جان سے ہاتھ دھوئے ہوئے، ایک غم زدہ عاشق کو
 سے خانوں میں شیخ کی بہت نشانیاں ہیں
 جب، پیرا، کھن، عمامہ، سجادہ
 میرا اہل جہاں سے مطلقاً رہا نہیں رکھتا
 وہ آزاد مرد ہے اس کا سر کہاں جھک سکتا ہے

۳۶۲

اس کی نگاہیں شراب سے ایسی بے خود
 کہ جب تک مجھ پر پڑیں سو جگہ پڑیں
 اس لالہ رخسار کے غم نے
 بہتوں کے سامنے درِ فردوس کشادہ (کر دیا)

میری از طرز رفتارش کہ ہر گام
 ز وضع خود قدم بیرون نہادہ
 چہ نیرنگی او مشکل توں یافت
 کہ در ہر جا پے صد رنگ ایستادہ
 سمجہ ساز از نری دانش
 عنان اختیار از دست دادہ
 شکایت نامہ دوری وہ بود
 نہ فہمیدی خط چچان جادہ
 ترا اے گل پہ روئے او چہ نسبت
 گو حرف از وہان خود زیادہ
 بدیں ساں میر چوں خواہی بسر کرد
 کہ او بسیار پرکار و تو سادہ

۴۶۳

یک بار ایں کہ ترک ملاقات کردہ
 از من چہ دیدہ ای و چہ اثبات کردہ
 بر جان من ز وعدہ خلافی مصل
 نومیدی و امید مساوات کردہ
 در ہر کسے کہ ی نگرم مست و بے خود است
 عالم پہ یک نگاہ خرابات کردہ
 می خواستم ببالہ دل شب چہ آفتاب
 اے چہ سے فروش کلمات کردہ
 شب ہا پہ گریہ داشتہ ای تا سحر مرا
 روزے اگر سلوک و عبادات کردہ
 زاہد نقد پہ دست کہ تا گوہر مراد
 من گریہ کردہ ام، تو مناجات کردہ

اس کے طرز رفتار کی نہ پوچھ کہ ہر گام
 اپنی وضع سے قدم باہر رکھے ہوئے (ہے)
 اس کی اصلیت در یافت کرنا مشکل ہے
 کہ ہر جگہ سورتگ میں موجود ہے
 اس کی راتوں کی نری سے (اس کا) سمندر تاز
 عنوان اختیار ہاتھ سے چھوڑے ہوئے (ہے)
 راستے کی مشکل کا شکایت نامہ تھا
 تو خطِ پہچان جاوہ نہیں سمجھا
 تجھے اسے گل اس کے چہرے سے کیا نسبت
 اپنے منہ سے بڑی بات مت کر
 اس طرح میر کیوں کر بسر کرے گا
 کہ وہ بہت پرکار اور تو سادہ

۳۶۳

یہ کیا کہا چانک تو نے ملاقات ترک کر دی ہے
 تو نے مجھ سے (ایسا) کیا دیکھا ہے اور کیا یقین کر لیا ہے
 (تو نے) میری جان پر مسلسل وعدہ خلافی کر کے
 ناامیدی اور امید (کے احساس) کو مساوی کر دیا ہے
 جس کسی کو بھی میں دیکھتا ہوں مست اور بے خود ہے
 تو نے دنیا کو ایک نگاہ سے شراب خانہ بنا دیا ہے
 میں نے آدھی رات میں آفتاب جیسا پیالہ چاہا تھا
 اسے پورے فردش ٹوٹنے (تو) کرامات کر دی
 راتوں کو تو نے صبح تک مجھے رلائے رکھا ہے
 ایک روز اگر سلوک اور عداوت کی ہے
 زاہد کو ہر مراد کس کے ہاتھ آتا ہے
 میں نے گریہ کیا، تو نے مناجات کی ہے

شعرے نہ شد شنیدہ در این مدت از تو میر
معلوم شد کہ ترک خیالات کردہ

۳۶۳

جرم چہ بود کایں ہمہ بدخواہ بودہ
تا غلوں پہ این ستم زدہ ہمراہ بودہ
جائے نمی رہی کہ از آن جا نمی روی
غافل تمام عمر تو در راہ بودہ
رفیق ز سبزہ زار جہاں آن چناں کہ میر
پیدا نہ ای مگر تو پر گاہ بودہ

۳۶۵

می نایم گریہ بے اختیارے گاہ گاہ
می دہم تسکین جان بے قرارے گاہ گاہ
خواہش لطف تو کردن بے فضولی نیست یک
مگر نہ باشد اکثر اوقات، بارے گاہ گاہ
آگاہ از بختوں شیم یک این قدر دائم کہ میر
می کند گردے از این صحرا غبارے گاہ گاہ

۳۶۶

در	رہت	آہ	دافع	ہا	دیدہ
دل	کباب	گذشتہ	گردیدہ		
چہ	قدر ہا	پند	می	آید	
از	بتاں	طور	ناپندیدہ		
حیف	در	شہر	عجب رویاں	میر	
کس	زبان	مرا	نہ	لمبیدہ	

اس مدت میں میر تجھ سے ایک شعر نہیں سنا ہے
معلوم ہوا کہ تو نے فکرِ سخن ترک کر دی ہے

۳۶۳

میرا کیا جرم تھا کہ (تو) اتنا بد خواہ ہو گیا
(میرے) قتل ہونے تک مجھ حتم زدہ کے صہرا ہو گیا
کسی جگہ نہیں پہنچتا کہ اس جگہ سے چلا نہیں جاتا
غافل تمام عمر تو راستے میں ہے
دیا کہ سبزہ زار سے میر تو اس طرح چلا گیا کہ
حیران شان نہیں ہے شاید تو پرکاش تھا

۳۶۵

میں گریے بے اختیار گاہ گاہ کرتا ہوں
جان بے قرار کو گاہ گاہ تسکین دیتا ہوں
حیرے لطف کی خواہش کرنا بے فضولی نہیں ہے لیکن
اگر اکثر اوقات نہ ہو، ہارے گاہ گاہ
مجنوں سے آگاہ نہیں ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میر
اس صہرا سے گا ہے گا ہے ایک غبارِ اُصتا ہے

۳۶۶

حیری راہ میں آہِ داغ دیکھے
دل چلا ہوا کیاب ہو گیا
کتنا زیادہ پسند آتا ہے
محبوبوں کا ناپسندیدہ طور
حبیبِ خوب رویوں کے شہر میں میر
کوئی میری زبان نہیں سمجھا

۳۶۷

سر کن کہ در خواں بہ چہ دل را نہاد
 اے عندیلب ویر بہ دہم قیاد
 داغ ہم ز غفلت کہ از این انجمن چہ صبح
 ہر لحظہ گرم راہ ای و بے غم ستاد
 بر جا نہ بودی تو دلا نیست بے سبب
 شاید قدم بہ راو محبت کشاد
 عشقی جوان و فرق نہ کردی ز یار و غیر
 غفلت نمود کرد و هنوز آہ ساد
 از آفت و خیز دم بہ دم و قصہ ضبط میر
 معلوم می شود کہ دل از دست داد

۳۶۸

صبح در عشق پاسے گیر شدہ
 این ہوں کشت صفت اسیر شدہ
 اختیار گدا و شاہ نہ باند
 عالمے بہر او فقیر شدہ
 سادگی بود موسم شوخی
 او در ایام غلط شرع شدہ
 دید ہر کس نزاری من گفت
 این جوان را چہ شد کہ جہر شدہ
 در غم قامت تو قامت غیر
 پا علم خواں بہان میر شدہ

۳۶۹

اے شک آں کس کہ وقتِ گریہ را دریافت
 کالچہ ہر کس یافت از دیدہ تر یافت

۳۶۷

غزلاں میں جو (نالہ) دل میں چھپا رکھا تھا اسے شروع کر
 اسے عندلیب (تو) بہت دیر میں میرے ہاتھ لگی ہے
 حیرتی غفلت پر رنجیدہ ہوں کہ اس انجمن سے شمع کی طرح
 تو ہر لحظہ سڑ کر رہا ہے اور بے فکر کھڑا ہے
 اسے دل تیرا جگہ پر نہ ہوتا ہے سبب نہیں ہے
 شاید تو نے محبت کی راہ میں قدم رکھا ہے
 جو ان ہو گیا اور یا ر اور غیر میں تیز نہیں کی
 تیرے خط نکل آئے اور آہ ابھی تک سادہ ہے
 تیرے ہر وقت کے گرتے پڑتے رہنے اور ضبط کے ارادے سے ہر
 معلوم ہوتا کہ (تو نے) دل ہاتھ سے دے دیا ہے

۳۶۸

فلج عشق میں پھنس گیا ہے
 یہ ہوس کا مارا مفت میں اسیر ہوا
 شاہ و گدا کا اقتدار نہیں رہا
 ساری دنیا اس کے لیے فقیر ہو گئی
 سادگی شوقی کا موسم تھا
 وہ خط نکلنے کے دنوں میں شریر ہو گیا
 جس نے بھی میری لاغری دیکھی کہا
 اس جو ان کو کیا ہوا کہ بوڑھا ہو گیا
 تیرے قامت کے خم میں قاعدت بھی
 میری طرح پا علم خواں ہو گئی

۳۶۹

وہ خوش (نصیب) ہے جس نے وقت گر یہ کو پایا ہے
 کیاں کہ جس نے بھی جو کچھ پایا ہے دیدار سے پایا ہے

یوالمیوس انداز کوئے آں ستم گر کردہ بود
چشم او ترسید چوں در ہر قدم سر یافتہ
۳۷۰

الحب من اللزایں بہ رشار آمدہ
ہم چوں عطل تو بہ رفتار آمدہ
سال با باید کہ آید از سحاب
آں چہ شب از گریخ زار آمدہ
۳۷۱

دلا جملہ داغ ای و خوں گشتہ
مگر غریب رام خوں گشتہ
کسے می شود زرد بے لعل یار
تو خود میر زار و زبوں گشتہ
۳۷۲

می کنند کہ القاحے بر من بے چارہ
آستین کہت دارم، چاہے صد پارہ
گرد پادے دیدم و مردم ز رشک این کہ میر
از غم او خاک بر سر می کنند آوارہ
۳۷۳

مرا رنجست اے مہ بے تو جاں کاہ
تو پیشو چشم نازک می کنی آہ
۳۷۴

در نقش (دو) ابروئے تو بس دیر کشیدہ
نقاش بہ تک آمدہ شمشیر کشیدہ
۳۷۵

کرد از بس خوں مشاقاں معذورادہ
شد زبیں دیوار صورت کاری افتادہ

یوالمیں نے اس ستم گر کے کوسے کا جائزہ لیا
اس کی آنکھ پتھر اگنی جب ہر قدم پر سر نظر آئے
۳۷۰

میرا آنسو چسپا ہوا کال پر آتا ہے
جیسے طفلِ نو چلنا شروع کرتا ہے
سالمیا چاہتیں کہ بادل سے ممکن ہو سکے
جو رات گریہ زار لے گیا

۳۷۱

اے دل (تو) تمام داغ ہے اور خون ہو چکا ہے
ضرور جنوں کی راہ میں مارا گیا ہے
کوئی (بھی) لعلِ یار کے بغیر زرد ہو جائے گا
(تو) تو خود میرے زار و زریں ہو چکا ہے

۳۷۲

کون مجھ بے چارے پر التفات کرتا ہے
آستیں بوسیدہ رکھتا ہوں، ہمارے سونگلوے
گردِ باد دیکھا اور اس رنج سے مرتا ہوں کہ میرے
اس کے غم میں ایک آوارہ سر پر خاک ڈال رہا ہے

۳۷۳

مجھے اے ماہِ حیرے بغیر جاں کاہِ رنج ہے
آؤ تو طفلِ کر رہا ہے

۳۷۴

حیرے دو ابرؤں کے نقش میں بہت دیر لگ گئی
نقش نے غلج آ کر تلواریں کھینچی لی

۳۷۵

ایک مسوڑ زانو نے مستاقوں کا بے حد خون کیا
زمین صورتِ کاری کی گری ہوئی دیوار (کی طرح) ہو گئی

۳۷۶

دلے داریم در بر تو نوازے
 بلاگردانِ قہر سرو نازے
 چہ شہر حسن چوں آئینہ مستم
 نہ دیم دلبر عاشق نوازے
 چہ ی پری کہ در دلو نصہین
 ولم شد مال شوخ سخت بازے
 برائے عشقِ ایں ہالا بلندیاں
 تن ی کسم عمر درازے
 معیشت میر بے دروازہ تا چند
 ہکے، شیونے، حزنے، گدازے

۳۷۷

دام دہوی خوبی چہ یار من داری
 ز خلق شرم کن اے گل تو ایں دہن داری
 دلا جواب غمت از کسے نمی آید
 تو آن کس ای کہ دریں باب صد سخن داری
 شدم چہ بارغ و دروغ از گلے نہ پرسیدم
 کہ از برائے کہ صد چاک چہرہ من داری
 کدام گل کہ بفسرد و داغ یاس نہ شد
 تو آرزوئے تماشاے ایں چمن داری
 اگر ز خود شدنت دست دادہ خوش دل باش
 در ایں مقام کمن فکرِ خوشن داری
 بغیرِ ذکرِ بتاں میر بر زبان غیبت
 تو اے عزیز مگر کیش بر من داری

۳۷۶

پہلو میں ایک نونواز دل رکھتا ہوں
ایک سرو ناز کے قد کی بلائیں لینے والا
شہر حسن میں آئینے کی طرح پھرا
ایک (بھی) عاشق نواز دلبر نہیں دیکھا
کیا پوچھتا ہے کہ پہلے (ہی) واؤ میں
میرا دل ایک حسرت باز اشوش کا مال ہو گیا
ان دراز قاصدوں سے عشق (کرنے) کے لیے
ہم عمر و راز کی دعا کرتے ہیں
میر درد کے بغیر کب تک زندہ رکھتا
پکا، شیون، حزن، گداز

۳۷۷

ہمیشہ غریب کا دعویٰ میرے پار کے سامنے کرتا ہے
اسے گل لوگوں سے شرم کر کہ (کیا) تو یہ منہ رکھتا ہے
اسے دل حیرے غم کا جو اب کسی کے پاس نہیں
تو وہ ہے کہ اس باب میں سو سوال رکھتا ہے
باغ میں تھا اور افسوس کسی گل سے نہیں پوچھا
کہ کس کے واسطے صد چاک پیرا بن رکھتا ہے
کون سا گل (تھا) کہ مرجھانہ گیا اور پاس کا داغ نہ بن گیا
تو اس چمن کی سیر کی آرزو رکھتا ہے
اگر تو خود سے دست بردار ہوتا ہے، محوش دل رہ
اس مقام پر اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی فکر مت کر
ذکر بتاں کے بغیر میر سیر کی زباں پر کچھ نہیں ہے
تو اسے عزیز شاید برہمن کے مذہب سے ہے

۴۷۸

شد در قسم غم رہائی
معتوق روز بے زوائی
کے از کچے شود تسلی
تصدیق کشیدہ جدائی
از راو طلب خبر نہ داریم
ما ایم و ہمیں شکستہ پائی
ایں مرتبہ زندہ سکھم کر بہانیم
دگر نہ کہ اشتیائی
در عشق و ہوس قہر سہل است
از خانہ اگر ہوں بیائی
دوشم گذرے بہ کوشن اللہ
انا چ بہانہ گدائی
شد میر فقیر و از عزیزاں
ہرگز نہ کشید میرزائی

۴۷۹

یک لخت بہ سرِ مرتے خود را نہ ستادی
یک دم بہ خبرِ پریش او لب نہ کشادی
بلبل حق صحبت گمراہ یاد نہ بود ست
کز باغ گلہستم و تو آواز نہ دادی
اے صیدِ حرم ذوقِ شہادت تو چہ دانی
نے تیغ بہ سرِ دہی و نے کشید قتادی
داغِ ایم ز دامنِ گئی قافلہ اے کاش
از دور سیاحی بکند آتشِ دادی

۴۷۸

قفس میں مجھے رہائی کا فہم
 معشوق کروڑے نوائی این کیا
 کب ایک ٹکڑے سے مطمئن ہوتا ہے
 ہدائی کی تکلیف اٹھا چکے والا
 راہ طلب کا پتہ نہیں جانتے
 ہم ہیں اور یہی شقت پائی
 اس مرتبہ اگر زندہ بچ گئے
 اور (کسی سے) آٹھائی نہیں کریں گے
 عشق اور ہوس میں قیور سہل ہے
 اگر (تو) گھر سے باہر نکل آئے
 کل میرا گزرا اس کے کوسے میں ہوا
 لیکن گدائی کے بہانے
 میرے فقیر ہو گیا مگر دوستوں کی
 شان اور اکڑ ہرگز نہیں برداشت کی

۴۷۹

ایک لطف (بھی) اپنے سرِ مست کی تعریف نہیں کی
 (تو نے) ایک بار (بھی) اس کی خبر پوچھنے کے لیے لب نہ کھولا
 بلبل مگر تجھے حقِ صحبت یاد نہیں رہا ہے
 کہ باغ سے ہم گزرے اور تو نے آواز نہ دی
 اسے صیدِ حرم تو ذوقِ شہادت کیا جانے
 نہ سر پر تلخ دیکھی اور نہ قتل ہو کر سرا
 ہم قافلے سے پیچھے رہ جانے سے رنجیدہ ہیں، اسے کاش
 دور سے آتشِ داوی کے آثارِ نظر آئیں

امروز فلک بر سر لطف است عجب نیست
گر پا بہ زمین نہ رسد میر و شادی

۳۸۰

نہ آو سید خراشے نہ نالہ زارے
شبِ فراق بہ پایاں چہاں رسد بارے
یکے بہ دیدن دل نصیبگان شوق بیا
کہ دیدہ اند برائے تو رنج بسیارے
نہ شد کشور دل از کوچہ گردیم اکنوں
ہاں سرم کہ پیغم بہ پائے دیوارے
مرد بہ سوئے نفس اے صبا گئے در دست
مہاد رنجہ شود خاطر گرفتارے
صدف ز گوی ہے یاد می دہ ما را
کمر ز اہل زبانے ست حرف بہ دارے
سپاہ عشق کہن میرہ ہر کرا نہ دہد
دل ستم زدہ، دیدہ ہجر بارے

۳۸۱

چہ	بدن ہائے	خود نما	داری
چیرہ کن	چیرہ کن	صفا	داری
چش	از	ایں	پاں
عشق	حسے	داشت	
حالیا	تک	شد	وقا داری
سدا دکاں	گرچہ	عالم آشوب	اند
تو	ز	حالتے	جدا
دستی	ی	رہی	ہر دم
من	نہ	دائم	چہ
		تدا	داری

آج آسمان مہربان ہے مجب نہیں ہے
میرا اگر خوشی سے زمین پر پاؤں نہ پڑے

۳۸۰

نہ سینہ خراش آہ نہ نالہ زار
آخر شب فراق کیسے قسم پر آئے گی
ایک بار شوق کے دل نصیب کاں کو دیکھنے کے لیے آ
کہ تیرے لیے (انہوں نے) بہت رنج دیکھے ہیں
اب کوچہ گردی سے دل کی کشادہ نہیں ہوئی
میرے اس سر (کی وجہ) سے جو کہ پائے دیوار پر چمک رہا ہوں
اے صبا گل ہاتھ میں لے کر نقش کی طرف نہ جا
کہیں ایسا نہ ہو کہ گرفتار کا دل اداس ہو جائے
صدف ہمیں کسی محبوب کے کان کی یاد دلاتا ہے
مولیٰ (کیا ہے، گویا) اہل زباں کا حرف نہ دار ہے
میرا عشق کا شکر یہ ادا کر، ہر کسی کو نہیں دیتے
شتم زدہ دل، جگر برسانے والی آنکھیں

۳۸۱

(تو) کیا خود نما بدن رکھتا ہے
(تو) پیرا بن پیرا بن صفا رکھتا ہے
اس سے پہلے حسن عشق کا پاس رکھتا تھا
آج وقار کی ننگ بن چکی ہے
سادگاں کرچہ عالم آشوب ہیں
تو خط کی وجہ سے جدا عالم رکھتا ہے
ہر دم ہاتھ میں تیغ لیے پہنچتا ہے
میں نہیں جانتا (تو) کیا ارادہ رکھتا ہے

بہر آں رکب باغ داغ شدم
 در من آتش زدو این ہوا داری
 زنج یار دیدہ ای اے گل
 دست زبر زنج بہا داری
 یاد حبیب ضعیف خوانی کرد
 بعد من گر سر جفا داری
 از تپاں گو نہ شد کشو اے دل
 این ہم غم خور خدا داری
 خوانی بے زری چه گویم میر
 بد بلاست عشق و ناداری

۳۸۴

بر چه امید دل ز جا رفتی
 سوختی. خوں شدی و دارفتی
 پنجہ گل بہ دامن نہ رسید
 از گلستاں بہ کبریا رفتی
 بودہ ای تا بہ نقل ہر اہم
 این نہ دامن دگر کجا رفتی
 خالچ کشتہ اے کہ با معشش
 تا سر خاک پا بہ پا رفتی
 اے کہ با زلف او سرے داری
 آہ دامنہ در بلا رفتی
 چه بگویم کہ بر دل دارم
 حیف ہا رفتہ است تا رفتی
 کشتہ ام ہر کہ دیدہ گفت سزا ست
 این ہم پیش او چرا رفتی

اس رنگِ پارغ کے لیے داغ ہو گیا ہوں
 اس ہواداری نے مجھ میں آگ لگا دی
 اے گل تو نے پار کی ٹھوڑی دیکھی ہے
 ٹھوڑی کے تلے ہاتھ بھاڑ کھا ہے
 بوڑھے غلام کو یاد کرے گا
 میرے بعد اگر (تو) جفا کا ارادہ کرے (گا)
 جوں سے اگرچہ خوشی حاصل نہ ہو اے دل
 اتنا غم نہ کھا، (تو) خدا رکھتا ہے
 بے زری کی خوبی میرے کیا کہوں
 عشق اور ناداری بری بلا ہیں

۳۸۲

کس امید پر دل تو بے قابو ہوا تھا
 بھل گیا بخون ہو گیا اور مٹ گیا
 پھولوں کا ہاتھ تیرے دامن تک نہیں پہنچا
 تو گلستان سے ناز کے ساتھ گزرا
 قتل تک تو میرے ساتھ رہا تھا
 یہ نہیں جانتا پھر (تو) کہاں چلا گیا
 اس محتال کی قسمت کہ اس کی فحش کے ساتھ
 تو قبر تک قدم پہ قدم چلا
 اے کہ تجھے اس کی ذلالت کا خیال ہے
 آہ، (تو) جان کر بلا میں گرفتار ہو گیا (ہے)
 کیا کہیں کہ میرے ناتواں دل پر
 بہت سے صدمے گزرے ہیں، جب سے تو چلا گیا ہے
 جس نے مجھے قتل کیا ہوا دیکھا اور مت ہے
 (تو) اس قدر اس کے سامنے کیوں گیا تھا

میرِ مردی و چشمِ جانبِ اوست
تو بہ کشتن از این اورا رفتی

۳۸۳

ہر گاہ سیدی بکند ایرِ سیاہ
سے نوش کہ خالک نہ شود وقتِ گناہ
قربانی انداز کہ بودہ ست نہ دالم
دیدیم حتم کشتہ جوانے سرِ راہ
گر سر کشد از تربتِ من سرِ جب نیست
بودہ ست دلم سایہ رو قامتِ آہ
غوش باشد اگر صحبتِ رنداں خوش آید
این جا نہ عصاے، نہ رداے، نہ کلاہ
از میر نہ دالم دلے می گذرد کس
با حال تھاہ ز سر کوئے تو گاہے

۳۸۴

گاہے نہ رفتہ گاہے دل غواو بکند کاسے
غور و دستِ اہلق چرخ بس آب بے لہاسے
ز آں با کہ این عمارت زیرِ سنگین شاں بود
آکنوں نہ ماندہ باقی آثارِ غیرِ نامے
با روئے دل کش آں کاو رنجِ آفتاب است
کے می شود برابر چلِ مادِ ناتماسے
نیرنگِ عشق بگر، دارد بہ ہر دیارے
رہے، رہے، طریقے، خفیہ رہے، امامے
معروف دیدن تست اے دمنِ دل و جاں
ہر گز نہ دیدہ ام من چون میرِ دوست کاسے

میر تو مر گیا اور نظریں اس کی طرف ہیں
تو ایسی (ہی) حرکتوں سے گلے ہونے کو پہنچا

۳۸۳

جب ابر سیاح سفیدی اکرے
شراب پی کر گناہ کا وقت ضائع نہ ہو جائے
کس کے ناز و انداز پر قربان ہوا تھا نہیں جانتا
ہم نے سر راہ ایک حتم کش جو ان کو دیکھا ہے
اگر میری تربت سے سرو سر کھینچے لب نہیں ہے
میر اول قاصت آہ کے سائے میں چلنے والا تھا
غوش رہ اگر تجھے صحبت رنداں اچھی لگتی ہے
اس چنگ نہ عصا ہے نہ ردا ہے نہ کلاہ ہے
میں میر کو نہیں پہچانتا مگر کون (ہے جو) گزرتا ہے
کبھی کبھی حیرے کو پتے سے تہا حال میں

۳۸۴

کسی بیبا سے کے دل خواہ کبھی ایک قدم بھی نہیں چلا
ابلق چرخ نے صرف آپ بے لجام^۱ بیبا ہے
یہ عمارت جن کے زیر نگین تھی ان کی
اب نام کے سوا کوئی نشانی باقی نہیں ہے
اس دلکش چہرے کے جو کہ رخسار آفتاب ہے
ماہِ ناقص کیوں کر برابر ہو سکتا ہے
عشق کا ظلم دیکھو ہر دیار میں دکھتا ہے
رسم، روہ، طریق، بیخبر، لام
اے دل اور جان کے دشمن تجھے دیکھنے میں منہمک
میں نے کبھی میر سا عاشق نہیں دیکھا

۱ تصویر دار ہو۔

۲ مطلق المعانی، لغوی معنی کی ہے۔

۳۸۵

خوش است اے بے وفا گر چند روزے خر گمردانی
 زنی حرفے پہ ابرو تا کجا و رو گمردانی
 بہ رنگے بازو ای کز خواب بے تابانہ بر خیزی
 اگر بر ہستر برگ گلے پہلو گمردانی
 تو اے گل در چمن بر خویش می چین و می رسم
 مہاد از سبلی پائیز رنگ رو گمردانی
 نمی منی تو اے میر ارت خطے رو پہ تو آرد
 اگر یک لحظہ روئے دل پہ سوئے او گمردانی

۳۸۶

مرا ہم دے بود نقطہ وہ چہے
 ستم دیدہ، عاشقہ، درد مندے
 مگر دل در ایں راہ گرد و لیلیم
 نہ شور درآئے نہ گرد سمندے
 چو آئینہ حیران کار دل ام من
 کہ کارش قنادہ ست با خود پسندے
 چو در جلوہ دیدیم بالائے او را
 بگفتیم از دور، عشق بلندے
 قرارے نہ دارو دلت میر ہرگز
 جانا کہ عاشق شدی بر لوندے

۳۸۷

چہ گویم آہ از دست جھائے شوخ بے باکے
 دے دارم، پر او زخمے، تگر دارم، پر او چاکے

۳۸۵

اچھا ہے اے بے وفا اگر چند روز کے لیے اپنی خو بدل دے
 کب تک تو ابرو سے بات کرے گا اور منہ بکھیرے رہے گا
 تو اتنا نازک ہے کہ خواب سے بے تابانہ جاگ اٹھتا ہے
 اگر (تو) پھولوں کی بیج پر (بھی) پہلو بدلتا ہے
 اسے گل تو جان میں غرور کرتا ہے اور میں ڈرتا ہوں
 کہیں ایسا نہ ہو کہ غزاں کا طمانچہ حیرے چرے کا رنگ بدل دے
 اسے ہیر تو (یہ بات) نہیں سمجھتا ورنہ خلق حیرتی طرف توجہ کر لے
 اگر تو ایک لکھڑا اپنے دل کا رخ اس کی طرف سے موڑ لے

۳۸۶

میرا دل بھی نصیحت نہ سننے والا تھا
 ستم دیدہ، عاشق، دور و مند
 مگر دل اس راہ میں مجھے راہ دکھانے والا بن گیا
 نہ بانگِ دورا کا شور، نہ سمنہ کی گرد
 آئینے کی طرح دل کے حال پر حیران ہوں
 کہ اس کا کام ایک خود پسند سے پڑ گیا ہے
 جب اس کے قاصد کو جلوہ گر دیکھا
 دور سے (ہم نے) کہا عشق بلند
 حیرے دل کو میرا نکل قرار نہیں آتا
 شاید کہ کسی لونہ پر عاشق ہوا ہے

۳۸۷

کیا کہوں آہ ایک بے باک شوق کے وسبب جفا سے
 دل رکھتا ہوں، اس پر دھم، جگر رکھتا ہوں، اس پر چاک

دل بکند اے پایہ صبا از بہر گلشن
 تو و این خاطر شادے، من و این جان غمناکے
 فراغت دارم از طوبی و احسان بہشت تو
 مرا بردہ ست خواب اے شیخ زیر سایہ تاکے
 نشستم مژگے در بزمستان و دم رفتن
 بہ رنگہ ایر تر برخاتم با دامن پاکے
 در آن جائے کہ سری دوشب از من شعلہ آہے
 نہ شد معلوم آن جا صبح دم غیر از کف خاکے
 گل افشاں اے نسیم صبح کن خاک عزیزاں را
 مٹھاں پر مزار ما غریباں مٹھ خاکشا کے
 بہ امیدے کہ دارد میر ہر نچیر ایں وادی
 گلگے باپ شمشیرے، سرے شایان فزاکے

۳۸۸

ز ترک چوں تو اے حیف است عروہی نچیرے
 کندے، نیزہ اے، تیغ، کمانے، ناکے، تیرے
 بہ بدنامی سودی شہرہ و با قتل ہر اہی
 نہ کردی در حق ما بے کساں اے عشق تمہیرے
 بہ تسلیم دے در سیدگاہ عشق آسودم
 گذر کردم بہ آسانی ز آب حیز شمشیرے
 بہ بزم عیش او استادم خاموش از حیرت
 ہداں ماند کہ بر دیوار چہا نند تصویرے
 سر ایں داستاں مکتفا کہ کہ از غم بر زباں دارم
 بہ رنگہ خامہ شہرہ نوح آلودہ تقریرے
 نہ امروزے ست ایں محبت کہ بہت از اول خلقت
 بہ دست حسن شمشیرے، بہ پائے عشق ز نچیرے

گلگشت کے لیے صبا گفت دل چاہیے
 تو اور یہ شاو خاطر، میں اور یہ غم ناک جان
 طوبیٰ اور تیری بہشت کے احسان سے فراغت رکھتا ہوں
 (اے) شیخ، مجھے ایک خواب زیرِ سایہ تاک لے گیا ہے
 بتوں بزمِ رہنماں میں بیٹھا اور جانے کے وقت
 ابرِ ترکی طرح چلا گیا دامنِ پاک کے ساتھ
 جس جگہ کہ رات مجھ سے شعلہ آہ سرزد ہوا تھا
 اس جگہ صبح دم سوائے کفِ خاک کے کچھ نہیں ملا
 اے نسیم صبح خاکِ عزیزاں کو گل افشاں کر
 ہم غریبوں کے حزار پر ہشت خاک ڈال
 کس کی امید پر میرا اس دواہی میں ہر ٹھگر رکھتا ہے
 شمشیر کے لائق گلو، فتراک کے شاہیاں سر

۴۸۸

تجھ جیسے ترک سے فکر کی محرومی پر افسوس ہے
 کوئی کند، کوئی نیزہ، کوئی تیغ، کوئی کمان، کوئی ناک، کوئی تیر (تو ہوتا)
 (ہماری) بدنامی کو تو نے شہرت دی اور قتل کے لیے ساتھ ساتھ ہے
 اے عشق ہم بے کسوں کے حق میں تو نے تقصیر نہیں کی
 عشق کی صید گاہ میں جان سپرد کر کے جین سے ہوں
 میں شمشیر کے آبِ حیز سے باسانی گزر گیا
 اس کی بزمِ پیش میں میرا حیرت سے خاموش کھڑا ہونا
 اس طرح ہے کہ جیسے دیوار سے تصویر چسپاں کرتے ہیں
 اس داستان کو مت شروع کر کہ غم سے (میری) زبان پر
 سرخ روشنائی کے قلم کی طرح ایک خون آلودہ تقریر ہے
 آج (ہی کی) یہ صورت نہیں ہے کہ تخلیق کی ابتدا سے
 حسن کے ہاتھ میں شمشیر اور عشق کے پاؤں میں زنجیر ہے

ہے قول دشمنش کر ہی کشی ہمیدہ کشن ہارے
کہ دیگر در جہاں ہرگز نہ خواہی دید چوں میرے

۳۸۹

ز بخت باست اگر بے خبر ہے دست آئی
کہ بر مراد دل اسے خوش کر ہے دست آئی
ز شوق وصل تو اسے رنکب شمع بے تپ ام
سر فیلہ کنم چپ اگر ہے دست آئی
مرا ہے دست ہے صد صنعت آدمی و شدی
لصیب آں کہ تواش چوں ہنر ہے دست آئی
ہے حال مرگ ز دست تھی گرفتارام
خدا کند کہ تو اسے سم بر ہے دست آئی
چگونہ میر گجو از تو دست بردارد
تو آں گل ای کہ ہے خون جگر ہے دست آئی

۳۹۰

گر ہے سخن یار سرے داشتے
روئے سخن کے دگرے داشتے
ہر کہ شدے ننگ پدری زوے
کاٹھے ایں خانہ درے داشتے
ایں ہمہ آزار نہ کرے مرا
گر ز دل من خبرے داشتے
اوق جھائے تو نقد حاصلم
کاش دل من جگرے داشتے
موسے سرش وا نہ شدے در غم
گر ز من آشفہ ترے داشتے

اگر دشمن کے کہنے پر (اسے) قتل کرتا ہے، سمجھ کر قتل کر
کہ دنیا میں میرا جیسا اور (کوئی) نہیں پائے گا

۳۸۹

ہماری خوش قسمتی ہے اگر تو بے خبر مل جائے
اور دل کی مراد پر اسے خوش کمر تول جائے
حیرے وصل کے شوق میں اسے دھک شمع ہے تاب ہوں
سرفیض جذب کروں اگر تو مل جائے
(تو) میرے ہاتھ میں سو ہنر سے آیا اور نکل گیا
اس کا نصیب تھے تو ہنر کی طرح مل جائے
موت کی حالت میں گرفتار ہوں
خدا کرے کہ اسے چاندی جیسے بدن والے تول جائے
بتا کہ میرا کس طرح تجھ سے دست بردار ہو جائے
تو وہ گل ہے جو کہ غول جگر کے غول ملتا ہے

۳۹۰

اگر یار سخن کا ارادہ رکھتا
کون دوسرا روئے سخن رکھتا
جو بھی تلک ہوتا ہے دردناک کھٹکھٹاتا ہے
کاش کہ اس گھر میں دردناک ہوتا
مجھے اتنا آزار نہیں پہنچاتا
اگر میرے دل کی خبر رکھتا
تیری جفا کا ذوق مجھے حاصل نہیں
کاش میرا دل حوصلہ رکھتا
اس کے سر کے بال میرے غم میں نہیں بکھرتے
اگر کوئی (اس کے لیے) مجھ سے زیادہ پریشان ہوتا

میر و تمام چہ نقصان شدے
گر شبِ ما ہم سحرے داشتے

۳۹۱

نہ شاید کہ ایں ہمہ در کوچہ ہا گردیدنے داری
تو معشوق ای و ہر کس را یہ دل چسبیدنے داری
بسوزاں بر دل خود یک گلستاں داغ محرومی
در ایں گلزار دل کش گر سر گل چیدنے داری
چہ آتش در تگر داری کز او اے میر ہر ساعت
بسان باہی ہے آب دل تفتیدنے داری

۳۹۲

عیشش پرداز حیر دل گزار دیگرے
جاں کہ صید تست کے گردو شکار دیگرے
ہر کسے ی میرد انا مرگ من ہم تازہ است
مردن از بہر لگا ہے نیست کار دیگرے
از من عاجز طریق پاسداری یاد گیر
می کشم بر دوش خود چوں سایہ بار دیگرے
مردنت گر رو دہد ہے یار مفت خود شمار
ہاں بخوابی زیستن سال ہزار دیگرے
طرف صحبت در محبت اخلاق افتادہ است
من ہلاک اوے ام و او ہے قرار دیگرے
من کشم خمیازہ بر خمیازہ از شوق وصال
او بخوابد مست ہے سر در کنار دیگرے
اوج دنیا میر در چشم نہ دارد اختیار
ہر زماں باشد جہاں در اختیار دیگرے

میر زمانے کا کیا بگڑ جاتا
اگر ہماری شب بھی سحر رکھتی

۳۹۱

تجھے شاید کوچوں (ہزاروں) میں اس قدر گھومنا نہیں چاہیے
تو معشوق ہے اور ہر ایک سے دل لگائے رکھنا چاہتا ہے
اپنے دل پر ایک گلستانِ داغ محرومی جلا
اس دل کش گلزار میں اگر پھول چنے کا خیال رکھتا ہے
(اے) میر (تو) جگر میں کیا آگ رکھتا ہے کہ جس سے ہر ساعت
مائی بے آب کی طرح دل جلائے رکھتا ہے

۳۹۲

اس کو کسی اور کے حیر دل گداز کی پروا نہیں ہے
جان تیری صید ہے، کون کسی اور کے شکار کو چڑھتا ہے
ہر ایک کو مرنا ہے مگر میری موت بھی تازہ ہے
ایک نگاہ کے لیے مر جانا کسی اور کا کام نہیں ہے
مجھ عاجز سے مرقت کا طریقہ یکہ
میں سائے کی طرح اپنے کاندھے پر دوسرے کا بوجھ اٹھاتا ہوں
اگر بار کے بغیر تجھے موت آ جاتی ہے، اپنے لیے مفت شہار کر
خبردار اگر ہزار سال اور زندہ رہنا چاہتا ہے
صحت میں (یہ) طرفہ صحت اتفاقی سے بہم ہوئی ہے
میں اس کا ہلاک ہوں اور وہ کسی اور کا بے قرار
میں شوق وصال میں شکیانہ پر شکیانہ کھینچ رہا ہوں
وہ شراب سے مست کسی اور کے پہلو میں سر رکھے سو رہا ہے
دنیا میں بلند مرتبہ میر میری آنکھوں میں (کوئی) حقیقت نہیں رکھتا
ہر وقت دنیا کسی اور کے اختیار میں آ جاتی ہے

۳۹۳

در قفس دیم سحر کہ مرغ بے بال و پرے
 شعر ہائے میر می خواندے بہ حال اخترے
 گفتش اے مشت پر آخر چہ بیتابست این
 کار دل چوں من قنات با کدائیں دل برے
 کایں ہمہ می نالی و اشعار می خوانی ز درد
 لعل لعل می کشی آہ از دل غم پرورے
 گفت دارم دل ربایے، شیشہ جانے، نازکے
 شہرتے دارد بہ گل، محبوب ذق از دل برے
 نکبتش بے خود کئے، پاشک جہاں برہم زنی
 رنگو او در بردن دل با عجب چادر گرے
 بے وفا، دشمن نیازے، باز آئیں، سرکشے
 خود پندے، خود ستایے، خود نمایے، خود مرے
 بے عزت بس کہ در غنم فرو بردہ ست آہ
 پنہاں از پنہاں مرچاں شدہ رنگیں ترے
 کہ شود دا با نسیم صبح و گہ با باغباں
 من برائے او ہلاک ام او برائے دیگرے
 گر کنم بے طاقی معذور دار اے دردمند
 آشنا با این چنین کافر نہ گرد کارے

۳۹۴

اے آں کہ غافل ای و چے کار نیستی
 از ہستی خود آہ خردار نیستی
 در موج خیز دہر حباب ای، بہ خود سنا
 تا چشم دا کنی کہ بہ یک بار نیستی
 عاشق شدی مگر کہ بہ رم آشنا شدی
 از چند روز در بے آزار نیستی

۳۹۳

صبح کو قفس میں میں نے دیکھا کہ ایک پرندہ بے بال و پر
 اتر حال میں میرے اشعار پڑھ رہا تھا
 میں نے اس سے کہا اے مشت پر آخر یہ کیا بے تابی ہے
 میری طرح دل کا کام کس دلبر سے تجھے پڑا ہے
 کہ اتنی نالہ زاری کرتا ہے اور درد (انگیز انداز میں) اشعار پڑھتا ہے
 لکھ لکھ غم پرور دل سے آہ کھینچتا ہے
 کہا ایک دلبر دکھتا ہوں شیشہ جاں، تازک
 گل (کے نام) سے شہرت رکھتا ہے، دل سے ملال کو دور کرنے والا محبوب
 اس کی کہت ہے خود کرنے والی، چھٹک جہاں کو برہم کرنے والی
 اس کا رنگ دلوں کے اڑالے جانے میں جب جادوگر
 بے وفا، نیا زکا دشمن، ناز آئیں، سرکش
 خود پسند، خود ستا، خود نما، خود سر

اتنا زیادہ ہے مرگت کہ میرے خون میں ڈبو دیں ہیں، اور
 اس کی انگلیاں پیچہ مر جان سے زیادہ رنگین ہو گئی ہیں
 کبھی نسیم صبح سے بے تکلف ہوتا ہے، کبھی ہاغبان سے
 میں اس کے لیے ہلاک ہوا اور وہ کسی اور کے لیے
 اگر تکلیف نہ سہا سکوں اسے درد مند، معذور رکھ
 ایسے کافر سے کوئی کافر (بھی) آشنا نہ ہو

۳۹۴

اے تو کہ غافل ہے اور مقصد کی فکر میں نہیں ہے
 اپنی ہستی سے تو خود، آہ و خبردار نہیں ہے
 دنیا کے سمندر میں تو حباب ہے، اپنے آپ پر غرور نہ کر
 آنکھ کھولتے ہی اچانک (تو) نہیں ہوگا
 ضرور عاشق ہوا ہے کہ رحم سے آشنا ہوا ہے
 (تو) چند روز سے درپے آزار نہیں ہے

در بار ماست جملہ متاع خوش وفا
 انا چہ قائمہ کہ خریدار نیستی
 اکلہار بے ملا تکیہ ایں ہمہ چرا
 معلوم شد دلا کہ گرفتار نیستی
 افتادہ بودند بہ ریش میر تہمت است
 آرمے نہ بودہ ای، تو طلبکار نیستی

۳۹۵

دل بہ زلفش گھر اسیر شدی
 کز منہ محبت شانہ گیر شدی
 آخر از اغلاط ادباشاں
 شوخ و شکاری و شرع شدی
 خواجہ ی گفت کہ بادہ خور
 سرفی کردی و فقیر شدی
 قدیم خم سوئے خاک ایمائے ست
 عاجزی پیشہ کن کہ ہو شدی
 جز محبت نہ بود تقصیرش
 بہ محبت مصمم جان میر شدی

۳۹۶

ی خواند سحرگہ غزل میر جوانے
 در گریہ ز ہر شعر ترش بود جہانے
 آں با کہ ز کوئے تو گزشتہ گزشتہ
 پیدا نہ شد از گم شدگان تو نشانے
 از زمزمہ مرغ قفس آہ مہرید
 شور جیے داشت تا داشت زبانے
 در رگدہ بار کہ خاکش ہمہ محول است
 بہ ہر قدمے گریہ توں کرد زمانے

ہمارے اسباب میں وفا کی تمام عمدہ محتاج ہے
لیکن کیا فائدہ تو خریدار نہیں ہے
حیرتی (طرف سے) بے تعلقی کا اظہار اتنا زیادہ کیوں
معلوم ہو گیا اے دل کہ تو گرتی نہیں ہے
اس کی راہ میں تیرا پڑا رہتا میرا تہمت ہے
ہاں تو نہیں تھا، تو (تو) طلب کار نہیں ہے

۳۹۵

دل تو ضرور اس کی زلف میں اسیر ہو گیا ہے
کہ مجھ دست سے کترانے لگا ہے
آخرا دہانوں کے ساتھ دوتی سے
تو شوخ اور فسادی اور شریر ہو گیا
خواجہ تجھ سے کہا تھا کہ شراب نہ پی
دولت لٹائی اور فقیر ہو گیا
خاک کی طرف قدم ایک اشارہ ہے
ما جزی اختیار کر کہ بڑھا ہو گیا ہے
محبت کے سوا اس کی تفہیم نہیں تھی
صہب میر کا دشمن جان ہوا

۳۹۶

صبح کے وقت ایک جوان نے میر کی غزل پڑھی
اس کے ہر ایک شعر پر ایک جہاں گریہ کر رہا تھا
جو کہ تیرے کوہ پے سے گزر گئے، گزر گئے
تیرے گم شدگان کا کوئی سراغ نہیں ملا
سراغ نفس کے دھڑم کی نہ کوئی پوچھی
جب تک زبان تھی، ایک عجیب شور کیا کرتا تھا
یاد کی رہگداز میں کہ جہاں کی خاک سب غون ہے
ہر قدم پر ایک زمانے تک گر پیا جاسکتا ہے

بڑی چہ رسد لطفِ حیات تو نہ مانے
 در ضعیف قوی زیست بود بارگاہے
 افسوس کہ از منزلِ دل زود گذشتی
 در شہر وفا بود ہمیں تحفہ مکانے
 محو است و خبر ہمیش از سود و زیاں یک
 خاکِ قدمت را نہ دہ میر بہ جانے
 ۳۹۷

ہم اہلک و آہِ سرد شدی
 آخر اے دل تمام درد شدی
 زود تعلق بہم رساں بہ کسے
 کمال است ایں کہ فرو شدی
 شمعِ داری بہ کفِ عصا شمشیر
 اے منٹ تو نیز مرد شدی
 دل پئے طبلگان تہ بازار
 رفتہ رفتہ تو کوچہ گرد شدی
 عشق درزیدہ ای مگر اے میر
 کہ چیں ناتواں و زود شدی
 ۳۹۸

اے مسکینِ ناز ایں ہمہ بر غولیش چیدنے
 گاہے بہ دردِ دل شدگان ہم رسیدنے
 ایں اختراعِ تازہ چشمِ کعبہ تست
 غلطاندنے بہ خون و ہاں سو نہ دیدنے
 آں سبزہ ام کہ سرزدہ پایاں گشتہ ام
 در بختِ من نہ بود بہ غولی دمیدنے

جب بڑھاپا آ گیا تیری زندگی کا لطف نہیں رہا
 ضعفِ قوی سے زندگی بارگراں ہو جاتی ہے
 افسوس کرو دل کی منزل سے جلد چلا گیا
 ہمارے وقا میں یہی ایک تھوڑا مکان تھا
 عاشق ہے اور اسے سود و زیاں کی خبر نہیں ہے، لیکن
 میرے قدموں کی خاک میرے جان کے عوض بھی نہیں دے گا

۳۹۷

تو اٹک اور آہ سرد کا ہدم ہو گیا
 آخر اسے دل تو تمام درد ہو گیا
 جا اور کسی سے تعلق پیدا کر
 یہ کون سا کمال ہے کہ سب سے الگ ہو گیا
 شمع (تو) ہاتھ میں عصا شمشیر اڑکتا ہے
 اسے محبت تو بھی مرد بن گیا
 (اے) دل تہ بازار لوگوں کے لیے
 رفتہ رفتہ تو کو چہ گرد ہو گیا ہے
 شاید اے میرے (تو نے) عشق اختیار کیا ہے
 جو اتنا ناتواں اور زرد ہو گیا ہے

۳۹۸

اے مست، ناز خود پر اتنا غرور
 کبھی عاشقوں کے غم تک بھی پہنچ
 یہ تیری قائل چشم کی تازہ اختراع ہے
 غنوں میں لڑھکاتا اور اس طرف نہ دیکھتا
 وہ مہزہ ہوں کے ٹپکتے ہی پاہل ہو گیا
 میرے بھلت میں غیبی کے ساتھ آگن نہیں تھا

صد فصل گل گذشت در این گشتاں مرا
 یک دم نہ شد بہ کام میسر پدیدے
 اے گل بہ حرف بلبلی شوریدہ گوش دار
 دارد حکایت غم عاشق شنیدے
 در آرزوئے بوی تو از جاں گذشتہ ایم
 آئی اگر بہ تربت ما لب گزیدے
 تا کہ دریدہ جیب بہ ہر کوچہ گشتے
 یک چند میر پاے بہ دامن کشیدے

۳۹۹

حرفے کن دے یارب بہ ترک سر بہ سر کینے
 کہ از خون خود افشاں کردہ آید دامن زینے
 الہی رہل خاصے با گل اندازے ہم خودے
 دل شادے، غم خوش بیانے، شہر رنگینے
 چساں ماند بہا در مہد او رسم مسلمانے
 غرامش خصم ایمانے، کلامش رہزن دینے
 نہ خواہد رفت داغ مرگ او تا زندگی از دل
 در ایں صحرائے وحشت بود بھوں یار دیرینے
 ز غم صد بار تالیدم، یکے نشنیدہ فریادم
 گل ایں باغ دارد ہم نوایاں گوش سکینے
 کہ و بے گاہ نحو بخوبی و رعنائی خوش ای
 نیاد در نظر آئینہ را ہم چوں تو خود بینے
 نہ باید میر از سوز درونت ایں قدر غفلت
 اہم است از بے گری دل تدبیر تسکینے

۵۰۰

برآوردی خط و لیکن نمی بینم ز تو روے
 نمی دامن چہ در گوشت دمید اے شوخ بدگوے

اس گلستان میں مجھ پر صد فصل گل گزر گئی
 (مگر) ایک پتی بھی خواہش کے مطابق اڑنا نصیب نہیں ہوا
 اے گل بلبل شوریدہ کی بات سن
 عاشق کے غم کی حکایت سننے کے لائق ہے
 (ہم) تجھے چومنے کی آرزو میں جاں سے گزر گئے ہیں
 اگر ہماری قربت پر آئے (تو افسوس میں) ہونٹوں کو کاٹا ہوا آئے
 کب تک کریں چاک ہر کوپے میں گزرتے رہنا
 تھوڑا سا سیرتیر کو دامن پر کھینچ

۳۹۹

یارب تھوڑی دیر کے لیے (اُس) سر پر سر کیڑہ ترک کو میرے مقابل کر
 جو اپنے ہی خون کو دامنِ زمین پر افشاں کر کے آتا ہے
 الٹی ایک بالکل حور (کی طرح) گلِ اندام سے ربطِ خاص
 (جو) شاد دل، خوش بیاں، ندیم، رنگیں شعر (کی طرح) ہے
 اس کے عہد میں اسلام کی رسم کہاں باقی رہ سکتی ہے
 اس کا خرام ایمان کا دشمن، اس کی گفت گو دین کی رہزن
 اس کی موت کا داغ دل سے زندگی بھر نہیں جائے گا
 اس وحشت کے صحرا میں بچوں ایک یار و مرید تھا
 غم سے سو ہار دیا، کسی نہ بھی میری فریاد نہیں سنی
 (اے) ہم نواؤ، اس بارغ کے گل سنگین گوشِ اجیں
 (تو) گاہ دے گاہ اپنی خوبی اور رعنائی (کو دیکھئے) میں سو ہے
 آئینے کی نظر میں تجھ جیسا خود بین نہیں آیا
 میر (تجھے) اپنے سوز و دردوں سے اس قدر غفلت نہیں (کرتی) چاہیے
 دل میں جوشِ محبت کے لیے تسکین کی تدبیر اہم ہے

۵۰۰

حیرا خطِ ظاہر ہو گیا مگر میں نے تیرا چہرہ (ایک بار بھی) نہیں دیکھا
 (میں) نہیں جانتا اے شوق کہ کسی بدگو نے میرے کان میں کیا بھونکا ہے

تھایا روزِ محشر درگذر از لطفِ بے پایاں
 ز جرمِ بودیا پاشاں بہ حقِ آتھیں خوے
 خردِ حسن و خوبی دل نہ داد آں شوخ را در نہ
 بہ اندک لطفِ راضی می شدے چوں من تکِ روے
 بہ دورِ خطِ آں سرمایہ جاں با چہ ہا دیم
 دلے ہر گز نیاوردم بہ روئے او سرِ موے
 گریزے محبتِ میر از مرگ اتا آرزو دارم
 کہ اقلدِ اتفاقِ مردانِ من بر سرِ کوے

۵۰۱

میرؔ ہر لحظہ چشمِ تر داری
 روئے خوبے کہ در نظرِ داری
 بر دورِ محسوسِ نفیس کہ آسانی
 سختِ دورِ سرِ است سروداری
 پلِ بہ حالِ خودم، نہ باید داشت
 از من امیدِ نازِ برداری
 دستِ از جاں ہٹو کہ شرطِ افتاد
 در محبتِ دلا جگرِ داری
 ہر سحرِ گرمِ تالہ ای بلبل
 بوزکِ ز آں گلِ تو ہم خبرِ داری
 نہ شوی اے شرابِ خانہ خراب
 ہر طرفِ عالمِ دگر داری
 عبرتِ از سرگذشتِ قاروں گیر
 بدچالے ست میرؔ زبرداری

خدا یا رازِ محشر میں لفظ ہے پایاں سے معاف کر دے
 یوریا پوشوں کے جرم کو ایک آنکھیں خو کے صدقے میں
 حسن و خوبی کے غرور نے اس شوخ کو اجازت نہیں دی ورنہ
 تموژی سی مہربانی سے مجھ جیسا ننگ رو' راض ہو جاتا
 اس سرمایہ جان کے خط کے دور میں کیا کیا دیکھا
 لیکن اس کے منہ پر کچھ نہیں کہا
 مرنے سے گریز نہیں ہے میر لیکن آرزو رکھتا ہوں
 کہ میرے مرنے کا موقع کسی کے کوچے میں آئے

۵۰۱

میر (تو) ہر لحظہ آنسو بھری آنکھیں رکھتا ہے
 کس کا خوبصورت چہرہ نظر میں رکھتا ہے
 کسی کے در پر چڑھ جا کہ آرام کر سکے
 سر رکھنا سخت دوسرے ہے
 میں اپنے ہی حال میں بہت الہما ہوا ہوں، نہیں رکھنی چاہیے
 مجھ سے ناز برداری کی امید
 جان سے ہاتھ دھو لے کہ لازم کیا گیا ہے
 اے دل محبت میں جگر داری کو
 ہر صحر (تو) گرم نالہ ہے اے بلبل
 اس لیے کہ تو بھی اس گل کی خبر رکھتا ہے
 اے شراب خاند (تو) ویران نہ ہو
 (کہ) ہر ست ایک اور ہی کیفیت رکھتا ہے
 قادروں کی سرگزشت سے عبرت حاصل کر
 دولت رکھنا میر بڑی مصیبت ہے

۵۰۲

کرم از بادہ منع و نصیدی
 خواجہ، آخر فقیر گرویدی
 کوکبن است ترا عشق است
 ایں بلا را چہ سہل برچیدی
 دل عجب رساک بودہ ست
 حیف اوقات گر نہ فہیدی
 گفتن غم داغ می خواہد
 لطف کردی کہ حال پرسیدی
 میر نے زور و شتی نے زور
 چہ سراپہ عشق ورزیدی

۵۰۳

اے اٹک گر از دیدہ گریاں بد آئی
 یارب کہ چہ صد شیوہ طوفاں بد آئی
 خواہیم کہ یک جمعہ تو اے واحد مسہر
 از سے کدہ دستار پریشاں بد آئی
 تا کے چہ تہم رنج کشی جان الناک
 اے کاش از ایں منزل ویراں بد آئی
 دہم کہ پس از قتل من اے دشمن جاں با
 از معرکہ بسیار پشیمان بد آئی
 چوں میر دزد شیخ گریبان قبا را
 از خانہ اگر برزدہ داماں بد آئی

۵۰۴

از جدول شمشیر تو ہر سینہ کہا ہے
 دارد چہ دل خویش تمنا دم آہے

۵۰۲

میں نے شراب سے منع کیا تھا مگر تو نے نہیں سنا
 خواجہ، آخر تو فقیر ہو گیا
 کوئکن خیری ہمت کو شاپاش ہے
 اس بلا کو (تو نے) کتنی آسانی سے جھیلنا
 دل ایک عجیب کتاب تھا
 افسوس، اگر (اس کی) قدر تو نے نہیں جانی
 غم کا حال سنانے کے لیے ہوش چاہیے
 تو نے حال پوچھا تو مہربانی کی
 (تو اے) میرے زور رکھتا تھا نہ زور
 (تو نے) کس بھروسے پر عشق اختیار کیا

۵۰۳

اے اٹک اگر (تو) دیدہ گریاں سے باہر آتا ہے
 خدا کرے کہ (تو) سوطوقان کے انداز میں نکلے
 ہم چاہتے ہیں کہ ایک جہد تو اے داعیہ مصہد
 سے کدے سے بکھری ہوئی دستار کے ساتھ باہر نکلے
 (اے) جانِ اہل ناک کب تک (تو) میرے بدن میں رنج اٹھائے گی
 اے کاش (تو) اس منزلِ ویراں سے باہر نکل جائے
 جانتا ہوں کہ میرے قتل کے بعد اے جانوں کے دشمن
 (تو) معرکہ سے بہت پیشیاں باہر نکلے گا
 میری طرح شیخ (بھی) قبا کا گریاں چھاڑے
 اگر تو گھر سے دامن اٹھائے ہوئے باہر نکل آئے

۵۰۴

خیری شمشیر کی جہد دل سے ہر ایک جس کا سینہ جلا ہوا ہے
 اپنے دل میں ایک گھونٹ پانی کی تہنا رکھتا ہے

از دیر شعار من غم دیدہ سکوت است
 نے خواندن شعرے و نہ مذکور کتابے
 تا چند ہدی حال کے زندہ بماند
 یا چشم و خطابے ز تو یا ناز و عتابے
 صد بار ز بے تابانی دل نامہ نوشتم
 یک مرتبہ ممتاز نہ کردی بہ جوابے
 مگر چشم کشیم بہ نظر چچ نیاب
 ایں ہستی من ہر سر آب است جوابے
 روئے سخن از رشتی اعمال نہ دارم
 قلم است کہ از بندہ گیرند حسابے
 از میر بہ پرہیز کہ چوں او بہ جہاں نیست
 رسوا شدہ ام، در بہ درے خانہ خرابے

۵۰۵

مگر بہ قدر بے قراری بے قراری کردے
 از زمین تا آسمان فریاد و زاری کردے
 ہائے آدم ایں قدر ہم بے مروت می شود
 مگر چنین دانستے کے یا تو یاری کردے
 گر نمی کردم حیا زیں دین میراث پدر
 سحر را بکشتے، زہرداری کردے
 آہ از آن شوقے کہ بر من می گرفتے راہ و من
 با جہراں بخون دل دامن گذاری کردے
 کاش آگہ می شدم از ست عہدی ہائے یار
 تا بہ وقت دادن دل استواری کردے
 چند روزے شد کہ دل افسردہ ورنہ پیش از ایں
 در شب آویزد اکثر بادہ خواری کردے

دیر سے مجھ غم دیدہ کا شعار سکوت ہے
 نہ شعر پڑھتا اور نہ کسی کتاب کا ذکر
 کوئی اس حال میں کب تک زندہ رہے گا
 یا تیری طرف سے غصہ اور گالیاں یا ناز اور عتاب
 سو مہر چہ دل کی بے تابلی کی وجہ سے خط لکھا
 تو نے ایک بار جواب سے سرفراز نہیں کیا
 اگر آنکھ کھولتے ہیں نظر میں کچھ نہیں آتا
 میری یہ ہستی روئے آب پر حباب (کی سی) ہے
 (میں) اعمال کی ثرابی (کی وجہ) سے بولنے کی مجال نہیں رکھتا
 ظلم ہے کہ (اس) بندے سے حساب لیا جائے
 میرے دور وہ کہ اس جیسا جہان میں نہیں
 کوئی رسوا، درپہ در، خانہ خراب

۵۰۵

اگر میں بے قراری کی حد تک بے قراری کرتا
 زمین سے آسمان تک فریاد و زاری کرتا
 ہائے انسان بھی اتنا بے مروت ہو سکتا ہے
 اگر میں یہ جانتا کب تجھ سے یاری کرتا
 اگر (میں) اس میراث پدروین کا پاس نہیں رکھتا
 سب کو توڑ دیتا، زنجار داری کرتا
 آہ اس شوخ سے کہ جس نے مجھ پر راستہ بند کر دیا ہے، اور میں
 ہزاروں خون دل سے دامن گزاری کرتا ہوں
 کاش دوست کے وعدے کی تاپا ننداریوں سے آگاہ ہوتا
 تاکہ دل دیتے وقت (وعدے کی) پچھلی کا (عیال) کیا ہوتا
 کچھ دن سے دل افسردہ ہوں اور نہ اس سے پہلے
 (میں) جمعہ کی شب اکثر ہادہ خواری کیا کرتا تھا

شد مقہ نقش پا با چشم از آلودگی
کاش من ہم شیوہ خود خاکساری کردے
نیست این دیوانگی امروزہ، دتم سوئے جیب
آں زباں می شد کہ من دامن سواری کردے
مصلحت در ضبط خود می قلم آکنوں ورنہ من
دیدے سوئے تو و بے اختیار ی کردے
حالیہ نے سینہ کاوی نے جگر چاکی ست میر
یاد آئے کہ ہر دم تازہ کاری کردے

۵۰۶

رنگ ہا ہے تو دیدہ اند ہے
جامہ در خوں کشیدہ اند ہے
من نہ دیں باغ داغ پر جگر ام
گل بدیں رنگ چیدہ اند ہے
یک رہ اے ماچہ حیات برس
کہ ہر مردن رسیدہ اند ہے
از چے رفقاں ہلاک مشو
آں غزالاں رمیدہ اند ہے
چند روزے مزاج گوئی کن
میر صاحب کبیدہ اند ہے

۵۰۷

ما را ولے ست در بر آئینہ دار نازے
مستغنی المراء ہے، از خلق بے نیازے
در یزم ما نشینی افسردہ چند زاہد
شعرے پہ شد و تھے، وجدے پہ سوز و سازے

ما جزی سے نقش پا آنکھوں سے مغنہ ہو گیا
 کاش میں بھی اپنا شیوہ خاکساری (اختیار) کرتا
 یہ دیوانگی آج کی نہیں ہے، میرا ہاتھ گریباں کی طرف
 اس زمانے میں (بھی) تھا جب میں دامن سواری کرتا تھا
 اب اپنے آپ کو قابو میں رکھنے میں مصلحت سمجھتا ہوں، ورنہ میں
 تیری طرف دیکھتا تھا اور بے اختیار ہو جاتا تھا
 اب نہ سید کاوی، نہ جگر چاکی ہے میر
 ان دنوں کو یاد (کرتا ہوں) کہ جب ہر وقت تازہ کاری کرتا تھا

۵۰۶

(لوگوں نے) تیرے بغیر بہت سے رنگ دیکھے ہیں
 اور جاسے کو ٹخن میں بہت رنگ ہے
 میں (ہی) اس بارغ سے جگر پر داغ نہیں رکھتا ہوں
 گل نے بھی ایسے ہی بہت سے رنگ پتے ہیں
 ایک بار اسے ماپے حیات پہنچ
 کہ بہت سے مرنے کے قریب پہنچ گئے ہیں
 جانے والوں کے لیے جان مت دو
 وہ غزال بہت دور جا چکے ہیں
 کچھ دن اچھی طرح چش آ
 میر صاحب بہت ٹھنکین خاطر ہیں

۵۰۷

ہمارا دل ایک ناز کے آئینہ داری آغوش میں ہے
 (جو) بے پردہ احراج، غلق سے بے نیاز (ہے)
 (اے) زارہ، (تُو) ہماری بزم میں کب تک افسردہ بیٹھا رہے گا
 شہدے سے کوئی شعر (چڑھ) سموز و ساز سے کسی وجد (میں آ)

گردش سپهر دارد حسب اشارت او
چون روزگار نبود امروز طاس بازے
یک بار شب نغمیاں از من توان شنیدن
دارم چه لب از آن سو افسانہ درازے
تو شاد زندگی کن از غم ترا فراغ است
من چون زیم کہ دارم اندوه جاں گدازے
در عشق جامہ زیاں ناکام بس کہ مانع
دارد ز خون خواہش دامان دل طرازے
شاید کہ بر نہ خیزد چوں من از این بیاہاں
بے پا و سرخراہے، آوارہ، ہرزہ تازے
مشکل اگر بدیں ساں این رنجد دیر مانع
ہر لحظہ می تراود از چاک سینہ رازے
شد کشتہ میر و افسوس از کثرت خلافت
دخم نہ داد ہرگز بر نقش او نمازے

۵۰۸

ہر زماں غم می خودی ہر دم ملالت می کشی
اے سرت گردم، نمی دارم چه حالت می کشی
داشتن ہر دم زباں زیر زباں خوب نیست
یاد باشد حرف من آخر خیالت می کشی
رو چه غنچے کن کہ زنگ از دل برد در یک دم
ورنہ چند آئینہ ساں رنچ مصالت می کشی

۵۰۹

دارم کہ پس از مرگم رشادہ چہ خون شونی
بسیار ز من گوئی، بسیار مرا جوئی
میر از چه نمی جوئی، تا جیست کہ خاموش ای
یک شعر نمی خوانی، یک حرف نمی گوئی

اس کے اشارے کے مطابق آسمان گردش کرتا ہے
 زمانے کی طرح آج کوئی شعبہ باز نہیں ہے
 شب نہیں ایک بار (تو) مجھ سے سن سکتے ہیں
 (میرے) لب پر اس کی زلف کا دراز اٹھانہ ہے
 تو شاد زندگی کر تجھے غم سے فراغ ہے
 میں کیسے زندہ رہوں کہ جاں گدا غم رکھتا ہوں
 (میں) چاند زمیوں کے عشق میں نہایت ناکام رہ گیا
 خواہش کے خون سے دل کے دامن پر (الگ ہی) نقش و نگار (ہے) ہیں
 شاید کہ مجھ جیسا اس بیاباں سے کوئی اور نہ اٹھے
 شکست پا اور سر خراب، آوارہ، ہرزہ تاز
 مشکل (ہو جائے گی) اگر یہ دہشت ویر تک اسی طرح باقی رہ گیا
 ہر لحظہ سینے چاک سے راز ٹپک رہا ہے
 میرے قتل ہو گیا اور افسوس کثرتِ خلافت سے
 اس کے جنازے پر مجھے نماز میں ستر نہیں ہوئی

۵۰۸

(تو) ہر وقت غم کھاتا ہے ہر دم جھڑکیاں ملتا ہے
 اسے تیرے سر کے گرد پھروں، نہیں جانتا (کہ تو نے) کیا حالت بنائی ہے
 ہر وقت طرح طرح کی باتیں کرتے رہنا اچھا نہیں
 میری بات یاد رہے، آخر (تو) ظلمات اٹھانے کا
 ایسے شخص کی طرف رخ کر کہ ایک دم میں تیرے دل سے جنگ کو دور کر دے
 (تو) کب تک آئینہ کی طرح صقلیل ہونے کی تکلیف اٹھاتا رہے گا

۵۰۹

جانتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تو رخسار کو خون سے دھوئے گا
 میرا بہت ذکر کرے گا، مجھے بہت تلاش کرے گا
 میرے کیوں دلولہ نہیں دکھاتا، کیا بات ہے کہ (تو) خاموش ہے
 ایک شعر نہیں پڑھتا، ایک حرف نہیں کہتا

۵۱۰

اے برقِ دہش ز شوخی دل را کھاپ داری
از عمر ہم عزیزای لیکن شباب داری
گر دل پہ دل رہاے چاہے نہ دادہ ای تو
بہر چہ میر ہر دم چشم پر آب داری

۵۱۱

از مجیدین سبب رنج و عنا گردیدی
آخر اے دل غلّہ پہلوئے ما گردیدی
من نمی گفتت اے میر کہ ترک سے گیر
گفتت من نہ شنیدی و گدا گردیدی

۵۱۲

ما حرام تو کام نکھو دے
گر پری آدی دہش ہو دے
دیم احوال میر و داغ شدم
کاش مردے و عشق مہو دے

۵۱۳

داریم دے غول شدہ میر و دغاے
ہر لمحہ از اور رنج و ہر لحظہ ہلاے
اے رفیقِ مقصود توکل کن و بخشش
کز پائے طلب ما نہ رسیدیم بہ چاہے

۵۱۴

مگر تو اے پردانہ زیں ساں جرد من می کنی
چوں چراغ صبح گاہی خانہ روشن می کنی

۵۱۵

خدا کند کہ تو ہم رفیقِ کسے گردی
برائے دیدنش اے بے وفا ہے گردی

۵۱۰

اے برق و ش تو نے شوقی سے دل کو (جلا کر) کھاب کر دیا
تو زندگی سے بھی (زیادہ) عزیز ہے لیکن تجھے جلدی ہے
اگر تو نے دل کو کسی جگہ ایک دل رہا کو نہیں دیا ہے
(پھر) کس لیے (اے) میرؔ ہر دم حیرؔی چشم پر آب رہتی ہے

۵۱۱

ترسپنے سے (تو) رنج و تکلیف کا سبب بن گیا
آخراے دل (تو) ہمارے پہلو کا کاٹنا بن گیا (ہے)
میں نے تجھے نہیں کہا تھا اے میرؔ کہ ترک شراب اختیار کر
میرا کہا نہیں سنا اور فقیر ہو گیا

۵۱۲

حیرے غرام سے مقصد حاصل نہ کر پاتی
اگر پری آدمی کی طرح ہوتی
(میں نے) میرؔ کا حال دیکھا اور غم زدہ ہوا
کاش (وہ) مر جاتا اور عشق کا اظہار نہ کرتا

۵۱۳

ہم مہر و وفا سے خون ہوا دل رکھتے ہیں
ہر لمحہ (اس کی وجہ) سے رنج اور ہر لحظہ بلا ہے
اے مقصود کے عاشق تو گل کر اور بیٹہ رہ
کہ پائے طلب سے ہم (تو) کسی جگہ نہ پہنچے

۵۱۴

اے پروانے اگر تو اسی طرح میری بیرونی کرے گا
چراغ صبح کا ہی کی طرح گھر کو روشن کرے گا

۵۱۵

خدا کرے کہ تو بھی کسی کا عاشق ہو جائے
اسے دیکھنے کے لیے اے بے وفا بہت پھرے

۵۱۶

دل اگر با من دو روزے ساختے
عشقِ خواباں کے چنیں بہانے

۵۱۷

شدم بیزار از عشقِ مجازی
نمی آید ز من این بچہ بازی

۵۱۸

خدا تکرہ شاید ربطِ دل با چوں خودے داری
کہ بے تابانہ چوں من ہر زماں آمد خودے داری

۵۱۹

مرا بس بود از پئے سیر و کشتے
گر بیان کو ہے و دلمان دشتے
من اے ظلم کیجاں ز جاں دستِ شستم
بیارید نعلے و میٹے و طشتے
بہ ہر حرف دشتے زدے میر بہ سر
شنیدم از او شبِ عجب سرگذشتے

۵۲۰

مرد آمدن نقشِ نگارانِ جیں بے
صورت نہ بست چہرہ خوب تو از کے

ضمیمہ زویدف (۱) اشعار منسوخ

تاب کو رفکانِ بے دل را
کہ کیرند راوِ قائل را
از غریبے چہ من چہ آگاہی
خاک افتادگانِ ساحل را

۵۱۶

دل اگر دو دن میرے ساتھ نباہ کر تا
خواباں کا عشق کب مجھ پر اس طرح بدخلق لاتا

۵۱۷

میں عشق مجازی سے ہزار ہو چکا ہوں
مجھ سے یہ بچہ بازی نہیں ہوتی

۵۱۸

خدا نہ کرے شاید تجھے کسی اپنے جیسے سے رہا دل (ہو گیا) ہے
کہ میری طرح ہر وقت بے تابانہ آتا جانا لگائے رکھتا ہے

۵۱۹

مجھے میر اور گشت کے لیے بہت تھے
ایک کوہ کا گریباں اور ایک دشت کا دامن
میں نے اسے قائلوا جان سے ہاتھ دھویا ہے
نظر افشانی اور طشت لے آؤ

ہر بات پر میر ہاتھ سے سر ہٹاتا تھا
رات (میں نے) اس سے عجب سرگزشت سنی

۵۲۰

بچپن کے بہت سے نقش نگار یک جا ہوئے
تیرے خوب چہرے کی تصویر کسی سے نہیں بنی

ضمیمہ ردیف (۱) اشعار منسوخ

تا امید عاشقوں کو تاب کہاں
کہ قاتل کا راستہ روک سکیں
میرے جیسے ڈوبنے والے کی کیا خبر
مائل کے خاک المذاکوں کو

آہوانی حرم چہ می دانند
 ذوقی رزم شکار بھل را
 شدہ جیسے بلند، کشتہ شدیم
 ما نہ دیدیم روئے قاتل را
 از تپش چاہی من بہ درد آورد
 چہ بلا زد نہ دامن این دل را
 کس بہ آں محلی ناز نہ گفت
 مشکل این غراب منزل را
 چہ گویم ز فرط شوق جے
 بندہ ام آں خدائے ہاٹل را
 زان چہ وہ دشت رفت بر مجھوں
 چہ خبر پردگی محل را
 چوں گھر می برم بہ خود زیں بحر
 گرو سبب کار مشکل را
 از دل و جان مہرورزاں پس
 کیئے آں جوان چاہل را
 سر کن اشعار ماتم دل میر
 بر نحوای واقعات متقبل را

ضمیمہ کردیف (د) اشعار منسوخ

ہر کہ بر حال من مت نظر خواہد کرد
 درد مندانہ زبان جزو تر خواہد کرد
 میر اے شیخ قدم بر قدمت رو نہ رود
 از سر کوچہ ترا دست بہ سر خواہد کرد

آہواں حرم کیا جانتے ہیں
 نکار بکس کے دھم کا سرو
 تیغ بلند ہوئی، ہم قتل ہو گئے
 ہم نے قاتل کا چہرہ نہیں دیکھا
 تجش سے جاں درد میں جھٹکا ہو گئی
 اس دل کو کس بلانے مارا نہیں جانتا
 کسی نے تاز کے اس مصل ٹٹیس کو نہیں بتایا
 اس ویران منزل کی مشکل کے بارے میں
 (ایک) بت کے لیے (اپنے) فرط شوق کا کیا کہوں
 (میں) اس خدائے باطل کا بندہ ہوں
 اس کی (کہ) دشت میں بھٹوں پر کیا گزری
 محفل کی پردگی کو کیا خبر
 اس بحر میں کبر کی طرح اپنے ساتھ لے جاتا ہوں
 مشکل کے کام کی حلت گرہ کو
 عشق اختیار کرنے والوں کے دل و جان سے بچ چہ
 اس نازان جوان کے کہنے کو
 میرے دل کے ماتم کے اشعار شروع کر
 مقابل اکے واقعات مست پڑ چہ

ضمیمہ ردیف (د) اشعار منسوخ

جو بھی مجھ بحث کے حال پر نظر کرے گا
 درد مندی سے زبان مڑو کرے گا
 میرا اے شیخ، حیرے قدم پہ قدم راہ نہیں چلتا
 (وہ) کوچے سے تجھے دست پر کر دے گا

رباعیات

۱

گر بخت شود یارِ روم در کعبہ
از شوق پہ ہر سوے روم در کعبہ
بر قوتِ پا ضعف چو غالب آید
رو سوئے خدا خاک شوم در کعبہ

۲

اے ختمِ رسل چارہ ندارد دردم
بخشائے کہ جرم بے نہایت کردم
بر چہرہ زرد خونم آید ہر دم
یعنی کہ ز فرطِ شرم سرخ و دردم

۳

کوٹای اگر نمی کنند عمرِ دراز
ایں مرتبہ میری روم سوئے تراز
ان شاء اللہ قطرہ زن گریہ کنان
بر خاکِ مدینہ ی خیم روئے نیاز

۴

خشے در رونو حشر داریم از تو
خواہم خطِ شفاعت آریم از تو
نوسید در آن مہلکہ ما را مگذازد
اے سیدنا امید داریم از تو

۵

خواہم کہ روم گریہ کنان سوئے صغف
داں پیش کہ فرصت برود میر ز کف
تا حشر پہ جاں منت از او خواہ بود
گر چرخ در آن خاک مرا کرد تلف

۱

اگر قسمت میری یاوری کرے گی کعبہ میں جاؤں گا
شوق سے ہر طرف کعبہ میں سعی کروں گا
جب پاؤں کی طاقت پر ضعف غالب آ جائے گا
خدا کی طرف رخ کر کے کعبہ میں خاک ہو جاؤں گا

۲

اے ختم رسلؐ میرے پاس درد کا چارہ نہیں ہے
بہش دے کہ میں نے بے اختیار جم کیے ہیں
میرے درد چرے پر خون ہر دم آتا ہے
یعنی کہ فرما شرم سے سرخ و زرد ہوں

۳

اگر عمر دراز کو تاجی نہ کرے
اس بار میرے سونے تاج جاتا ہوں
ان شاء اللہ آنسو بہاتے، گریہ کرتے ہوئے
ما جزی سے خاک مدینہ پر سر رکھوں گا

۴

روزِ حشر تجھ سے امید رکھتے ہیں
چاہتے ہیں کہ تجھ سے شفاعت کا پر دان لے آئیں
ہمیں اس پہلکہ^۱ میں نا امید مت چھوڑ
اے سیدنا تجھ سے امید رکھتے ہیں

۵

چاہتا ہوں کہ گریاں کناس سونے نجف جاؤں
اس سے پہلے کہ مہلت ہاتھ سے نکل جائے
حشر تک اس کا (میری) جان پر احسان رہے گا
اگر آسمان مجھے اس خاک میں مٹا دے

۶

قصده دارم کہ کر بلا را تنم
و آں مرقعہ پاک مرقعہ را تنم
ز آں جا بہ ہمیں چشم سر ار عمر یو
خاک تر پائے مصطفیٰ را تنم

۷

یارب بہ حق حسینؑ جرم بگذار
و ز خاک سیاہ بند زودم بردار
آیم چہ گدایانہ من اندر عرصات
و تم بہ کلبہ شاہ شہیدانؑ ہمار

۸

اے غم رسلؑ سخت و آزارم من
بے چارہ و بے یار و بے دارم من
غیر از تو شفیع خود نہ ہندارم من
بس پیش کہ ایں روئے سہ آرام من

۹

یارب مگذار بے کس و بے پا را
آں دم کہ نہ داریم بہ محشر طارا
نیکی چہ بہ جائے کس نہ کرویم ایں جا
آں جا بہ حسنؑ بخش گناہ ما را

۱۰

مسلم ہر چند مجرم و بد باشد
شانہ بخشش بے حد باشد
از گری خوردنیہ قیامت چہ غم اش
او سایہ زو لطف محمدؐ باشد

۶

قصہ رکھتا ہوں کہ گر بلا کو دیکھوں
اور مرغیؑ کے اس پاک مرقہ کو دیکھوں
اس جگہ اگر زندگی رہے اپنی انہیں آنکھوں سے
مصطفیٰ کے پیروں کے نیچے کی خاک کو دیکھوں

۷

یارب حسینؑ کے واسطے میرا جرم معاف کر دے
اور مجھے ہند کی خاک سیاہ سے جلدی اٹھا
جب میں گدا یا نہ قیامت (کے دن) آؤں
میرا ہاتھ کعبہ شام شہیدانؑ کے سپرد کر

۸

اے ختمِ رسلؑ میں سخت آزار میں ہوں
بے چارہ اور بے یاد اور بے یار ہوں
میں حیرے سوا (کسی کو) اپنا شفیع نہیں سمجھتا
سو میں یہ روئے سیاہ (لے کر اور) کس کے سامنے جاؤں

۹

یارب بے کس و بے پا کو مت چھوڑ
اس وقت جب ہمیں جہنم میں یار نہیں ہوگا
(اس کے باوجود) کہ ہم نے یہاں کسی جگہ پر (کوئی) نیکی نہیں کی
اس جگہ حسنؑ کے صدقے میں ہمارا گناہ بخش

۱۰

مسلمان ہر چند کہ مجرم اور برا ہو
بے حد بخشائش کے قابل ہے
اسے غور شیخ قیامت کی گرمی کا کیا فہم
وہ محمدؐ کی مہربانی کے سایہ میں چلنے والا ہوگا

۱۱

رہے اے خضر گم رہاں بر عالم
 کز رفتن کارواں چھا پالم
 حجابی و کم پائی و منزل بس دور
 رہے چہ جس ی روم و ی عالم

۱۲

یو آں چہ نہ دیدنی در ایں جا، دیدیم
 مکروہ کشیدیم و بلایا دیدیم
 انکوں اے میر چشم باید پوشید
 دنیا دیدیم و اہل دنیا دیدیم

۱۳

منعم تا کے غرور مال و اسباب
 دیروز نہ دیدی مگر اے خانہ خراب
 شور من و ما یو کساں را کہ بہ سر
 رفتند از ایں فساد بکمر در خواب

۱۴

تا بہت ای اے عشق تو ما را بر کار
 داریم دام بے قراری در کار
 ہر چند بہ صبر دل گمراہید و لے
 آں جنس نہ یو بہت ایں سرکار

۱۵

دیرے ست کہ غیر را تو بخواند ای
 دہ کیں بہ من اش ولیرت ساعت ای
 اے ترک سیاہ چشم شرمست باوا
 آہوئے حرم پیش سگ اندامد ای

۱۱

اے گمراہوں کے مہر میرے حال پر رحم
 کہ کارواں کے چلے جانے سے جفا کا پامال ہوں
 تنہائی اور کم پائی اور منزل بہت دور
 راستے میں جرس کی طرح جاتا ہوں اور روتا ہوں

۱۲

جو کچھ دیکھنے کے لائق نہیں دیکھنا تھا، اس جگہ دیکھا
 تاپسند کو پروا شست کیا اور بہت سی بلائیں دیکھیں
 اب اے میر آنکھیں موند لینی چاہئیں
 دنیا کو دیکھ لیا اور اہل دنیا کو دیکھ لیا

۱۳

(اے) مالدار کب تک مال و اسباب کا غرور
 تو نے اے خاندانِ غراب گزشتہ کل کو نہیں دیکھا
 جن کے سر میں من و ما کا شور تھا
 اس فسانے سے بکسر خواب میں چلے گئے

۱۴

جب سے اے عشق تو نے ہمیں کام پر معذور کیا ہے
 (ہم) ہمیشہ بے قراری سے کام رکھتے ہیں
 ہر چند دل صبر کی طرف مائل ہوا لیکن
 وہ جنس اس سرکار سے متعلق نہیں تھی

۱۵

قدت سے تو غیر کو پالے ہوئے ہے
 اور دشمنی میں اس کو میرے خلاف اور زیادہ دلیر بنا دیا ہے
 اے سیاہ مست ترک تجھے شرم آنی چاہیے
 آہوئے حرم کو کتے کے آگے ڈال دیا ہے

۱۶

کفتم کہ ہے اے سبب آسائش
ایمان مرا زب وہ و آرائش
گفتا کہ ز بے صفت شرے نیست
با ایں لب و لہج میر ایں فرمائش

۱۷

از تازہ و میدان خط آں رخسار
افتاد ز لکر سیم سبزہ یک ہار
بکبود صبا چوں کرہ کیسوی ہار
شد سنبل تر سوئے دماغ گلزار

۱۸

جاں می روم بہ شوق روئے چو ہمیش
در بخت نہ بود دیدن جلوہ کبیش
گر عزت من کنتہ یاماں پس مرگ
سازد صمیم کفتم خاک ریش

۱۹

جز جزو رقیب چوں بہ گوئے تو نہ دید
جاں داد ز غم میر و بہ سوئے تو نہ دید
غیرت عفاک را چنیں می باید
در روز وصال نیز روئے تو نہ دید

۲۰

سگ است بہ نوک مژہ سقن آساں
اتا نہ بود عشق نہفتن آساں
زین مشکل سخت کس بہ اور بچ نہ گفت
حرے ست کہ گفتہ اند گفتن آساں

۱۶

رات میں نے کہا کہ اسے راحت کا سبب
میرے ایماں کو زہب دے اور (اس کی) آرائش کر
(اس نے) کہا کہ اپنی حماقت پر تجھے شرم نہیں آتی
اس اب ولہجہ کے ساتھ میرے یہ فرمائش

۱۷

اس رہنما پر تازہ عطر نکلنے سے
سبزے کی میر کا خیال یا نکل جاتا رہا
صبا نے جب گیسوئے یار کی گرہ کھولی
سنبل تر گلزار کا موئے داغ اہو کیا

۱۸

تیرے چاند جیسے چہرے کے شوق میں جان جاتی ہے
قسمت میں بھی اس کا جلوہ دیکھنا نہیں تھا
اگر میرے مرنے کے بعد (میرے) دوست میری قدر کریں
اُس کے راستے کی خاک کو میرے کفن کا صبر بنا لیں

۱۹

جب (اس نے) رقیب کے ظلم کے سوا تیرے کو بچے میں کچھ (اور) نہیں دیکھا
میر نے غم میں جان دے دی اور تیری طرف نہیں دیکھا
عاشقوں کی طہیرت اسی طرح ہوتی چاہیے
وصل کے روز بھی (اس نے) تیرا چہرہ نہیں دیکھا

۲۰

بھڑک چکوں کی ٹوک سے پروتا آسان ہے
لیکن عشق کا چھپانا آسان نہیں ہوتا
اس سخت مشکل کے بارے میں کسی نے اسے کچھ نہیں بتایا
کہا جاتا ہے کہ وہ بات جو کہی گئی ہے، کہنا آسان ہے

۱ رمان کا بال بھنی، بال، تانہ، پودہ، پتہ۔

۲ ایک نیک خوشبو کا نام جو زعفران، صندل اور گلاب کو ملا کر تیار کر کے کپڑوں پر چڑھایا جاتا ہے۔

۲۱

بے شطہ رخاں میرؔ پہ خود در جنگ ایم
 داغ ایم و جگر سوختہ و دل تنگ ایم
 لطفہ کہ ما سید کہا بان وفا
 پرواہ دلبران شمع رنگ ایم

۲۲

اے میرؔ تو در دامن آں مست آویز
 تا از پئے نونت بودش دست آویز
 از دور چہ می خوری خدنگ جوش
 نزدیک برو کہ او کندت شست آویز

۲۳

اے دامن میرید از آں سرکش
 نخوں کردان میرؔ چوں مقدر کش
 آویختہ از تپش بے جا رنجش
 ابرو کج بامتہ، مژہ برکش

۲۴

دیدار تو ہر کہ را جیتر کش
 بگویدہ فقیری و پہ ہر در کش
 مالید پہ رو خاک و تند در پوشید
 آہینہ نہ دیدی کہ قلندر کش

۲۵

گیرم کہ پہ دل غم نہانے داری
 ہم جسم خوار و ناتوانے داری
 افغان خیزاں برو پہ ہسل کاہش
 اے صید زبوں، هنوز جانے داری

۲۱

شعلہ رخوں کے بغیر میر (ہم) اپنے آپ سے جنگ میں ہیں
 داغ ہیں، بگڑ سونچ اور دل تلک ہیں
 مختصر اہم وفا سے جلا ہوا سید رکھنے والے
 شمع رنگ اکے دلبروں کے پر دانے ہیں

۲۲

اے میر تو اس مست کے دامن کو چھیڑ
 تاکہ اے تیرے خون کے لیے جوازل جانے
 دور سے کیا اس کے ستم کے تیر کھا رہا ہے
 ٹوڑیک جاتا کہ وہ تجھے شست آویزہ^۱ کر دے

۲۳

اے دانے اس سرگشتہ^۲ کی (ہایت) مست بچ چو
 میر کا خون کرنا جب مقور ہو گیا
 اس کی جلا سب تل کھائی ہوئی زلف بکھری ہوئی (تھی)
 چوری چوری ہوئی (تھی)، نکھرے پھری ہوئی (تھیں)

۲۴

جس کو تیرا دیدار میسر ہوا
 (اُس نے) فقیری اختیار کی اور ہر دروازے پر پھرا
 منہ پر خاک ملی اور کھیل بدن پر ڈالا
 (تو نے) آئینہ نہیں دیکھا کہ قتلہ^۳ ہو گیا

۲۵

مان لیا کہ تیرے دل میں فہم نہاں ہے
 اور حیرا جسم بھی نثار اور ناتواں ہے
 اس کی ہل گاہ تک گرتے پڑے پہنچ
 اے مسید زبوں ابھی ابھی تجھ میں جان ہے

^۱ سیاہی مانگ بھر رنگ۔

^۲ سزا کا ایک طریقہ جس میں آدمی کو انگوٹھوں سے لٹکا دیا جاتا ہے۔

^۳ حیران، ہلکا ہوا۔

۲۶

تا بود شباب میرزائی کرم
طاقت ہمہ صرف خوش نمائی کرم
در شیب کتب خاک چہ رو بالیدہ
چندے در کوئے او گدائی کرم

۲۷

از عجز درود بس مہای کردی
درویشی من بدل چہ شای کردی
چشم شدہ بود با سفیدی نزدیک
اے نامے یار خوش سیای کردی

۲۸

عزت طلسم، وقار خود غرہانم
سرکردہ فردا دل آگاہانم
بر ظاہر فقر من نگاہے نہ کنی
من صدیقینا مجلس شاہانم

۲۹

اے میر مر از دل وفا ی بودی
شائستہ انواع چہا ی بودی
اینانے زماں زار ترا ی کشتہ
تا حال در ایں عرصہ کیا ی بودی

۳۰

حمرے چہ نیاز شام پرداختہ ام
حمرے با گرے سحر ساختہ ام
چوں خوب چہ خود رسیدہ ام محبوب ام
دیرے ست کہ سر چہ پیش انداختہ ام

۲۶

جب تک شباب تھا (میں نے) ناز کیا
تمام طاقت (میں نے) غوش لڑائی میں صرف کی
بڑھاپے میں کلب خاک مٹھ پرٹے
بکھودن (میں نے) اس کے کوسے میں گدائی کی

۲۷

تو نے (اپنے) آنے کی عزت بخش کر (مجھے) اترا نے والا بنا دیا
میری درویشی کو شای سے بدل دیا
میری آنکھ سلیپی کے قریب تھی
اسے نامے یار، تو نے خوب سیاہی بخشی

۲۸

(میں) عزت طلب ہوں، اپنا وقار چاہنے والا ہوں
بیدار مغر لوگوں کے فرقہ کا سر کردہ ہوں
میرے خاہر فقر پر نگاہ مت کر
میں بادشاہوں کی مجلس کا صدر قلمیں ہوں

۲۹

اے میرا اگر تو اہل وفا سے ہوتا
طرح طرح کی جفا کے قابل ہوتا
دنیا والے تجھے بری طرح قتل کر دیجے
اب تک تو اس دنیا میں کہاں ہوتا

۳۰

ایک مدت سے شام کے نیاز میں مشغول ہوں
ایک مدت سے گر پہ سحر کے ساتھ نہا رہا ہوں
جب خود تک انجی طرح پہنچا ہوں، شرمندہ ہوں
مدت ہوئی ہے کہ سر سامنے جھکائے ہوئے ہوں

۳۱

راہے سر کن کہ ہے ملامت باشد
 نے آں کہ چو بگذری ندامت باشد
 وارفتہ حسنِ عمل امروز بشو
 فرداست کہ بر سرِ قیامت باشد

۳۲

شرے کن و ترک کن خداوانی را
 بردار چنیں بساط ایمانی را
 تسبیح چ کف چہ پی مے خانہ روی
 رسوا نمکن اے میرِ مسلمانِ را

۳۳

تیز نہ ماند ہرزہ تازی کرم
 اوقات بسر بہ لہو و بازی کرم
 ہر آن چو ناسازی انجام افزود
 چمکے من ہم زمانہ سازی کرم

۳۴

عریاں نہ لہاں نام و سنگت کروند
 شایان ہزار صلح و سنگت کروند
 کلداری اگر جامہ چہ سازی اے میر
 چسپاں پوشاں ہے بہ سنگت کروند

۳۵

نے شعر بخواند و نے ترنم کردہ
 نے نالہ کشیدہ نے محکم کردہ
 در رہ چو شدے ڈچار ساکت در ماند
 پیدااست کہ میرِ دست و پا گم کردہ

۳۱

اس راہ پر چل جس میں ملامت نہ ہو
اس کی طرح نہیں کہ جب گزر جائے (تو) ندامت ہو
آج حسن عمل کا عاشق بن
کل (ممکن) ہے کہ حیرے سر پر قیامت آجائے گا

۳۲

شرم کر اور خدا دانی کو ترک کر
ایسی ایمان کی بساط کو اٹھا
ہاتھ میں تسبیح لیے کب تک بے خانے کو جائے گا
اے حیر اسلام کو رسوا نہ کر

۳۳

قہر نہ تھی، (میں) فضولیات میں پڑ گیا تھا
ادھارت کو لہو دلہب میں بسر کیا
جب بھی اہم کی ناسازی پڑھی
کچھ دن میں نے بھی زمانہ سازی کی

۳۴

تجھے نام و ننگ کے لباس سے عریاں کر دیا
ہزار تلخ اور سنگ کے شایاں کر دیا
اگر چاہہ نہیں اتارا اے میر کیا کرے گا
نگ لباس پہنے والوں نے تجھے بہت ننگ کیا ہے

۳۵

نہ شعر پڑھا اور نہ گیت گایا
نہ نالہ کھینچا، نہ شور کیا
جب راستے میں سامنا ہوا خاموش رہ گیا
ظاہر ہے کہ حیر نے دست و پا کھو دیا

۳۶

مست انداز آں سراپا نازم
 بے خود شدہ ام ولے ہ او دم سازم
 در گردن اوست دست شوقم اکثر
 گوئی اے میر من صراحی ہازم

۳۷

مگر چہو بیارائی و مگر دوسازی
 گاہے ہ خط و خال سے پردازی
 آئی ہر دم ہ شکل دیگر در چشم
 اے آئینہ رو مگر تو صورت بازی

۳۸

حصص دل و دین اند و بلا ساز اند
 با ایں ہمہ راست کامتی کج باز اند
 امید سلوک میر از ایشان غلط است
 طفلان نیاز دوست، نحو ناز اند

۳۹

چوں شوق بیت و بت کدہ دافر گروید
 میر از حرم کعبہ مسافر گروید
 در اولی گام ترک اسلام نمود
 آخر ایں ترک سادہ کافر گروید

۴۰

با میر کسے نہ گفت در روز نخست
 کائنات کماں در پے خوں گردن قست
 از حیر جگر گدازش آخر جاں داد
 و ز تربت او لالہ پیکانی دست

۳۶

اس سراپا ناز کے انداز سے مست ہوں
بے خود ہو چکا ہوں لیکن اس کا دم ساز ہوں
اس کے گلے میں اکثر میرا دست شوق رہتا ہے
گویا کہ اے میر میں صراحی باز ہوں

۳۷

کبھی تو نے چہرہ نہ پایا اور کبھی جھینپ گیا
کبھی (اپنے چہرے کو) سیاہ خط و خال سے آراستہ کیا
ہر دم نئی شکل میں آنکھوں میں آیا
اے آئینہ رد و گھر تو صورت باز ہے

۳۸

دین اور دل کے دشمن ہیں اور ستم ڈھانے والے ہیں
اس تمام راست قاصدی کے باوجود نیز مٹی چال چلنے والے ہیں
میر ان سے نیک روی کی امید غلط ہے
نیا ز دوست لڑ کے باز میں گھوٹے ہوئے ہیں

۳۹

جب بت اور بت کدہ کا شوق بہت زیادہ ہو گیا
میر تحریم کعبہ سے روانہ ہو گیا
پہلے قدم پر ترک اسلام کیا
آخر یہ سادہ ترک کافر ہو گیا

۴۰

کسی نے میر سے روزِ اول نہیں کہا
کہ وہ سخت کہاں^۱ تیرا خون کرنے کے درپے ہے
آخر (وہ) اس کے جگر گزار تیر سے مرا
اور اس کی تربت سے لالہ پیکانی اگا

۱ بھڑکایا۔

۲ شہزاد۔

۳۱

تا کے ششوم آہ کرا یار بکشت
و ز جلی ستم یک دو سہ کس زار بکشت
از رنکب شہیدان تو حقوں گفت جگر
ایں درد مرا عاقبت کار بکشت

۳۲

حاجت بس پیش اہل دولت بردیم
کارے نہ کشود عرض غیرت بردیم
برگشتہ از ایں طریقہ آخر دم مرگ
حیدر کفتم و رو بہ جنت بردیم

۳۳

غش تا بہ کہا ز درد مڑگاں تر کن
برخیز افسانہ محبت سر کن
شد روز غمت شام بسوزاں راسخے
اسے میر چہ مردہ ای، چہ راسخے بر کن

۳۴

آں ام کہ ز عرش استوا ی آیم
یعنی ز حریم کبریا ی آیم
گر رعبہ من میر نہ دانی بر جاست
معلوم تو نیست کز کہا ی آیم

۳۵

از کج روی پہر، یاراں رقتہ
دو پردہ خاک، قلم گساراں رقتہ
ایں اہل چرخ دو نہ یابد یارب
کز سرکشیش چہ شہسواراں رقتہ

۳۱

کب تک سٹوں آویار نے کس کو مار دیا
اور قبیح قسم سے کن چند لوگوں کو بری طرح قتل کر دیا
حیرے شہیدوں پر رگسک سے جگر خون ہو گیا
آفر کار مجھے اس درد نے مار ڈالا

۳۲

(ہم) اہل دولت کے سامنے حاجت لے کر بہت ہار گئے
کام پورا نہ ہوا، عزت چلی گئی
آخروم مرگ اس طریقے کو چھوڑ کر
(ہم نے) حیدرؑ کہا اور جنت کی راہ لی

۳۳

غم سے کب تک غش، پتلیں تر کر
اللہ اور فسانہ محبت شروع کر
حیران و غم جلتے ہوئے داغ کی بدولت شام بن گیا
اے میرؑ کیا مردہ (ساپڑا) ہے، چراغ جلا

۳۴

میں وہ ہوں کہ عرش کے برابر سے آتا ہوں
یعنی حرم کبریا سے آتا ہوں
میرؑ اگر (تو) میرا رتبہ نہیں جانتا، بننا ہے
تجھے معلوم نہیں کہ کہاں سے آتا ہوں

۳۵

آساں کی کج روی (کی وجہ) سے دوست یار چلے گئے
غم گسار خاک کے پردے میں چلے گئے
یارب، یہ چراغ کا اہل ناقہ مراد ہے
کہ اس کی سرکشی سے کیسے کیسے شہسوار (جان سے) چلے گئے

۳۶

ایں جا کہ محیط بہت عشق ہائیک
لب خشک شدم پہ پیش ترک و تاجیک
کس مردی کاسے شربت نہ نمود
ناچار تکف شدم چہ آب باریک

۳۷

دل بہر چہ صرف بےقراری می شد
در خلق چہا رواج زاری می شد
دل خواہ ملاقات بہم می کردیم
اے کاہنے عشق اختیاری می شد

۳۸

بر خاک درت مانده کے روئے نیاز
می آید از آن خاک مرا بونے نیاز
معلوم نہ شد چچ کہ با این ہمہ ناز
از بہر چہ بآل شدہ ای سوئے نیاز

۳۹

اے غیرت حور محو غرورای چہ قدر
چہاں شدہ در عین ظہورای چہ قدر
برگو کہ ہبازم پہ صوری چہ قدر
خودیکہ دل ای و آہ دورای چہ قدر

۴۰

تکلم پہ سر از جور فلک می بارو
بر بہتر آرام خشک می بارو
از چشم من آب شور آید ہر دم
یعنی کہ ز گریہ ام خشک می بارو

۳۶

اس تھک (جہاں) کہ سمندر نے مہابت بخیلی کی تھی
(میں) ترک و تاجیک کے سامنے لب خشک تھا
کسی نے ایک پیالہ شربت کی (بھی) مزوت نہیں دکھائی
ناچار میں آب پارک کی طرح تلف ہو گیا

۳۷

دل کس لیے صرف بے قراری ہوا تھا
خلق میں کیوں رونے کا رواج رہا تھا
(ہم نے) دل خواہ ملاقات ہم کی ہوتی
اے کاش کہ عشق پر اختیار ہوتا

۳۸

حیرے در کی خاک پر کس نے روئے نیاز رکھا
اس خاک سے مجھے نیاز کی بو آتی ہے
کچھ بھی معلوم نہیں ہوا اس تمام ناز کے ساتھ
کس لیے تو نیاز کی طرف مائل ہوا ہے

۳۹

اے غیرتِ حور (تو) کس قدر غرور میں محو ہے
تو عینِ ظہور میں کس قدر پنہاں ہے
بتا کہ صبر پر کس قدر آمادہ رہوں
تو دل کے نزدیک ہے اور آہ کتنا دور ہے

۵۰

میرے سر پر آسماں کے عظم سے پتھر برستے ہیں
آرام کے بستر پر کانٹے برستے ہیں
میری آنکھوں سے ہر دم ٹھیکس پانی نکلتا ہے
یعنی میرے رونے سے ٹھک برستا ہے

۵۱

بر قبر دل آسائے تو پر می سازم
 سرو و شمشاد را نخل می سازم
 از شام گرفت تا سحر در گلزار
 بالائے ترا بلند می اندازم

۵۲

چوں بار گران عشق بر ما افتاد
 در دامن ما ز چشم دریا افتاد
 در شهر ز بس گریه غمخیز کردیم
 راه سیلاب خوں بہ صحرا افتاد

۵۳

ہر لحظہ فراق مردنے می خواہد
 رنج بسیار بردنے می خواہد
 دل بے تو پہ جا داشتن آساں نہ بود
 دعاں پہ جگر فشردنے می خواہد

۵۴

واسوختہ گر از یہ او خواہم رفت
 دامن پہ بقیں در سر او خواہم رفت
 در زندہ بہانم پنے عذر این جرم
 با تیغ و کفن بر در او خواہم رفت

۵۵

یک بار مجزواں و فرداں رفتہ
 از دائرہ سپہر گرداں رفتہ
 آفاق ز طالیان دنیا پر شدہ
 حمام زناں گشت مرداں رفتہ

۵۱

تیرے دل آراقد پر بہت ناز کرتا ہوں
سرد اور شمشاد کو شرمندہ بناتا ہوں
شام سے لے کر صبح تک گلزار میں
تیرے قد کی بہت زیادہ تعریف کرتا ہوں

۵۲

جب عشق کا بارگراں ہم پر پڑا
آنکھوں سے ہمارے دامن میں سمندر مگر
(ہم) شہر میں بے انتہا خون روئے
سیلاب خون کی راہ صحرا سے جا ملی

۵۳

فراق میں ہر لمحہ مرنے کی خواہش کرتا ہے
بہت رنج اٹھانے کی خواہش کرتا ہے
تیرے بغیر دل کو ٹھکانے پر رکھنا آساں نہیں ہے
(وہ اپنے) دانت جگر پر گاڑنا چاہتا ہے

۵۴

اگر اس کے پاس سے چلا بہنا چلا جاؤں گا
مجھے اچھی طرح معلوم ہے، اس کے سر پر صدقے ہو جاؤں گا
اور (اگر) زندہ بچ گیا (تو) اس جرم کے عذر میں
شمشیر اور کفن کے ساتھ اس کے در پر چلا جاؤں گا

۵۵

اچانک سارے مجھ و اور فردا چلے گئے
سپر گرواں کے دائرے سے (باہر) چلے گئے
آفاق دنیا کے طلب گاروں سے بھر گیا
حمام زنا نہ ہو گیا، مرد چلے گئے

۵۶

ظنی ہم اے میرؔ یہ غفلت بگذشت
برائی منؔ یہ عیش و عشرت بگذشت
در شیب جز افسوس کنوں نتواں کرد
مہلت کم ماند و وقت فرصت بگذشت

۵۷

زاد کہ خیال روزۂ طے دارد
شیداست، سر زہد و ذریع کے دارد
میلشؔ یہ کھلے ہے اکثر نیست
عقارہ گرد در خوشی سے دارد

۵۸

در مہد جنوں بندہؔ یہ ہاسوں بودم
گا ہے در خاک و گاہ در خوں بودم
با چشم کم میں کہ من از مرگاہں
چاروب نشؔ تربتؔ جنوں بودم

۵۹

یہ ظاہرؔ خوب کم نگہ پایہ کرد
ترک کج کردن کھلے پایہ کرد
خوبی آخر چو گل نہ عواہد ماعدن
یک روز بساط تازہ پایہ کرد

۶۰

آں سادۂ خوانندہ کہ عودی رنگ است
ناساز مزاج است و بلا آہنگ است
چشمش کہ گرفتہ ترک مردم داری
بے پردہ فرو بردہؔ یہ خونم چنگ است

۵۶

بچپن تمام اسے میرِ غفلت میں گنا
میری جوانی عیش و عشرت میں گئی
بڑھاپے میں اب افسوس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے
صہلت کم پڑ گئی اور فرصت کا وقت ختم ہو گیا

۵۷

زاہد جسے روزِ نازلے کا خیال ہے
دلچاند ہے، زہد و ورع کے رازِ کب جانتا ہے
اس کی کلاہ سے محبت اکثر بے سبب نہیں ہے
(وہ) سخاوتِ شراب کے عوض گرو رکھتا ہے

۵۸

(میں) جنوں کے زمانے میں نیپاں کا غلام تھا
(میں) کبھی خاک پر اور کبھی خون میں پڑا ہوتا تھا
چشمِ کم سے مجھے مت دیکھ کہ میں چکوں سے
تربتِ جنوں کا جادو بکس تھا

۵۹

خوب صورت ظاہر پر بہت کم لگاؤ ڈالتی چاہیے
لگاؤ کچھ کرنے کو ترک کرنا چاہیے
حسن (کبھی) گل کی طرح آغریاتی نہیں رہے گا
ایک روز بساطِ ناز سے کرنی پڑے گی

۶۰

وہ سادہ گانے والا کہ سانولے رنگ کا ہے
گھڑے ہوئے مزاج کا ہے اور ہلا آہنگ^۱ ہے
اس کی آنکھوں نے رواداری ترک کر دی ہے
(اس نے) بے پردہ میرے خون میں اپنا ہاتھ ڈبو دیا ہے

۱ مسلسل چین دن کا روزہ، جس کے دوران صرف افطار کے وقت ذرا سا پانی پی لیا جاتا ہے۔

۲ قیامت کی آواز دیکھنے والا، قیامتِ غضب۔

۶۱

زادہ پیرے ز دست و دل دم می زد
 ز آواز گنگا پہ لہروں غم می زد
 ہر گاہ لبِ ناں پہ فقیرے می داد
 خرگاہ لکھ پہ گورِ حاتم می زد

۶۲

مہر پہ چٹیں بلا ز نادانی بود
 بد بختیٰ ایں مدی جانی بود
 آخر پہ کفم عنانِ آرام نہ ماند
 شہیدِ فلک ستارہ پیشانی بود

۶۳

اے میرِ مشو وہ دلہ می باید رفت
 ہر روزِ رورو قافلہ می باید رفت
 ایں گونہ تعلق ز جنوں خالی نیست
 ہکتہ ز پا سلسلہ می باید رفت

۶۴

آرام ز من مجھ کہ آفتِ زدہ ام
 راحتِ مطلب کہ سختِ محنتِ زدہ ام
 بر قامتِ او نہ گشتہ ام عاشقِ میر
 من دست پہ دامنِ قیامتِ زدہ ام

۶۵

دیدن پہ رختِ چشمِ ترے می خواہد
 رفتن پہ رختِ ترکِ سرے می خواہد
 من صبر پہ یک خیرِ ہلاکِ ام بھذار
 آماجِ تو یون جگرے می خواہد

۶۱

ایک زاہد پسر ہاتھ اور دل سے طاقت چھین لیتا تھا
گدا کی آواز پر قہر یاں چڑھتا تھا
جب بھی روٹی کا ٹکڑا فقیر کو دیتا تھا
گدھے کا بچہ حاتم کی قبر پر لات مارتا تھا

۶۲

میری میت نادانی سے ایسی جا میں گئی
اس کی محبت جان کی دشمن ہو گئی
آخر میری ہاتھ میں آرام کی عنان نہ رہی
فلک کا شب و چراغ اسٹارہ بیٹھانی ۲ تھا

۶۳

اے میرزا علی مل فقیں مت ہو، چلے جانا چاہیے
ہر روز قافلہ جاتا ہے، چلے جانا چاہیے
اتنا تعلق جنوں سے خالی نہیں ہے
پاؤں سے زنجیر تو ذکر چلے جانا چاہیے

۶۴

مجھ سے آرام مت مانگ کر آفت زدہ ہوں
راحت مت طلب کر کر سخت تکلیف زدہ ہوں
(اے) میرا میں اس کی قامت پر عاشق نہیں ہوا ہوں
میں نے دامن قیامت کو چھوڑا ہے

۶۵

تیرے چہرے کو دیکھنے کے لیے چشم تر چاہیے
تیری راہ پر چلنے کے لیے سر سے گزر جانا چاہیے
میں ایک تیر سے ہلاک ہونے والا شکار ہوں، (مجھے) رہنے دے
تیرے قبروں کا نشانہ بننے کے لیے جگر چاہیے

۱۔ مقلی گمراہ

۲۔ دو گمراہ جس کی بیٹھانی پر سفید نکلائی ہو (اسے خوں سمجھا جاتا ہے)۔

۶۶

آن شیعہ گزریں کہ اہل دل خوش دارند
سوئے تو ہم روئے توجہ آرند
برگرد از آن طریقہ کاخِ در وے
از ہم گذری چوں تو بہ رہ بپارند

۶۷

بر بحثِ علوم میرِ مائلِ محکم
یعنی بسیار بر مسائلِ محکم
کارے نہ کشود از نزاعِ لفظی
بہم لب ہائے خویش و قائلِ محکم

۶۸

تاہست جہاں گفت و شنیدے باقی ست
شبلی گر رفت، بایزیدے باقی ست
مردم و گرفتیم چا شد محشر
آن جا ہم آرزوئے دیدے باقی ست

۶۹

یک لخت جگر داغِ شاپِ عمر است
دل سوختہ و سینہ کھاپِ عمر است
باہِ برخاست، سبجِ چری بدید
کایں وقتِ غروبِ آفتابِ عمر است

۷۰

در عشقِ دلے جو کہ قرار آید از او
میرے بہ سنگاری یار آید از او
نے ہم چو دل بے جگرِ من بے تاب
دل ی باہِ چناں کہ کار آید از او

۶۶

وہ ادا میں دکھانے والے جنہیں اہل نظر پہنچتے ہیں
وہ سب حیرتی طرف (اپنی) توجہ کا رخ کرتے ہیں
اُس راستے کو ترک کر کے آخر اُس میں
مرنے پر تجھ جیسوں کو راستے میں ڈال دیتے ہیں

۶۷

(اے) میر میں علوم کی بحث پر مائل ہو گیا
یعنی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا
لفظی نزاع سے (تو) کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا
(میں نے) اپنے ہونٹ ہی لیے اور قائل ہو گیا

۶۸

جب تک دنیا ہے گفت و شنید باقی ہے
شبلی اگر چلا گیا، باغِ یَد باقی ہے
ہم مر گئے اور مان لیا کہ محشر بچا ہو گیا
وہاں بھی دید کی آرزو باقی رہے گی

۶۹

سارے جگر پر عمر کی تیز رودی کا داغ ہے
دل جلا ہوا ہے، سید زندگی نے جلا کر کباب کر دیا ہے
چلا جانا چاہیے صبحِ حیرتی عابر ہو گئی ہے
کہ یہ وقت آفتابِ عمر کے غروب ہونے کا ہے

۷۰

عشق میں وہ دل ڈھونڈ جس سے قرار آئے
یار کے ستم کرنے پر اس کو صبر آئے
نہ (کہ) میرے بے حوصلہ دل کی طرح بے تاب
دل وہ ہونا چاہیے کہ اس سے کام نہ

۷۱

ہوم بنھیں کہ با تو حرفے دارم
 در زیر فلک حال شکرے دارم
 از حادثہ ی خودم فلکے ہر دم
 جرم نہ بود جز ایں کہ ظرفے دارم

۷۲

ہر چند سے تمام نورے دارم
 لیکن بہ رخت نسبت دورے دارم
 بے پردہ میا ہوں کہ چشمے نہ شورے
 ایں حیرہ دروں دیدہ شورے دارم

۷۳

در فرقت تو صبور باید عشق
 نے در طلب حضور باید عشق
 قرب تو ز آداب محبت دور است
 بر گرد سر ز دور باید عشق

۷۴

چشم کہ بجائے اٹک نوں ی آرد
 نون جگر من ز دروں ی آرد
 دیوانہ خدم ز بس کہ ماعم دل شک
 ایں جاست ز کہ جوش غم جوں ی آرد

۷۵

عاشق چو شوی اٹک فطانی دانی
 ذوق ایں طبع دنگانی دانی
 من بے تو بہ جان ام و نمی دانی
 تو بے تو اگر دے برانی دانی

۷۱

ہوم بیٹھ کر (مجھے) تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں
(میں) زیرِ ملک عجیب حال رکھتا ہوں
زمانے کی گردش سے ہر دم صدے اٹھاتا ہوں
اس کے سوا میرا کوئی جرم نہیں کہ طرف رکھتا ہوں

۷۲

ہر چند کہ ماہِ قمام نور ہے
لیکن حیرے چہرے سے دور کی نسبت رکھتا ہے
بے پردہ باہرمت آ کہ (کہیں تجھے) نظر نہ لگ جائے
یہ سیاہ باطن (ماہ) نظر بد رکھتا ہے

۷۳

حیریِ فرقت میں صابر ہو جانا چاہیے
نہ (کہ) حاضرِ باقی کی طلب میں پھرنا چاہیے
حیرا قربِ آدابِ محبت سے دور ہے
دور سے حیرے سر کے گرد پھرنا چاہیے

۷۴

میری آنکھ اٹک کے بجائے خون روتی ہے
میرے جگر کا خون سینے سے باہر لاتی ہے
دیوانہ ہو گیا ہوں کہ (میں) نہایت رنجیدہ رہتا تھا
یہ حال ہے کہ جوفیِ غم سے جٹوں ہو جاتا ہے

۷۵

جب عاشق ہو کا تو اٹک فشانے کو کہے گا
اس تلخ زندگی کا حشر جانے گا
حیرے بغیر میری جان پر بنی ہے اور تو کچھ نہیں جانتا
اگر تو اپنے بغیر ایک دم بھی رہے، (حب) تجھے پتا چلے

۷۶

گاہے از خلق بے خبر می باشم
گاہے از غویشتن بدر می باشم
بے روئے تو حالات عجیب دارم
ہر لحظہ بہ عالمِ درگاہ می باشم

۷۷

ہر چند فقیر ایم و ہوں ما را نیست
دل را میل محبت دنیا نیست
لیکن با ایں شکست پائی، دارم
طول آئے کہ آں سرش پیدا نیست

۷۸

شیب آمدہ ناگاہ بیاہ رفتن
زین منزل خوش آہ بیاہ رفتن
چری بسیار جائے خوف است اے میر
ایں جا بہ عصا راہ بیاہ رفتن

۷۹

بر سر قدان شہر مائل مستم
محو ماہان دیدہ منزل مستم
در حرص و ہوا رفت شایم ہمہ میر
از عمر گذشتہ آہ نافل مستم

۸۰

در عشق بہ مرگ خود طرف بیاہ شد
ششیر جفاکش را طغ بیاہ شد
نے تاب وصال دوست نے طاقت نہر
در ہر صورت مرا تکلف بیاہ شد

۷۶

کبھی خلق سے بے خبر ہو جاتا ہوں
کبھی اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہوں
جب دیکھے بغیر عجیب حال میں ہوں
ہر لمحہ کسی اور ہی عالم میں ہوتا ہوں

۷۷

ہر چند فقیر ہیں اور ہمیں ہوس نہیں ہے
دل کو دنیا کی محبت سے تعلق نہیں ہے
لیکن اس فکرت پانی کے باوجود (ہم) کہہ سکتے ہیں
طوبی اہل جس کا سرانظر نہیں آتا

۷۸

بڑھا پا آ گیا اچانک جانا پڑے گا
اس عمدہ منزل سے آہ جانا پڑے گا
بڑھا پا بہت خوفناک جگہ ہے اے میر
اس جگہ عصا کے ساتھ راست چلنا پڑے گا

۷۹

(میں) شہر کے سرو قدوں پر نائل تھا
(میں) آنکھوں میں گھر کرنے والے معشوقوں میں نکھو یا ہوا تھا
حرص و ہوا میں میری ساری جوانی چلی گئی میر
گزر رہی ہوئی عمر سے آہ غافل ہو گیا تھا

۸۰

حلق میں اپنی موت کی طرف ہو جانا چاہیے
اس کی جفا کی شمشیر کا لقمہ بن جانا چاہیے
نہ اس کے وصل کی تاب ہے نہ بھر کی طاقت
ہر صورت میں مجھے تلف (ہی) ہو جانا ہے

۸۱

از رفتن یاران و رفیقان ناگاہ
مانند جرس ماند چو لب تالہ و آہ
بعد از چندے سکوت من ہم کرم
بسیار غریبانہ گدگشتم زیں راہ

۸۲

ہر لحظہ چو موج اخطرابے داری
ہر دم رنار تند آہے داری
صرصر گویم یا کہ برقت خواہم
اے عمر عزیز بس شاہے داری

۸۳

از درد و الم چشم پر آہے داری
دو سوزہ دروں دل کہا ہے داری
داری نظرے نگر چہ آں ترکیں مست
اے میرِ محبوب حالِ خرابے داری

۸۴

بگذار کہ رو چہ مرگ یک پارہ کسہم
آں درد نہ داریم کہ ما چارہ کسہم
بیاری مصعب عشق دارد دل ما
گر چاہد گذاریم، کفن پارہ کسہم

۸۵

ایں بود و نمود یک نفس ہم چو حباب
در دیدہ ہوش مند نقشےست بر آب
ہر لحظہ چو موج بحر رفتن داریم
زاں پیش کہ جوئی و نہ یابی، دریاب

۸۱

رفیقوں اور یاروں کے اچانک چلے جانے سے
جس کی طرح ہونٹوں پر ٹالہ اور آہ رہتی ہے
کچھ دنوں بعد میں نے بھی خاموشی (اختیار) کی
(اور) اس راہ سے انتہائی غریبانہ (طرز سے) گزر گیا

۸۲

(تو) ہر لحظہ موج کی طرح اضطراب رکھتی ہے
ہر دم تنہا آپ کی رفتار رکھتی ہے
ہم (تجھے) صبر صبر کہیں، یا رو کر پکاریں
اے عمر عزیز (تو تو) بس تیزی رکھتی ہے

۸۳

درد و الم سے آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہیں
اور سوئے دردوں سے دل جلا ہوا ہے
ضرور اس دُغمس مست پر نظر ڈالی ہے
اے میر (تو) مجھ جالِ غراب میں ہے

۸۴

ہمیں چھوڑ دے کہ (ہم) موت کی طرف ایک بار رخ کر لیں
(ہم) وہ درد نہیں رکھتے کہ ہم (جس کی) دوا کریں
ہمارے دل کو خنق کا تکلیف دہ مرض ہے
اگر (ہم) مر گئے، کفن کو چاک چاک کر دیں گے

۸۵

یہ حباب کی سی ایک نفس کی بود و نمود
ہوش مندی آنکھوں میں نقشِ برآب ہے
(ہم) ہر لحظہ سندھ کی موج کی طرح گزرتے جاتے ہیں
اس سے پہلے کہ تو تلاش کرے اور نہ پائے، (ہمیں) پالے

۸۶

آں سرو کہ دل پر لوست مائل ہیں است
جز جورِ شمر نہ داشت حاصل ہیں است
من دامن او پہ دست خواہم لیکن
ناید آساں پہ دست مشکل ہیں است

۸۷

ہر قطعہ خاک گشتانے پودہ ست
مرغ گلزار خوش زبانے پودہ ست
ایں سنبل و گل را کہ تاشا کردی
از دلف و ربغ کساں نکشانے پودہ ست

۸۸

ما گر پہ جہانِ آپ و گل می گردیم
با طبعِ لطیف مخلص می گردیم
جز کتہ رسے کسے نہ پاید ما را
ما لذتِ شعرِ الیم پہ دل می گردیم

۸۹

واعظِ سحرِ بخت کہ گو غیر از راست
طوہم نہ کہا و جہت سے نہ کاست
من ست و غرابِ راو دور طلب ام
بے منت بادہ نشہ دارم کہ رساست

۹۰

شامِ دلِ غیر ہر زماں می شکند
خونم پہ دہان او زباں می شکند
اتا در پردہ از بچے وقتِ من
ہر روز و شب ہیں سگِ اختواں می شکند

۸۶

وہ سرو کہ جس پر دل بادل ہے، یہ ہے
جس کا شر ظلم کے سوا (کچھ) نہیں، حاصل یہ ہے
میں اس کا دامن اپنے ہاتھ میں (لینا) چاہتا ہوں، لیکن
(وہ) آسانی سے ہاتھ نہیں آتا، مشکل یہ ہے

۸۷

خاک کا ہر قطرہ گلستانِ رہ چکا ہے
مرغِ گلزار خوش زبان ہوتا تھا
یہ سنبل و گل جن کو (تو نے) دیکھا
کسی کے زلف و رخ کی نشانیاں ہیں

۸۸

ہم اگر آب و گل کے جہاں میں پھر رہے ہیں
طبعِ لطیف کے ساتھ لگا جا رہے ہیں
سخنِ فہم کے سوا کوئی ہمیں نہیں پاتا
ہم شعر کی لذت ہیں، دل میں پھر رہے ہیں

۸۹

واعظِ حقے حیرے حیر کے سر کی قسم سچ کے سوا (کچھ) مت کہہ
ہمارا طرزِ کہاں اور شراب کی تہمت کہاں
میں طلب کی طویل راہ میں مست اور خراب ہوں
شراب کے احسان کے بغیر (وہ) نشہ دکتا ہوں جو کامل ہے

۹۰

میری شانِ ہر وقت غیر کا دل دہلاتی ہے
میرے خوف سے اس کے منہ میں زبان ہکلا جاتی ہے
لیکن در پردہ میری تدلیل کے لیے
ہر روز و شب یہ کٹا سخت محنت کرتا ہے

۹۱

ہر چند مرا قوتِ رفتار کم است
اگر نہ رہ صعبِ جدائی چہ غم است
با صد غم و رنجِ دل بہ جائے است ہنوز
ایں آبلہ یک رفیقِ ثابت قدم است

۹۲

در بہمن لب چہ اہم می باید
یعنی کہ بہ فکرِ چاہی دم می باید
بے گفتہ دل راہِ مرہ تا مقدور
گفت و قدمت مرہ ہم می باید

۹۳

جاں را بہ غم تو چند خرسند کنم
تا کے دلِ پارہ پارہ پیوند کنم
بے تاب ام و ناچار بہ خطِ غولیش ام
دفتر شو ار حالِ قلم بند کنم

۹۴

از شانہ گو بہ صد زباں خاموش است
ز آئینہ میری کز حیا روپوش است
آراکشی آن چہرہ نہ بند صورت
مخاطب ز اندازِ نگہ بے ہوش است

۹۵

ہر چند کہ ما تحتِ دلاں بدحالیم
روزانہ بگرہیم و شہاں گمِ نالیم
در سونشِ الماس و ترکِ وست زیم
آں دم کہ سرِ دہمِ دلِ خود مالیم

۹۱

ہر چند کہ میری قوت رفتار کم ہے
لیکن جدائی کی دھواں راہ کا کھٹم ہے
سینکڑوں فم درخ کے باوجود دل ابھی تک اپنی جگہ پر (خاتم) ہے
یہ آبلہ ایک ثابت قدم رشتہ ہے

۹۲

ہونٹ سینے کے لیے جام ترکوشش کرنا درکار ہے
یعنی کہ فقر کے ساتھ جس دم کی ریاضت چاہیے
جب تک ممکن ہو دل کے کہے بغیر راہ مت چل
تیرے ہاتھ اور تیرے سر پر بھی ہمراہ ہونے چاہئیں

۹۳

جان کو تیرے فم سے کچھ خوش رکھوں
کب تک دل پارہ پارہ کو رو کر دوں
بے تاب ہوں اور ناچار اپنے آپ کو ضبط کئے ہوئے ہوں
میرا حال ایک لمبی کہانی بن جائے اگر قلم بند کروں

۹۴

کنکسی کی بات نہ کر سوز بانوں کے باوجود خاموش ہے
آنکھ کی نہ پوچھ کہ شرم سے رو پوٹ ہے
اس چہرے کی آرائش کی صورت نہیں بنی
مثلاً 'اس کی' نگاہ کے انداز سے بے ہوش ہو گئی ہے

۹۵

ہر چند کہ ہم محبت دل بد حال ہیں
دن میں روتے ہیں اور راتوں کو نالہ کرتے ہیں
اس کے الماس اور تمک کے براہے میں ہاتھ ڈالتے ہیں
جس وقت کہ اپنے دل کے زخم کو ملتے ہیں

۹۶

گر جانبِ او پریم، پر می سوزد
و ز چہرہ روشنش نظر می سوزد
در وقت سکوتِ ذآں لبِ سرخِ میر
آں آتش خاموش جگر می سوزد

۹۷

بر چند ز مفلسی اخیرِ وقت است
اگر ز غنا میرِ اخیرِ وقت است
کارے پہ زردِ سرخ و سفیدش نہ بود
آں سکے درست ہے نظیرِ وقت است

۹۸

خار و غصہ ایں چمن پہ مڑکاں رقتیم
با ہر گل و غنچے دردِ خود را مکتیم
چوں عقدہ دل میر از ایں با نہ کشود
پا بر سر پا گنجد آخرِ خلقتیم

۹۹

سرسبزیِ من از غمِ یاراں رفت
خیلے پہ فراقِ غمِ حساراں رفت
ماند تنِ زردِ من پہ آں کشت کہ او
نخواہد باران و وقتِ باراں رفت

۱۰۰

روشنی نہ بود ہے تو پہ کاشانہ چشم
یعنی کہ نہ ماندہ دیدنی خانہ چشم
اے مستِ بے ناز چو جایست خالیست
از محوئی جگر پر است خانہ چشم

۹۶

(ہم) اگر اس کی جانب اڑیں، پر جمل جاتے ہیں
اور اس کے روشن چہرے سے نظر جمل جاتی ہے
خاموشی کے وقت اس کے لبِ سرخ کی مت پوچھ
وہ آتش خاموش جگر کو جلا دیتی ہے

۹۷

ہر چند کہ مطلقاً میں آخری وقت (آ گیا) ہے
لیکن بے نازکی سے میرا میر وقت ہے
سرخ و سفید زر سے اس کو کام نہیں ہے
وہ وضع دار (اپنے) وقت میں بے نظیر ہے

۹۸

(ہم نے) اس چمن کے خار و غص کو پتکوں سے چنا
(ہم نے) ہر گل و غنچے سے اپنا درد کہا
جب میرا عقد دل ان سب سے نہ کھلا
آخر (ہم) پھر پھر دھر کر سو گئے

۹۹

یاروں کے غم میں میری غشی چلی گئی
گزرے ہوئے دوستوں کی جدائی کا انہوس ہے
میرا حق درد کہیت کی طرح ہے کہ جو
بارش چاہتا ہے اور بارش کا وقت گزر چکا ہے

۱۰۰

کاشا نہ چشم میں حیرے بلیر رونق نہیں ہوتی
یعنی کہ خانہ چشم دیکھنے کے لاکھ نہیں رہتا
اے مئے ناز سے مست جب سے تو نہیں ہے
خونِ جگر سے بیا نہ چشم ہمرا ہوا ہے

۱۰۱

دل را کہ دے پہ رنج کذاشتہ ایم
 او شد ہمہ خون و دست برداشتہ ایم
 و این چشم کہ پیشہ روانے یودہ ست
 از خاک سر راہ تو اداشتہ ایم

رباعی مستزاد

۱۰۲

شور جاں کاہ بلبل از جاہم برد - ہنگام سحر
 حال جبہ اش رواں پہ دردم آورد - داغ است نظر
 رفتم دو قدم پیش و بے پردیم - خود پیچ نہ گشت
 رو سوئے گل آخر پہ اماں حال ببرد - نول کرد ہجر

۱۰۳

برخیز و رخ خود ز عمارت برتاب - دنیا است مراب
 و این ہستی موہوم تو مانع حباب - نقشہ ست بر آب
 در فکر بناہائے غلط عمر عزیز - کردی ہمہ صرف
 اکنون ذیہشت درگذر چوں سیلاب - اے خانہ خراب

۱۰۴

با میر ملاقات نمی کردم کاش - دیدم ہمہ چہل
 باطل اوقات و بادہ خوار و ادہاش - پر ناکس و سہل
 وارفتہ طفلان تہ بازاری - بدنام و اوط
 رہ و بد وضع و سخت باز و قزاش - چلت و نااہل

۱۰۱

دو دل جسے (ہم نے) ہل بھر کے لیے بھی رنج نہیں کرنے دیتے تھے
 وہ تمام خون ہو گیا اور ہم نے ہاتھ اٹھا لیا ہے
 اور یہ آنکھ کہ چشمہ کدیاں رہی ہے
 (ہم نے) تیری راہ کی خاک سے پاٹ دی ہے

رباعی مستزاد

۱۰۲

بلبل کے چانکا شور نے مجھے اپنی جگہ سے بلا دیا۔ ہنگام سحر
 اس کے حالی تباہ نے میرے دل میں درد پیدا کر دیا۔ فکرو داغ ہے
 (میں) دو قدم آگے بڑھا اور (میں نے) بہت پوچھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا
 چہرہ پھول کی طرف (کر کے) آخر اسی حال میں مر گیا۔ جگر خون کر دیا

۱۰۳

انھد اور اپنا رخ عمارت کی طرف سے موڑ۔ دنیا سراپ ہے
 اور تیری یہ ہستی مومن مہاب کے مانند۔ نقش بر آب ہے
 عمارتوں کی فکر میں عمر عزیز۔ ساری غلط صرف کر دی
 اب دشت سے سیلاب کی طرح گزر جا۔ اسے خانہ خراب

۱۰۴

کاش حیر سے ملاقات نہیں کرتا۔ اسے بالکل جاہل پایا
 باطل اوقات اور باد و غوار اور ادبائش۔ نہایت نالائق اور محنت
 بازاری لڑکوں کا وارفتہ۔ بدنام اور ادبائش
 رند اور بد وضع اور سخت باز اور غلامش۔ خود سرا اور نااہل

مثنوی

مشتوی

اے صبا مگر سوئے دہلی بگذری
 ہم چو صرصر آہ مگدر سرسری
 بوسہ وہ بر ہر قدم از سوئے من
 بود بر آں خاک عمرے روئے من
 بر مقابر آئے رحمت بخواں
 در مساجد خدمتے از من رساں
 ہم بکن پیدا جبین تازہ اے
 سجدہ اے بر ہر سر دروازہ اے
 وقتہ اے بر ہر سر کو سامعے
 بر در و پاش نگاہ حیرتے
 سیر کن خطایں تہ بازار را
 اشتیاقم گو در و دیوار را
 از مصیبت دیدگاں یادے بکن
 زیر ہر دیوار فریادے بکن
 پس نشان دوستان من بجو
 حسن اگر بینی ز من عشقے بگو
 بعد از آں بکشا سر ایں داستان
 یعنی آں سرخیل آفت دیدگاں
 از وطن مجبور بے دل میر نام
 می کند از غم بکای صبح و شام
 نے خط شوقش ز پارے می رسد
 نے پیامے از نگارے می رسد
 زیر لب دارد شکایت غول چکاں
 کای لک رہے ہ دور اندگاں

مثنوی

اے صبا اگر دہلی کی طرف گزرے
 صرصر کی طرح آہ سرسری مت گزرتا
 ہر قدم پر میری طرف سے بوسہ دے
 اس خاک پر ایک عمر میرا سر بھکا ہے
 مقبروں پر آ پڑ رخت پڑا
 مساجد میں میری طرف سے سلام پہنچا
 ساتھ ہی ایک تازہ پیشانی پیدا کر
 (اور) ہر دور کے اوپر ایک سجدہ (کر)
 ہر کوسے میں ایک ساحت کا وقفہ
 اس کے در و بام پر ایک حسرت کی نگاہ
 بازار میں گھومنے والے لوگوں کو دیکھ
 میرا اشتیاقی درو دیوار سے کہہ
 مصیبت جھیلنے والوں کو یاد کر
 ہر دیوار کے نیچے فریاد کر
 پھر میرے دوستوں کا نشان ڈھونڈ
 حسن کو اگر (تو) دیکھے میری طرف سے عشق اکہد
 اس کے بعد اس داستان کا آغاز کر
 یعنی وہ آفت دیدہ گاہ کا سردار
 وطن سے دور، ناامید، ہیر نام کا
 غم میں صبح و شام آہ و زاری کرتا ہے
 نہ (اسے) کسی دوست کا بھڑکھوک آتا ہے
 نہ کسی محبوب کا پیام پہنچتا ہے
 زبردست خوں چنکاں حکایت رکھتا ہے
 کہ اے فلک دور رہ جانے والوں پر رحم (کر)

ہے کس ام ہر دم طالت می کھم
 کس چہ واعد من چہ حالت می کھم
 زرد کھم، زار کھم، دل گداعت
 آب فرقت یا مزاج من نہ ساخت
 یاد یاران وطن از دل نہ رفت
 حقہ ام زیں درطہ بر ساحل نہ رفت
 بود ہر جاے کہ آبا دایے
 کوش زد می گردوم ویرانے
 در چنیں ویرانہ نبود شبیلہ باب
 ایں بنا باید رسانیدن چہ آب
 یعنی از غم زار می باید گریست
 ہر قدم بسیار می باید گریست
 خانہ ہنستہ مگر منزل شود
 از سرخ آں خاک باید گل شود
 در میر آں عمارت کردہ ام
 ہر مقامے را زیارت کردہ ام
 بر چنیں خاک ارنہ یاری ویر مانہ
 یک زماں خاکے چہ سر باید فشانہ
 بارخ ویرانے اگر چنیں آیدت
 چشم عبرت ہیں کشودن بایدت
 خار از جاے کہ سر برگردہ است
 جلوہ ہا ایں جا گل تر کردہ است
 باد از جاے کہ گرد اھنفتہ
 لالہ رنگ تازہ ایں جا ریختہ
 سالہاے سال بر آں گل زمین
 زمکی زن مانہ زمیں چنیں از ایں

بے کس ہوں ہر دم رنج اٹھاتا ہوں
 کس کو خبر میں کس حال سے گزر رہا ہوں
 زرد ہو گیا، ناتواں ہو گیا، دل کھل گیا
 فرقت کا پانی میرے حراج کو اس نہیں آیا
 یارانِ وطن کی یاد دل سے نہیں گئی
 اس بھنور سے میری (کشتی) سے ایک جھنڈ بھی ساحل پر نہیں گیا
 جس جگہ کی کوئی آبادی (ہوتی) تھی
 وہاں سے ویرانی (کی خبر) ملی
 ایسے ویرانے میں دروازے کا انتظام نہیں کیا جاسکتا
 ایسی بنیاد کو تو پانی دینا چاہیے
 یعنی غم سے زار زار رونے چاہیے
 ہر قدم پر بہت زیادہ رونا چاہیے
 گرا ہوا گھرا اگر منزل ہو جائے
 آئندہ اس سے اس خاک کو گل ہو جانا چاہیے
 ایک مدت اس عمارت کی سیر کر چکا ہوں
 ہر مقام کی زیارت کر چکا ہوں
 اسی خاک سے تو بہت دنوں تک دوستی رہی
 حقوں سر پر خاک ڈال لینی چاہیے
 اگر تیرے سامنے ویران باغ آئے
 تجھے چشمِ مہر بت کھولنی چاہیے
 جس جگہ خار نے سر باہر نکالا ہے
 اس جگہ گل تر جلو سے دکھا چکا ہے
 جہاں سے ہوا گرد اڑا رہی ہے
 لالے نے اس جگہ تازہ رنگ بکھیرے تھے
 اس سرسبز زمیں پر سال ہا سال
 اس سے پہلے زمیں چمک کیا کرتی تھی

ہر کجا دل می شود از خود گداز
 سایہ الکن بود آن جا سرو ناز
 گر کشائی چشم را بر برگ زرد
 یاد سبزاں کن بہ صد اندوہ و درد
 کاس نہالاں بزم عشرت داشتند
 سر بہم آوردہ صحبت داشتند
 عندلیبے گر نواسازی کنند
 و ز غم دل تالہ پردازی کنند
 کوش نہ بر تالہ و افغانی او
 آن گجے آویز در دامان او
 او بہ تو احوال نخواہد و تصور
 گل در این جا بودہ آن جا لالہ بود
 گر چہ آنکوں باغ صحرای شد ولے
 سرو این جا بودہ آن جا جدولے
 چشک زخم دل از کف می ریود
 زلف را از چار سنبل می کشود
 گل رفاں دل شاد چاہے می زدند
 ہر طرف مستانہ گاہے می زدند
 چشم ساقی قند می انگینے
 خون مینا دم بہ دم می رخنے
 دست محمود احباب خوش می داشتند
 این روش دیدند و چاہ بگذاشتند
 ناگہاں آن بزم غم بر نکست
 آن شراب افکار و آن ساغر نکست

جس جگہ دل غور سے پگھل جاتا ہے
 اس جگہ سرو ناز سایہ ڈالے ہوئے تھا
 اگر (تو) برگِ درو پر نظر ڈالتی ہے
 سانولے رنگ کے محبوبوں کو سیکڑوں رنج و غم کے ساتھ یاد کر
 کہ وہ نوجوان بزمِ عشرت میں جاتے تھے
 مل جل کر کر صحبت رکھتے تھے
 عند یب اگر نوا سازی کرتی تھی
 تو غمِ دل سے نالہ کو پراثر بناتی تھی
 اس کے نالہ و فغاں کو سن
 اس وقت اس کے دامن کو تمام
 وہ تجھے کھل کر حال بتائے گی
 اس جگہ گل تھا، اس جگہ لالہ تھا
 اگر چہ اب باغِ صحرا ہو گیا ہے، لیکن
 اس جگہ سرو تھا، اس جگہ شہر تھی
 فرس کی چٹھک ہاتھ سے دل کو اڑا لے جاتی تھی
 زلف کو تارِ سنبل سے کھولتی تھی
 گلِ رخِ دلشاہ (ہو کر) جامِ چڑھاتے تھے
 ہر طرف مستانہ (انداز میں) قدم رکھتے تھے
 ساقی کی آنکھیں تھڑاٹھاتی تھیں
 دمِ بدمِ خون مینا بہاتی تھیں
 احباب اپنا وقت خوشی کے ساتھ گزارتے تھے
 یہ روش دیکھی اور چل لکھ
 ناگہاں وہ خوش و غم بزمِ اجر گئی
 وہ شراب بہہ گئی اور وہ ساغرِ فوٹ گیا

چشم گل پوشیده شد، ہم آب رفت
 سبز تر دیر شد در خواب رفت
 نے گل و نے لاله و نے سرو باغ
 ماعدہ ام من با ہزاروں درد و داغ
 تالہ اے از درد گاہے ہی کشم
 گاہ گاہ از سینہ آہے ہی سکھم
 کار دارم با سکوت و غم کشی
 دم کشے کو تا نہایم دم کشی
 من ہم از شوق وطن دل بہت ام
 درد عمرے شد کہ لب را بہت ام
 کو دماغ و دل کیا و وقت کو
 تا سکھم ایں گوت درہم گنگو
 شہر شہر است استغنائے من
 شود دارد پیدمانی ہائے من
 دل ز جوش درد و غم خوں ہی سکھم
 مصرعے را گاہ موزوں ہی سکھم
 رفیق عشق ام غم من دافر است
 ہر کہ داند شاعر، شاعر است
 سینہ را بخرائش درد اعدو شہر
 گریے بسیار کن بر یاد نہر
 شہر از بس غوش عمارت بودہ است
 ہر مکانش قصر جنت بودہ است
 کوچہ اش دامن دل گلہ داشتہ
 راستہ یک شہر رونق داشتہ

چشم گل چھپ گئی، نہر بھی گئی
 سبز ترہت ہوئی خواب میں چلا گیا
 نگل، نہ لالہ، نہ سرو باغ
 میں رہ گیا ہوں ہزاروں غم اور دماغ
 کبھی درد سے تالہ کھینچتا ہوں
 کبھی سینے سے آہ کھینچتا ہوں
 خاموشی اور غم اٹھانے سے کام رکھتا ہوں
 دم کشا کہاں ہے کہ میں ہم لوہائی کروں
 میں بھی وطن کے عشق میں رنجیدہ خاطر ہوں
 دردِ شدت ہوئی (میں نے) ہونٹوں کو سی رکھا ہے
 کہاں دماغ اور کہاں دل اور کہاں وقت
 کہ اس طرح کی بے رہ گنگو کروں
 میری بے نیازی کا شہر میں شہرہ ہے
 میری نازک عزائی کی شہرت ہے
 دل کو جھوٹ درد اور غم سے ٹھون کرتا ہوں
 کبھی (جو) ایک مصرعہ سوزوں کرتا ہوں
 مجھے عشق کا جنوں ہے، میرا غم دافر ہے
 جو مجھے شاعر سمجھتا ہے، نا شاعر ہے
 شہر کے غم میں سینے کو ڈھکی کر
 نہر کی یاد بہت آنسو بہا
 شہر نہایت خوش عمارت تھا
 اس کا ہر مکان جنت کا نکل تھا
 اس کے کوپے دل کا دامن نہیں چھوڑتے تھے
 راستے یک شہر رونق رکھتے تھے

روقی و خوبی پہ ہر سو دیدہ ام
 صد در دولت پہ یک کو دیدہ ام
 زان بنانا مطلقاً آچار نیست
 از عزیزان کچھ کس دیا نیست
 ایسا بیاں افسانہ می ماند کہ من
 گوش می کردم ز یاران کہن

شروع داستان

یہ دو مغرب زمین شہرے خوشے
 خوش سوادے، خوش ہواے، دل کشے
 ہر طرف عالی بنا کاشانہ اے
 دار بستے یوں دو ہر خانہ اے
 ساکنان صرف رعنائی ہمہ
 دلبران محو خود رانی ہمہ
 زائدے آں جا اقامت داشتے
 بے عبادت وقت را نگذاشتے
 نضر پیش او شباں کہ می رسید
 گوہر بندے پہ کوشش می کشید
 ایسا حکایت چوں پہ گوش شاہ خورد
 اشتیاق نضر دل از جاے برد
 ہر در او رفت و ترک کار کرد
 قصہ کوتہ خدمت بسیار کرد
 صبح خاک در پہ مژگاں بختے
 شام کہ آہے پہ دستش رستے
 بعد چہرے عرض گستاخانہ کرد
 مطلق آں عزت گزین پروا نہ کرد

(میں نے) ہر طرف رونق اور خوبصورتی دیکھی تھی
 ایک کوپے میں سیکڑوں در دولت دیکھے تھے
 ان عمارتوں کا بالکل پتہ نہیں ہے
 دوستوں میں سے کوئی بھی صاحب خانہ نہیں ہے
 اس طرح کائنات باقی رہ گیا ہے جو میں نے
 پرانے دوستوں سے سنا تھا

شروع داستان

مغرب زمین میں ایک خوبصورت شہر تھا
 خوش سوار، خوش ہوا اور دل کش
 ہر طرف عالی بنیا دھل
 ہر گھر میں انگوڑی نیلوں کی بنیاں تھیں
 اس کے باشندے تمام رعنائی میں مصروف
 اس کے دلیر تمام خود رانی میں محو
 ایک زاہد وہاں اقامت رکھتا تھا
 (جو) بے عہدات وقت نہیں گزرتا تھا
 اس کے پاس رات کے وقت خضر آتے تھے
 صبح کا گوبر اس کے کان میں ڈالتے تھے
 جب شاہ کے کانوں نے یہ حکایت سنی
 خضر کے اشتیاق میں (اس کا) دل بے قابو ہو گیا
 اس کے دروازے پر گیا اور (تمام) مصروفیت ترک کر دی
 انقضہ بہت زیادہ خدمت کی
 صبح دروازے کی خاک چکوں سے چتا
 شام کے وقت پانی سے اس کا ہاتھ دھلاتا
 چند دنوں کے بعد بے پاکانہ مرض کی
 (مگر) اس گوشہ نشین نے مطلق پروا نہیں کی

باز مکتا وصل مخمزم آرزوست
 دل ہے مشتاق دیریں گفتگوست
 صحبت او گر میر آہم
 سر پہ اونچ چرخ عزت سایہم
 از تو پر جاں مفتے خواہم گذاشت
 خود بٹایہ چشم پر راہم گذاشت
 گفت رابطہ مخمزم بر من تہمت است
 چوں منے را کے دیوان صحبت است
 او پہ عزت شہرہ و من خواہ و زار
 او سراپا دگر و من ہے اعتبار
 او پہ چشم غلط عالم آہدہ
 من سبک پاہ ہے نوائے غم زدہ
 مخمزم با سبزی ست مشہور جہاں
 چچ نسبت عیقلش با گم رہاں
 روہم خود گیر و ترک واہیات
 مردہ ریکے کو و کو آپ حیات
 چوں از آں مرتاض روئے دل نہ دید
 شد پہ نحو عجیب و روہم کشید
 بر زباں آورد یا جاں می دہم
 یا پہ غول ریخ تو لڑماں می دہم
 روز خوش داری اگر بحر نظر
 سوئے مخمزم شو دل شب راہبر
 زیں خشونت رنگ روئے او پردہ
 صرفہ خود در رضائے شاہ دید

پھر کہا میری آرزو حضرت سے ملاقات کی ہے
 دل بہت دنوں سے گفتگو کا مشتاق ہے
 اگر مجھے اس کی ملاقات بخیر آ جائے
 (اپنا) سر عظمت کے آسمان پر جھکاؤں
 حیرا احسان جان پر رکھوں گا
 (تجھے) ٹھو چاہیے کہ میری راہ پر نظر ڈالے
 کہا حضرت سے رابطہ مجھ پر جست ہے
 مجھ جیسے کوکب (اس سے) صحبت کا منہ ہے
 وہ عزت سے شہرہ (رکتا ہے) اور میں خوار و زبوں
 وہ سراپا وقار اور میں بے اعتبار
 وہ دنیا کے لوگوں کی آنکھوں میں آیا ہوا
 میں بے وقار، ایک غم زدہ فقیر
 حضرت سبز (رنگ) سے جہاں میں مشہور ہے
 اسے گمراہوں سے کچھ نسبت نہیں ہے
 جا، اپنا راستہ لے اور فضول باتوں کو چھوڑ
 مردہ رنگ^۱ کہاں اور کہاں آپ حیات
 جب اس مرتاض^۲ نے حمایت نہیں کی
 شاہ نے بیچ و تاب کھایا اور تیوری چڑھائی
 زبان پر لایا یا میں جان دے دوں گا
 یا تیرا خون بہانے کا فرمان جاری کرتا ہوں
 اگر روزِ خوش یہ نظر رکھتا ہے
 آدھی رات کو حضرت کی طرف مجھے راہ دکھانے والا بن
 اس خوف سے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا
 شاہ کی رضا میں اپنی بھلائی دیکھی

^۱ غروں کے بے کچھے آسمان۔

^۲ ریاضت کرنے والا۔

گفت یک چندے بہ عالم و آگزار
و آں کہے بر دیدہ من پا گزار
گردوت شاید کہ کام دل حصول
از من الحاح و از آں جانب قبول
مخضر را افتاد بر دے چوں گذر
سر نمود آں غشک دامن چشم تر
کز پیت شد در پئے جان من است
مخضر می داند بہ فرمان من است
بہر تو سر بر سر من داشت
بخت بر کشتنم گماشت
من نہ دانستم کہ ریل تو بدست
مخضر راو ظلمت آہو قامت
استقامت گر بہ این رنگ است ہائے
وائے بر اخلاص متدان تو وائے
مخضر دل جمعی نمود و وعدہ داد
وید او را پادشاہ و لب کشاد
کائے بہ در گاہست جہینا راستاں
لفظ کن یک راستاں پاستاں
وز بہر و گردش آں خاک شو
بہر پاکہ خاطریم چیزے گیو
کاں ستم اندیش با یاراں چہ کرد
با جہاں و با جہاں داراں چہ کرد
گفت در وقتے از این رو آدم
شہر دیدم بر در شہ آدم
داشت آں شہ یال و گوپال خوشے
شہریاں را بود احوال خوشے

کہا، کچھ دن مجھے میرے حال پر چھوڑ دے
 اور اس کے بعد میری آنکھوں پر پاؤں رکھ
 شاید کہ تجھے دل کی مراد حاصل ہو جائے
 میری طرف سے اکتھا اور اس طرف سے قبولیت
 خضر کا جب اس کے پاس سے گزر رہا
 وہ خشک دامن، چشم تر سامنے آیا
 (کہا) کہ تیرے لیے شاہ میری جان کا درپے ہے
 سمجھتا ہے کہ خضر میرا تابع ہے
 تیری وجہ سے میرا سرا تارنے کے درپے ہے
 مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہے
 میں نہیں جانتا تھا کہ تجھ سے رہا مصیبت ہے
 (تو) غفلت آہوئی کا خضر راہ ہے
 تجھ سے تعلق رکھنے کا اگر یہ انجام ہے
 افسوس، حیرے اخلاص مندوں پر افسوس
 خضر نے اس کی دل جیسی کی اور وعدہ کیا
 بادشاہ نے اس کو دیکھا اور ہونٹ کھولے
 اسے کہ تیری جہیں راست بازوں کی درگاہ ہے
 ایک پرانی داستان مہربانی کر کے (سننا)
 اور آسمان اور اس کی گردش سے خاک ہو
 میرے دل کی خوشی کے لئے کوئی داستان سنا
 کہ اس ستم اندیش نے یاروں کے ساتھ کیا کیا
 جہاں اور جہاں داروں کے ساتھ کیا کیا
 کہا جس وقت اس راہ سے آیا تھا
 شہر دیکھا تھا اور شاہ کے در پر گیا تھا
 وہ شاہ خوب قوت و شوکت رکھتا تھا
 شہریوں کا حال اچھا تھا

دل کشیدے ہر در و دیوار و دیوار شہر
 ہوش بردے کوچ و بازار شہر
 صحبت ہر خانہ دیدن داشتہ ست
 حرف ہر واحد شنیدن داشتہ ست
 ہر طرف پائے و ہر جانب کچلے
 تالہ نش بر ہر نہالے بلبلے
 صحبت رنگیں ہر کاشانہ اش
 خانقہ آباد و ہم سے خانہ اش
 از خرابا تش چو جمشید آمدے
 و ز ربا طش باز آمدے سرزدے
 خواہ صوفی، خواہ مستم رو نمود
 چچ کس خالی ز کینیت نہ بود
 یک طرف شورے ز حسن سادگاں
 یک طرف ہنگامہ دل دادگاں
 آہ از طغانی غنائی خداد
 چچ یک خود شید را روے نہ داد
 دوائے برآں ز درد خساران شہر
 کار ہر کس را چہ تاز و چشم و قہر
 حسن را در ہر دو کف ششیر بود
 عشق را در ہر دو پا زنجیر بود
 بعد چندے رقص شد دل قہاد
 اتفاقا باز چوں را ہم قہاد
 نے شہ و نے شہر و نے کاشانہ بود
 محمد پادے بود و یک ویرانہ بود
 دامن دامن چند را گسترده دامن
 دیدم و کردم سوال از ہر کدام

شہر کے تمام درو دیواروں کو کھینچتے تھے
 شہر کے کوچہ بازار ہوش اڑا لے جاتے تھے
 ہر گھر کی محفل دیکھنے کے لائق تھی
 ہر فرد کی باتیں سننے کے لائق تھیں
 ہر طرف باغ اور ہر جانب گل
 ہر درخت پر بلبل نالہ کش
 اس کے ہر کاشانے میں رنگین محفل
 خائف آباد اور اس کے سے خانے بھی
 اس کے سے خانے سے جمید جیسا نکلا
 اور اس کی سرائے سے پایہ (میں) نکلا
 خواہ صوفی، خواہ مست مجھے (جو بھی) نظر آیا
 کوئی بھی کثرت سے خالی نہ تھا
 ایک طرف سادگاں کے حسن کی شہرت
 ایک طرف عاشقوں کا ہنگامہ
 آہ شامی اعجاز کوں کے سامنے
 کوئی بھی خورشید کو نہیں پہنچتا تھا
 شہر کے ان زرد ساروں پر افسوس
 ہر ایک کا واسطہ ناز اور غضب سے (تھا)
 حسن کے دونوں ہاتھوں میں شمشیر تھی
 عشق کے دونوں جیروں میں زنجیر تھی
 کچھ دنوں بعد میں نے دل میں جانے کی غہرائی
 اتھا تا دو بارہ جب (وہ شہر) میری راہ میں آیا
 نہ شاہ، نہ شہر، نہ کاشانہ تھا
 تیز ہوا تھی اور ایک دیر نہ تھا
 چند ماہی گیروں نے جال پھیلائے ہوئے تھے
 دیکھا اور ہر ایک سے سوال کیا

کج یک زان شہر حرفے سر نہ کرد
 کس پہ یاد شاہ قشعے تر نہ کرد
 در تگر چاکے و بر دل تازہ ریش
 عاقبت کردم از آن جا قصد پیش
 بار دیگر شد چو زان سوم گزار
 با فتم در جوش بحر بے کنار
 لچہ لچہ نظر نظر در غروش
 تیرہ و نہ دار خوفانے پہ جوش
 ساحلش پیدا نہ و موجش بلا
 لرزہ از دے خضر را بر دست و پا
 باز شد چشم بہ مای گیر چند
 یکے در آب شستے ی گند
 گفتیم ایں جا بود دشت بولاک
 دام داراں دام گسترده پہ خاک
 سر کنید آن دام داراں را چہ شد
 نامہ آن صحرائکاراں را چہ شد
 نے بیابان و نہ میانے پہ خواب
 تا نکاہم ی رود آب است آب
 ہر یکے حیران حرف من بہامہ
 کس ز آنہا بر زباں حرفے نہ نامہ
 ایں زماں ہازم چہ رو افتادہ است
 طرفہ حیرانی مرا رو دادہ است
 شہر آباد است و ہر سو عشرتے مست
 بر سر ہر کو و برزن صحیحے مست
 حالیا ایں شہر و شاہی از تو شد
 چند روزے کج کلاہی از تو شد

کسی نے اس شہر کی ایک بات نہیں کی
 کسی نے شاہ کی یاد میں آنکھوں کو لم نہیں کیا
 چاک جگر اور تازہ زخمی دل لیے
 آخر کار وہاں سے آگے کا قصد کیا
 ایک اور بار جب میرا اس طرف جانا ہوا
 ایک بھر بے کنار کو جوش میں پایا
 لپ لپ، لپ لپ، لپ لپ ۲ عروش میں
 ایک بھیانک طوفان جوش میں
 اس کا ساحل نظر نہیں (آتا) تھا اور اس کی موج بلا
 اس سے مختصر کے دست و پا پر لرزہ
 بعد میں مجھے چند ماہی گیر نظر آئے
 ہر ایک پانی میں خس ڈالے ہوئے تھا
 میں نے کہا یہاں ہولناک دشت تھا
 دام داروں نے جال زمین پر بچھا دیئے
 بتایا کہ ان دام داروں کا کیا ہوا
 اچانک ان صحرا شکاروں کو کیا ہوا
 نہ بیاباں اور نہ سینا و سویا ہوا
 جہاں تک میری نگاہ جاتی ہے پانی ہی پانی ہے
 ہر ایک میری بات پر حیراں رہ گیا
 کوئی بھی ان میں سے زبان پر ایک حرف نہیں لایا
 اس بار دو پارہ جو (وہ) راہ پڑی ہے
 طرفہ جیرانی سے مجھے واسطہ پڑا ہے
 شہر آباد ہے اور ہر طرف ہمیش و عشرت ہے
 ہر کوچہ و برزن میں محفل ہے
 اس زمانے میں یہ شہر اور شاہی قلعہ سے ہے
 چند روز کی کلاہی ۳ قلعہ سے ہے

۱۔ بھنور۔

۲۔ دریا کا تھپڑا۔

۳۔ کی کلاہ، شاہان ایران کا لقب، نیز کی ٹوپی والا۔

مملکت زیرِ نگین آید تمام
 ستے اس پر زرِ زوہد انا ہے نام
 ایں جہاں شاہِ کھن ویرانہ اے ست
 رونق و آباویش افسانہ اے ست
 زندگانی کن چٹاں پا ہر کسے
 کز پس رفتن ہے پاہ آئی ہے
 ایں کھفت و مختصر جا بگذاشتہ
 شاہ شد ورویش و دل برداشتہ

تمام مملکت زیرِ نگین آئی
 حیرا سکہ سونے میں ڈھلا، لیکن برائے نام
 یہ جہاں اسے شاہ ایک پرانا دیراندہ ہے
 اس کی روٹی اور آبادی ایک افسانہ ہے
 زندگی ہر ایک کے ساتھ ایسے بسر کر
 کہ جانے کے بعد تو بہت یاد آئے
 یہ کہا اور مختصر نے (اس) جگہ کو چھوڑا
 شاہ دل شکستہ (ہو کر) درویش بن گیا

مسدّس

مسدس (ترجیع بند) در منقبت

جامع شد ز نال نفس بے حمایت است
دل شکم ز چرخ ہر اقصائے غایت است
کے از کسم الخیر تو چشم حمایت است
از خاک برگزینم اکھن رعایت است

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

درے ست کز جھانے پہر حتم شعاع
بر دم ز دیدہ ی روم کر ہے کنار
نے دست بر تدارک و نے آشنا و یار
چوں موج گشتہ ام انگی جہتی کار

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

یک رہ بے سر بیجا و بے خاتم مہاں نگر
دستم بند بے سینہ و دل را تہاں نگر
خشے کشا و ایں مژدہاں غول فشاں نگر
لپٹے نما و حال منہاں محنت جاں نگر

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

آں ای کہ بہر قسم رسل ہائیں تو ای
نور سپہر و رونقِ روئے زمیں تو ای
قیوم عرش و حایٰ شرع حقیں تو ای
یعنی کہ جرم پاش و نیایش گزیریں تو ای

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

مسدس (ترجیع بند) در منقبت

نار سے تاخیر جلی گئی، نفیس ہے اثر ہے
 غم زدگی آسمان کی طرف سے اقصائے غایت ہے
 حیرے سوا کس سے مجھے حمایت کی امید ہے
 اب مجھے خاک سے اٹھانا مہربانی ہوگی

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم ہے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

دست ہوئی کہ حتم شعار آسمان کے غم سے
 میری آنکھوں سے ہر دم بحر بے کنار رواں ہے
 شد تدارک کا مقدر ہے اور شد آفتاب یار
 موج کی طرح بالکل اضطراب میں ہوں

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم ہے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

ایک بار میری بالیں پر آ اور مجھے خاک پر پڑا ہوا دیکھ
 میرا ہاتھ چنے پر رکھ اور دل کو چٹا ہوا دیکھ
 آنکھیں کھول اور اس خوں فشٹاں مڑا، کود دیکھ
 مہربانی کر اور مجھ تختہ جاں کے حال کو دیکھ

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم ہے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

تو وہ ہے کہ فتم رسلؑ کے بعد جائیں تو ہے
 آسمان کا نور اور روئے زمین کی روشنی تو ہے
 عرش کو قہا سننے والا اور شرع متین کا حامی تو ہے
 یعنی کہ جرم بخش اور گریہ و زاری (سے کی ہوئی دعا) کو پسند کرنے والا تو ہے

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم ہے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

کس را در این زمانہ خیال کمال نیست
داریم اضطراب و کسے را خیال نیست
یاری گری ز اہل جہاں احتمال نیست
ایں یک دو روزہ مہلت با جز و ہال نیست

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

تا چہ سر بہ سنگ زخم گریہ سر کنم
تا کہ ہے آہ و نالہ شبِ خود سر کنم
لطف کہ در مہلتِ غم جگر کنم
رہے کہ با ثبات ہے کتبے بسر کنم

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

از اضطرابِ دل ز نظر ہا قنادہ ام
بر خاکِ آستانِ عشاں رو نہادہ ام
تو خود سوارِ دولتِ ای و من پیادہ ام
مہجہ پامالیِ حوادث چہ چادہ ام

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

دل داغ و سیدہ چاک و جگر نونِ زخم مراست
ہنگامِ محب ز فلک بر سرم چاست
نالہ اگر نہ پیش تو پس داورس کھاست
مکھڑا نا امید کہ از تو امید ہاست

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

کسی کو اس زمانے میں کمال کی قدر نہیں ہے
ہم پریشان ہیں اور کسی کو خیال نہیں ہے
اٹل جہاں سے عدو کا گمان نہیں ہے
یہ میری ایک دو روزہ مہلت دہال کے سوا کچھ نہیں ہے

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

کب تک سر کو پتھر پر ماروں، اگر یہ سر کروں
کب تک آہ و نالہ (کر کر کے) اپنی رات کو صبح کروں
مہربانی (فرما) کہ غم کو روکنے کی جنت پیدا کروں
رحم (فرما) کہ مستقل کسی کو نے میں ہر کروں

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

دل کے اضطراب کی وجہ سے نظروں سے گر گیا ہوں
کم رجب لوگوں کے آستان کی خاک پر سر جھکائے ہوئے ہوں
تو خود سوار دولت ہے اور میں پیادہ ہوں
مت چاہ کہ حادثہ سے جاوے کی طرح پائمال ہو جاؤں

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

غم سے میرا دل داغ و سید چاک اور بھر خوں ہے
فلک (کی وجہ) سے میرے سر پر جب ہنگامہ بچا ہے
اگر تیرے سامنے نہ فریاد نہ کروں تو بھر (کوئی اور) وارہں کہاں ہے
نا امید مت چھوڑ کہ تجھ سے بہت امیدیں ہیں

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

دہ کار کنی ز دستِ عامتِ تری
تا گردم ملالِ بدلِ ہا مجھے
رہے ہر حالِ محنتِ انہماں تری
گوشتِ بہ زاری اسے نظرے پر نکلتے

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

امید دارم از تو کہ اعداؤ من کنی
یک گونہ پاسِ خاطرِ ناشادِ من کنی
چوں وقتِ خاصِ دستِ دید، یادِ من کنی
دستِ بہ آہ و نالہ و فریادِ من کنی

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

نغمِ است بر تو بعدِ نئی خوبیِ صفات
ذاتِ تو یادی دید از جلوہ ہائے ذات
سہل است پیشِ قدرتِ تو حلِ مشکلات
عاجز نوازی کہ بیایم ز غمِ نہایت

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

کوہِ وقارِ بود کہ ممنونِ ہر نعمت
بہر تلاشِ ناں بہ دورِ ناکس و کسے ست
ذلتِ ہے حقیرِ میرِ امی قدِ ہے ست
بخشائے کہ سہول و بے یار و بے ہے ست

یا مرتضیٰ علیؑ کرمت ہے نہایت است ہنگام دست گیری و وقتِ عنایت است

(اپنی) رحمت عام سے رحمت فرما
 تاکہ میں ملال کو تقسیم سے بدل دوں
 فریاد و زاری کرنے والے کے شرابِ حال پر رحم
 میری دعا سن، میرے فریاد پر توجہ (دے)

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

تجھ سے امیدوار ہوں کہ تو میری امداد کرے
 میری خاطر ناشاد کا یک گوشہ پاس کرے
 جب خاص وقت آئے، مجھے یاد کرے
 میری آہ و نالہ اور فریاد پر رحم کرے

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

جیئے کے بعد تجھ پر عوئی صفات ختم ہے
 حیرتی ذات جلوہ ہائے ذات کی یاد دلاتی ہے
 حیرے حوصلے کے سامنے مشکلوں کا حل سہل ہے
 عاجز نوازی کر کہ میں فہم سے نہایت پاؤں

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

(وہ) کوہ و قار تھا جو (اب) ہر کم رتبہ کا احسان مند ہے
 روئی کی تلاش میں کس و نا کس کے دروازے پر ہے
 میری تھیم کے لیے اتنی ذلت کافی ہے
 مہربانی کر کہ (وہ) ناامید و بے یار اور بے کس ہے

یا مرتضیٰ علیؑ حیرا کرم بے نہایت ہے دست گیری کا موقع اور حمایت کا وقت ہے

دیوان میر (فارسی) تمام شد

دیوانِ میر (فارسی)

مع اردو ترجمہ

ترجمہ: انضال احمد سید

میر تقی میر کا یہ فارسی دیوان پہلی مرتبہ اردو ترجمے کے ساتھ مکمل کتابی صورت میں منظر عام پر آ رہا ہے۔ یہ مطالعہ میر کے دشمن میں بہت اہم اضافہ ہے۔ میر ان شاعروں میں ہیں جن کا ہر سخن ایک مقام سے ہے اور ہر چند انھوں نے غالب کی طرح اپنی فارسی شاعری کے بارے میں بلند ہانگ دھوئی نہیں کیا لیکن جب تک ان کا فارسی کلام ان کے اردو کلام کے شائقین کی دھڑکن میں نہ ہو، تنقید میر نہ تو مکمل ہوگی اور نہ ہی معتبر۔ میر نے اپنی خودنوشت ذبحِ میر، اپنی روحانی سرفروشت فیضِ میر اور اپنا تذکرہ نکات الشعراء فارسی میں پیش کیا اور اب یہ دیوان فارسی شائقین ادب کے لیے ایک سوغات کی شکل میں حاضر ہے۔

مترجم کے بارے میں:

فارسی متن کا ترجمہ جناب انضال احمد سید نے کیا ہے جو خود جدید اردو شاعری میں اعتبار کا رتبہ رکھتے ہیں۔ انگریزی اور فارسی پر ان کی دھڑکن یکساں ہے لیکن ہر چند کہ ان کی اردو شاعری جدید حسیت کی ترجمان ہے، وہ کلاسیکی ادب خصوصاً فارسی شعر و ادب کا شوق و ادراک اور ہماری ادبی تاریخ کے تمام محاورات سے آشنائی رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ ترجمہ نثر میں ہے لیکن ایک شعری کیفیت کے ساتھ ہے جس کے سبب اشعار میر زندہ ہو کر سامنے آ جاتے ہیں۔

سردارِ دل: شاعرِ ناصر

ISBN 978-0-19-906205-8



9 780199 062058

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

www.oup.com
www.oup.com/pk

RS 1500